أنه لا يأمر ولا يحكم ولا يقول إلاّ ما قال الرّسول صلى الله عليه وسلم

مومن وہی ہے جس کا ہر قول وقرار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول وقرار کے مطابق ہو

شرح

تجريد التوحيد المفيد

لتقی الدین احمد بن علی المقریزی

تالیف:

فضیلۃ الشیخ / صالح بن سعد سحیمی

مترجم:

د/ اجمل منظور المدنی

عرض مترجم

الحمد للہ، والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ،

حمد وثناء کے بعد:

یہ دراصل فضیلۃ الشیخ صالح بن سعد سحیمی کے چند دروس ہیں جو علامہ مقریزی کی کتاب [تجرید التوحید المفید] کی شرح سے عبارت ہے، ان دروس کو بعد میں تفریغ کر کے تحریری شکل دی گئی ہے جسے شیخ سالم بن محمد جزائری نے انجام دیا ہے۔

یہ توحید پر مشتمل ایک رسالہ ہے جسے مصری مشہور عالم علامہ مقریزی نے تصنیف کی ہے، آپ نویں صدی ہجری کے ہیں، اس وقت عالم اسلام کے اندر خرافات وبدعات عام تھے، ہر سو بدعقیدگی پھیلی ہوئی تھی، روافض، غالی صوفیوں اور ملحد فلاسفہ واہل کلام کا غلغلہ تھا، عوام الناس مساجد ومدارس کو چھوڑ کر مزاروں وخانقاہوں کی طرف رخ کر رہے تھے، ایسے موقع پر آپ نے یہ رسالہ تحریر کیا، جس کے اندر توحید وعبادت کی حقانیت اور اسکی حکمت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور شرک کی متنوع اقسام سے آگاہی کی گئی ہے، گو آپ ایک مورخ کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں کیونکہ آپ نے اکثر کتابیں تاریخ میں لکھی ہیں جن میں خطط مقریزی سب سے مشہور ہے، مگر اس رسالے نے ثابت کر دیا کہ آپ ایک پکے موحد اور سچے مومن بھی تھے اور سلف کی کتابیں آپ کے مطالعے میں رہتی تھیں بطور خاص ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن کثیر وغیرہ کی کتابیں جن سے آپ اپنی کتابوں میں حوالہ دیتے رہتے ہیں۔

اللہ اس کتاب کو مفید اور بابرکت بنائے، آمین۔

کتبہ

د/اجمل منظور المدنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ رب الذی بنعمتہ تتم الصالحات، والصلاۃ والسلام علی رسولہ الکریم، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، ومن تبعھم بإحسان إلی یوم الدین.

حمد وصلاۃ کے بعد:

یہ دراصل فضیلۃ الشیخ صالح بن سعد سحیمی کے چند دروس ہیں جو علامہ مقریزی کی کتاب [تجرید التوحید المفید] کی شرح سے عبارت ہے، شرح کے دوران آپ نے اس نسخے پر اعتماد کیا ہے جس کی تحقیق شیخ علی حسن حلبی نے کی ہے۔

ان دروس کو بعد میں تفریغ کر کے تحریری شکل دی گئی ہے، جسے شیخ سالم بن محمد جزائری نے انجام دیا ہے، جس کے اندر آپ نے آیتوں اور حدیثوں کی تخریج کی ہے، جہاں جس عبارت پر تشکیل کی ضرورت تھی اس پر اعراب لگایا ہے، اس کتاب کے پانچ نسخے موجود ہیں سب سے مقابلہ کیا گیا ہے۔

علامہ مقریزی نے امام ابن القیم کی کتاب [مدارج السالکین] سے بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں، چنانچہ اس کتاب کے محقق نسخے (جسکی تحقیق شیخ محمد حامد الفقی نے کی ہے اور جو دار ابن الہیثم سے شائع ہوئی ہے) سے ان عبارتوں کا مقابلہ کر کے ان کا حوالہ دیا گیا ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کے مولف، اسکے شارح اور اس کے شائع ہونے میں جن لوگوں نے ساتھ دیا، اور جنہوں نے اس کے نشر واشاعت میں ہاتھ بٹایا اور دیگر تمام مستفیدین کے لئے اللہ تعالی اپنے فضل و کرم سے اسے خیر و برکت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد

سالم بن محمد الجزائری   ربیع الاول ۱۴۲۸ھ

مصنف کی مختصر سوانح

نام ونسب:

آپ کا پورا نام ہے تقی الدین احمد بن علی بن عبد القادر بن محمد بن ابراہیم بن محمد بن تمیم بن عبد الصمد۔ آپ اصلاً بعلبکی ہیں، مگر پیدائش اور وفات کے اعتبار سے مصری ہیں، ویسے آپ مقارزہ نامی جس علاقے میں رہتے تھے اسی کی طرف نسبت کر کے مقریزی سے مشہور ہیں، مسلکاً پہلے آپ حنفی تھے پھر شافعی ہو گئے، عقیدے میں سلفی المنہج تھے، آپ کا نسب سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مل جاتا ہے۔

پیدائش:

آپ کی پیدائش قاہرہ میں ۷٦٦ھ میں ہوئی ہے، اور وہیں پر آپ کی پرورش بھی ہوئی ہے، ابتدائی تعلیم بھی وہیں پر ہوئی ہے۔

علمی خدمات:

متعدد بار احتساب، خطابت وامامت کی ذمیداری قاہرہ کے اندر آپ کو دی گئی ہے اور آپ نے ہر بار اپنی ذمیداری بحسن وخوبی نبھائی ہے۔

تالیفات:

آپ نے تالیف وتصنیف کے میدان میں گرانقدر خدمت انجام دی ہے، اور بہت ساری کتابیں لکھی ہیں، ان میں سے چند کا ذکر ذیل میں کر رہے ہیں:

* المواعظ والاعتبار بذکر الخطط والآثار۔
* السلوک فی معرفۃ دول الملوک۔
* إمتاع الأسماع بما للرسول ﷺ من الأبناء والحفدۃ والمتاع۔ یہ کتاب ۱۵/ اجزاء میں ہے۔
* التنازع والتخاصم بین بنی أمیۃ وبنی ھاشم۔

* تجرید التوحید المفید۔ (اسی کتاب کی شرح کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔)

* البیان والاعراب عمن فی أرض مصر من قبائل الأعراب۔

* النقود القدیمۃ الإسلامیۃ۔

* رسالۃ فی فضل أھل البیت علی من عداھم۔

* رسالۃ المقاصد السنیۃ فی معرفۃ الأجسام المعدنیۃ۔ (اس کتاب میں علامہ مقریزی علم کیمیا میں متخصص لگتے ہیں)

* رسالۃ عن الإلمام بأخبار من بأرض الحبشۃ من ملوک الإسلام۔

* رسالۃ قصیرہ عن حرص النفوس علی بقاء الذکر۔

* حسن الخاتمہ۔

* رسالۃ عن حل لغز الماء۔

* نحل عبر النحل۔

وفات:

آپ کی وفات بروز جمعرات ۱۶ / رمضان ۸۴۵ھ کو ہوئی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلی مجلس

مقدمہ

برائے شارح

إن الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور أنفسنا، ومن سيئات أعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلل فلا هادي له، وأشهد أن لا إله إلا الله، وحده لا شريك له، وأشهد أن محمداً عبده ورسوله.

قال تعالى: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ} ، {يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيراً وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيباً} . {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَوْلاً سَدِيداً * يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيماً} .

أما بعد؛ فإن أصدق الحديث كتاب الله، وخير الهدى هدى محمد ﷺ، وشر الأمور محدثاتها، وكل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، وكل ضلالة في النار۔

حمد وثناء کے بعد:

محترم دوستو! علامہ مقریزی کی کتاب [تجرید التوحید المفید] جسکی شرح کرنے جا رہا ہوں ان شاء اللہ اسکے شروع میں بطور تذکیر اور تمہید کے کچھ بنیادی باتیں عرض کرتا چلوں ، اور وہ ہے دعوت دین کی

اہمیت اوراصولوں اورعقائد پر اسکی بنیاد کا ہونا، کیونکہ جس دعوت کی بنیاد صحیح اصولوں اورعقائد پرنہیں ہوگی وہ دعوت کبھی بھی کامیاب نہیں ہوگی، اوروہ بنیاد توحید باری تعالی ہے، یعنی توحید الوہیت، توحید ربوبیت اورتوحید اسماء وصفات۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ کے اندر ۱۳/ برس تک رہے اوراس دوران اسی عقیدہ کومضبوط کرتے رہے، اسی کی طرف لوگوں کو دعوت دی، مومنوں کے دلوں اسی کو راسخ کیا، یہی وجہ ہے کہ اکثر مکی آیتیں توحید ہی کے بارے میں گفتگو کرتی ہیں، کم ہی ایسی آیتیں ہیں جو تفصیلی احکام کے تعلق سے گفتگو کرتی ہوں گی، کیونکہ دین اسلام کی یہی اصل بنیاد ہے، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

والبيت لا يُبتنى إلا بأعمدة ... ولا عماد إذا لم تُرسَ أوتاد

ترجمہ: گھر نہیں بنتا جب تک کہ اسکے ستون نہ ہوں، اورستون اسی وقت ہوتے ہیں جب میخیں گاڑ دی جاتی ہیں۔

اوراسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا: {أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى تَقْوَى مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ} ترجمہ: تو کیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اوراس کی خوشنودی پر رکھی، بہتر ہے، یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کھوکھلے تودے کے کنارے پر رکھی، جو گرنے والا تھا؟ پس وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں گرگیا اوراللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اوراسی لئے ہم نبی اکرم ﷺ کو پاتے ہیں کہ آپ ہمیشہ اپنی بات اسی بنیاد سے یعنی توحید ہی سے شروع کرتے تھے، چنانچہ جب آپ اپنے داعیوں کو کسی علاقے میں بھیجتے تو انہیں اسی بنیاد کی رہنمائی فرماتے، صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، يَقُولُ: "لَمَّا بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ

إِلَى نَحْوِ أَهْلِ الْيَمَنِ، قَالَ لَهُ: إِنَّكَ تَقْدَمُ عَلَى قَوْمٍ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ، فَلْيَكُنْ أَوَّلَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَى أَنْ يُوَحِّدُوا اللَّهَ تَعَالَى فَإِذَا عَرَفُوا ذَلِكَ، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ قَدْ فَرَضَ عَلَيْهِمْ خَمْسَ صَلَوَاتٍ فِي يَوْمِهِمْ وَلَيْلَتِهِمْ، فَإِذَا صَلَّوْا، فَأَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ افْتَرَضَ عَلَيْهِمْ زَكَاةً فِي أَمْوَالِهِمْ تُؤْخَذُ مِنْ غَنِيِّهِمْ، فَتُرَدُّ عَلَى فَقِيرِهِمْ فَإِذَا أَقَرُّوا بِذَلِكَ، فَخُذْ مِنْهُمْ وَتَوَقَّ كَرَائِمَ أَمْوَالِ النَّاسِ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو ان سے فرمایا کہ تم اہل کتاب میں سے ایک قوم کے پاس جا رہے ہو۔ اس لیے سب سے پہلے انہیں اس کی دعوت دینا کہ وہ اللہ کو ایک مانیں (اور میری رسالت کو مانیں) جب وہ اسے سمجھ لیں تو پھر انہیں بتانا کہ اللہ نے ایک دن اور رات میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب وہ نماز پڑھنے لگیں تو انہیں بتانا کہ اللہ نے ان پر ان کے مالوں میں زکوٰۃ فرض کی ہے، جو ان کے امیروں سے لی جائے گی اور ان کے غریبوں کو لوٹا دی جائے گی۔ جب وہ اس کا بھی اقرار کر لیں تو ان سے زکوٰۃ لینا اور لوگوں کے عمدہ مال لینے سے پرہیز کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور سے لیکر آج تک جتنے بھی داعی منہج سلف پر پائے گئے ہیں سب نے اپنی دعوت کی بنیاد اسی توحید پر رکھی ہے، اور جو بھی دعوت اس بنیاد سے خالی ہوگی ناکامی اسکا مقدر ہوگی، ہم نے اسکا مشاہدہ کیا ہے اور مسلمانوں نے مختلف زمانوں میں اسکا تجربہ کیا ہے۔

جو یہ چاہتے ہیں کہ اس منہج کے بغیر دعوت صحیح ہو جائے گی وہ درست نہیں ہے، اسکے بغیر کوئی دعوت صحیح نہیں ہوگی اور نہ ہی وہ جاری رہ سکتی ہے، اور اگر کچھ وقت کیلئے جاری بھی رہے تو وہ باقی نہیں رہے گی؛ اسلئے کہ اسے اس بنیاد پر نہیں رکھا گیا جس پر ہمیں رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اسلئے میرے پیارے بھائیو! ہم پر ضروری ہے کہ ہم اپنی دعوت کو اس بنیاد پر قائم کریں گرچہ

اعتراض کرنے والے ہم پر اعتراض کریں اور ملامت کرنے والے ہماری ملامت کریں۔

کوئی آ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ مسلمان ہر جگہ پریشان کئے جارہے ہیں، وہ دشمنوں کے نرغے میں ہیں، اور ہم یہاں بیٹھ کر توحید وشرک اور نواقض اسلام کے بارے میں گفتگو کررہے ہیں، ہم نے اسلام کیلئے کیا کیا ہے؟

میں کہتا ہوں: دشمنان اسلام نے مسلمانوں پر جو ہر چہار جانب سے حملہ کیا ہوا ہے وہ دراصل اسی بنیاد کے ترک کرنے کی وجہ سے ہے، جب مسلمانوں نے توحید کو چھوڑ دیا اور ہوا میں اپنی بنیاد رکھ لی اور اپنے مقام سے نیچے اتر گئے، اسی وقت انکی دعوت ناکام ہوئی ہے، اور اسی بنیاد کے ترک کرنے کی وجہ سے یہ مختلف گروہوں، جماعتوں اور فرقوں میں بٹے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: {إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ} ترجمہ: بے شک وہ لوگ جنھوں نے اپنے دین کو جدا جدا کرلیا اور کئی گروہ بن گئے، تو کسی چیز میں بھی ان سے نہیں، ان کا معاملہ تو اللہ ہی کے حوالے ہے، پھر وہ انھیں بتائے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ} ترجمہ: اور یہ کہ یہی میرا راستہ ہے سیدھا، پس اس پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو کہ وہ تمھیں اس کے راستے سے جدا کر دیں گے۔ یہ ہے جس کا تاکیدی حکم اس نے تمھیں دیا ہے، تاکہ تم بچ جاؤ۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُونَ} ترجمہ: اور سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور جدا جدا نہ ہو جاؤ اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت یاد کرو، جب تم دشمن تھے تو اس نے تمھارے دلوں کے درمیان الفت ڈال دی تو تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے اور تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر تھے تو اس نے تمھیں اس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تمھارے لیے اپنی آیات کھول کر بیان کرتا ہے، تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

اس باب میں آیتیں بہت ہیں، چنانچہ یہی مضبوط بنیاد اور رکن رکین ہے جس پر اپنی دعوت شروع کرنی چاہیئے اور اسی کو بنیاد سمجھنا چاہیئے، خواہ اعتراض کرنے والے کچھ اعتراض کریں اور مخالفت کرنے والے کچھ بھی مخالفت کریں۔

یہی وہ منہج ہے جس پر آسمان وزمین قائم ہیں، اسی منہج پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کا آغاز کیا تھا، اسی منہج کو ائمہ دین نے قرون مفضلہ میں اپنی دعوت کی بنیاد بنائی تھی جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

عَنۡ عِمۡرَانَ بۡنِ حُصَيۡنٍ، قَالَ: سَمِعۡتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " خَيۡرُ النَّاسِ قَرۡنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمۡ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمۡ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمۡ ثَلَاثًا، ثُمَّ يَجِيءُ قَوۡمٌ مِنۡ بَعۡدِهِمۡ يَتَسَمَّنُونَ وَيُحِبُّونَ السِّمَنَ يُعۡطُونَ الشَّهَادَةَ قَبۡلَ أَنۡ يُسۡأَلُوهَا "، قَالَ أَبُو عِيسَى: وَهَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ مِنۡ حَدِيثِ الۡأَعۡمَشِ، عَنۡ عَلِيِّ بۡنِ مُدۡرِكٍ، وَأَصۡحَابُ الۡأَعۡمَشِ إِنَّمَا رَوَوۡا عَنِ الۡأَعۡمَشِ، عَنۡ هِلَالِ بۡنِ يَسَافٍ، عَنۡ عِمۡرَانَ بۡنِ حُصَيۡنٍ، حَدَّثَنَا أَبُو عَمَّارٍ الۡحُسَيۡنُ بۡنُ حُرَيۡثٍ.

ترجمہ: سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: ”سب سے اچھے لوگ میرے زمانہ کے ہیں (یعنی صحابہ)، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے (یعنی تابعین)، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد آئیں گے (یعنی اتباع تابعین)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات

تین مرتبہ دہرائی، پھر ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو موٹا ہونا چاہیں گے، موٹاپا پسند کریں گے اور گواہی طلب کیے جانے سے پہلے گواہی دیں گے"۔

(ایک روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ دو یا تین بار دہرایا، اگر تین بار دہرایا تو اس کا مطلب ہے کہ آپ نے خود اپنا زمانہ مراد لیا، پھر صحابہ کا پھر تابعین کا، پھر اتباع تابعین کا، اور اگر آپ نے صرف دو بار فرمایا تو اس کا وہی مطلب ہے جو ترجمہ کے اندر قوسین میں واضح کیا گیا ہے۔ مترجم)۔

اور اسی منہج پر اہل سنت والجماعہ کے داعی چلتے آرہے ہیں، اور اسی منہج پر ہمیں ہمارے علماء اور مشائخ نے تربیت دی ہے، اور اسی پر ہماری پرورش کی گئی ہے، اور اسی منہج پر ہمارا یہ ملک قائم ہے، اور اسی بنیاد پر امام مجدد محمد بن عبدالوہاب اور امام محمد بن سعود کے درمیان اتحاد ہوا تھا جس پر اس ملک کو قائم کیا گیا، وہ یہی اہل سنت والجماعہ کا منہج تھا، اور اسی منہج پر یہ ملک آج بھی قائم ہے۔ ہم دعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالی اسی منہج پر اسے قائم و دائم رکھے۔

اس طرح ہمیں دیکھنا ہوگا کہ سلف صالح نے کس چیز کا اہتمام زیادہ کیا تھا اور اپنی دعوت کی بنیاد کس چیز پر رکھی تھی، اور سب سے پہلے کس چیز کی دعوت دی تھی، چنانچہ جب عقیدہ توحید ہمارے دلوں میں مضبوط اور راسخ ہو جائے گا تو ہم دین اسلام کو کامل طور پر حاصل کرلیں گے، ایسا نہیں ہوگا کہ ایک پہلو کو لیں گے اور دوسرے کو ترک کر دیں گے، کیونکہ مصلحت اس کے ترک کرنے میں ہے، یا حالات وظروف اسکا تقاضہ نہیں کرتے ہیں، نہیں، اسلام ایک وحدت ہے جس کا کوئی جزء نہیں، اسکی بنیاد توحید ہے اس سے سمجھوتہ ممکن نہیں ہے۔

بطور تمہید کے میں نے اسے رکھا ہے تاکہ یہ ہم سب کیلئے سودمند بنے، حقیقت یہ ہیکہ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ جس سے آپ کے علم میں اضافہ ہو جائے گا مگر یہ بطور تذکیر کے ہے اور اس سے ہماری

اور آپ کی نیکیوں میں اضافہ ہوگا، اور دعا ہے کہ اللہ تعالی اسے خالص بنائے، اور نیکی اور بھلائی کی بنا پر ہم ایک دوسرے کا تعاون کریں۔

اب علامہ مقریزی کی کتاب: [تجرید التوحید المفید] کی طرف آتے ہیں جس کی مختصر شرح کریں گے اور ساتھ ہی شیخ علی بن حسن بن عبد الحمید کی مختصر تعلیق بھی رہے گی۔

۞۞۞

شارح حفظہ اللہ نے کہا:

نبذة مفيدة فى بيان صفاء العقيدة

قال المصنف فى كتابه [المواعظ والاعتبار بذكر الخطط والآثار المعروف بالخطط: ٢/٣٥٦]:

اعلم أن الله تعالى لما بعث من العرب نبيه محمدا صلّى الله عليه وسلّم رسولا إلى الناس جميعا، وصف لهم ربهم سبحانه وتعالى، بما وصف به نفسه الكريمة فى كتابه العزيز الذى نزل به على قلبه صلّى الله عليه وسلّم الروح الأمين وبما أوحى إليه ربه تعالى.

فلم يسأله صلّى الله عليه وسلّم أحد من العرب بأسرهم، قرويهم وبدويهم عن معنى شيء من ذلك، كما كانوا يسألونه صلّى الله عليه وسلّم عن أحوال القيامة والجنة والنار، إذ لو سأله إنسان منهم عن شيء من الصفات الإلهية لنقل كما نقلت الأحاديث الواردة عنه صلّى الله عليه وسلّم فى أحكام الحلال والحرام، وفى الترغيب والترهيب، وأحوال القيامة والملاحم والفتن، ونحو ذلك مما تضمنته كتب الحديث، معاجمها ومسانيدها وجوامعها.

ومن أمعن النظر فى دواوين الحديث النبوىّ، ووقف على الآثار السلفية، علم أنه لم يرد قط من طريق صحيح ولا سقيم عن أحد من الصحابة رضى الله عنهم، وعلى اختلاف طبقاتهم و كثرة عددهم، أنه سأل رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عن معنى شيء مما وصف الربّ، سبحانه به نفسه الكريمة فى القرآن الكريم، وعلى لسان نبيه محمد صلّى الله عليه وسلّم، بل كلهم فهموا معنى ذلك

وسکتوا عن الکلام فی الصفات.

ترجمہ:

عقیدہ خالص کے بیان میں مفید تبصرہ

مصنف رحمہ اللہ نے اپنی کتاب [الخطط : ۲/ ۳۵۶] کے اندر کہا:

جان لیں کہ جب اللہ تعالی نے اپنے نبی محمد ﷺ کو رسول بنا کر تمام لوگوں کی طرف مبعوث کیا تو اسی وقت نبی اکرم ﷺ نے ان کے رب کے بارے میں بتلا دیا تھا انہیں سارے اوصاف کے ساتھ جنکا ذکر اللہ نے اپنی کتاب عزیز کے اندر کی ہے اور جسے لیکر روح امین آپ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوئے ہیں اور جو کچھ آپ ﷺ کے رب نے آپکی طرف وحی فرمائی ہے۔

اس وقت عربوں میں سے کسی نے خواہ وہ شہر کے رہنے والے ہوں یا دیہات کے، کسی نے ان میں سے آپ ﷺ کوئی سوال نہیں کا جس طرح وہ قیامت کے احوال اور جنت اور دوزخ کے بارے میں سوال کرتے تھے، کیونکہ اگر کسی ایک بھی شخص نے صفات الٰہیہ کے تعلق سے سوال کیا ہوتا تو وہ بھی ہم تک منقول ہوتا جس طرح دیگر حدیثیں ہم تک منقول ہو کر پہونچی ہیں خواہ ان کا تعلق حلال وحرام کے احکام سے ہو یا ترغیب وترہیب سے متعلق ہو یا پھر قیامت اور ملاحم وفتن سے متعلق ہو اور اس طرح کے دیگر مسائل واحکام جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں خواہ وہ کتابیں معاجم ہوں، مسانید ہوں یا جوامع ہوں۔

چنانچہ جو حدیث نبوی پر مشتمل کتابوں پر غور کرے گا اور سلفی آثار سے واقف ہوگا تو اسے پتہ چلے گا کہ مختلف طبقات اور اس قدر تعداد میں صحابہ کے ہونے کے باوجود ان میں سے کسی نے نہ ہی صحیح سند اور نہ ہی ضعیف سند سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا ہو جس کا تعلق اللہ تعالی کی صفات سے ہو نہ ہی قرآن میں اسکا کہیں ذکر ہے اور نہ ہی نبی اکرم ﷺ کی زبانی حدیث

میں کہیں اسکا بیان ہے، بلکہ حقیقت یہی ہے کہ ان لوگوں نے اس مفہوم کو سمجھا اسی لئے صفات باری کے تعلق سے کلام کرنے سے باز رہے۔

الشرح:

دراصل اس عبارت کو شیخ علی بن حسن بن عبدالحمید نے [تجرید التوحید للمقریزی] کی اپنی تحقیق کے مقدمے میں نقل کیا ہے، یہ اصل کتاب میں موجود نہیں ہے، اور اس عبارت کو آپ نے یہاں اس لئے نقل کیا ہے کیونکہ مصنف رحمہ اللہ نے اس پوری کتاب کے اندر توحید ربوبیت اور توحید الوہیت کا بیان کیا ہے مگر توحید اسماء وصفات کا بیان بہت ہی کم کیا ہے، اور اس لئے بھی تاکہ کوئی یہ نہ گمان کرے کہ مصنف نے توحید کی اس قسم کو سمجھا ہی نہیں، ایسی بات نہیں ہے بلکہ مصنف نے اسے اپنی دوسری کتاب [المواعظ والاعتبار] کے اندر ذکر کیا ہے جو (الخطط) سے معروف ہے، جو کہ ایک تاریخی اور وعظ ونصیحت کی کتاب ہے، اسی سے شیخ حلبی نے بطور مقدمہ کے اس عبارت کو نقل کیا ہے جس کا تعلق توحید اسماء وصفات سے ہے، جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مصنف رحمہ اللہ نے توحید کی اس قسم کا بھی اہتمام کیا ہے۔

توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات میں توحید کی یہ تقسیم استقرائی ہے، جو قدیم زمانے ہی سے سلف سے ثابت ہے، یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ شیخ محمد بن عبدالوہاب وغیرہ کی ایجاد نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ دعوی کرتے ہیں، بلکہ یہ تقسیم قرون اولی ہی سے پائی جاتی ہے، بعض سلف سے ایسی باتیں منقول ہیں جو اس تقسیم پر دلالت کرتی ہیں، بہرصورت یہ استقرائی تقسیم ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ توحید ان تینوں امور کو شامل ہے، اس کا معنی یہ ہرگز نہیں ہے کہ ہم توحید کو تین حصوں میں بانٹ رہے ہیں، جو سب ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں بلکہ یہ سارے اقسام آپس میں لازم ملزوم ہیں کوئی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ توحید ربوبیت توحید الوہیت کو مستلزم ہے، اور توحید الوہیت توحید اسماء وصفات اور توحید ربوبیت دونوں کو شامل ہے، اس طرح یہ ایک دائرہ ہے جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں کوئی الگ نہیں ہوسکتا، یہاں مقصود حصہ بخرا کرنا مقصود نہیں ہے جیسا کہ بعض دشمنان سلفیت اہل سنت والجماعہ پر الزام لگاتے ہیں کہ انہوں نے توحید کو تین حصوں میں بانٹ دیا ہے، اور انہیں طرح الگ الگ کر دیا ہے جن کا آپس میں ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے، حالانکہ سلف میں سے کسی نے ایسی بات نہیں کہی ہے، یہ افترا پردازی ہے جسے اہل سنت والجماعہ کے خلاف بہتان لگایا جاتا ہے، حقیقت یہی ہے کہ اہل

سنت والجماعہ توحید کو اسکے تینوں اقسام کے ساتھ ایک کامل وحدت مانتے ہیں جو سب آپس میں ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں جو کبھی الگ نہیں ہو سکتے۔

چنانچہ توحید ربوبیت کہتے ہیں کہ اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالی ہر چیز کا رب، اسکا مالک، اسکا خالق اور رازق ہے اور وہی تنہا ہر چیز میں تصرف کرنے والا ہے۔

توحید الوہیت کہتے ہیں کہ اس بات پر ایمان لانا کہ اللہ تعالی بندوں کے افعال میں منفرد ہے جیسے روزہ، نماز، نذر، حج وعمرہ وغیرہ۔

توحید اسماء وصفات کہتے ہیں کہ کتاب وسنت میں اللہ کے جو بھی اسمائے حسنی اور صفات علیا وارد ہوئے ہیں ان پر بغیر کسی تحریف وتعطیل کے اور بغیر کسی تکییف اور تمثیل کے ایمان لانا جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے: {لَيۡسَ كَمِثۡلِهِۦ شَيۡءٞۖ وَهُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلۡبَصِيرُ} ترجمہ: اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

اور دوسری بات یہ کہ مشرکین اور مومنین کے درمیان جو چیز محل نزاع اور باعث اختلاف تھی وہ توحید الوہیت اور آخرت وغیرہ کے متعلق تھی جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ نے اس جانب اشارہ کیا ہے؛ اس لئے کہ توحید اسماء وصفات کبھی بھی باعث نزاع نہیں رہا ہے، مگر شاذ ونادر ہی کوئی ایسا واقعہ ملے گا جس میں مومنوں کا مشرکوں سے اس باب میں اختلاف ہوا ہو جیسا کہ سہیل بن عمرو نے ایک بار اعتراض کیا تھا جب صلح حدیبیہ کے موقع پر نبی اکرم ﷺ نے معاہدے کے اندر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا تو اس نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ رحمن کون ہے؟ ہم صرف یمامہ کے رحمن کو جانتے ہیں، اس وقت اللہ نے اسکی تکذیب کرتے ہوئے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تھی: {قُلِ ٱدۡعُواْ ٱللَّهَ أَوِ ٱدۡعُواْ ٱلرَّحۡمَٰنَۖ أَيّٗا مَّا تَدۡعُواْ فَلَهُ ٱلۡأَسۡمَآءُ ٱلۡحُسۡنَىٰ} ترجمہ: کہہ دیں کہ اللہ کو پکارو، یا رحمان کو پکارو، تم جس کو بھی پکارو گے سو یہ بہترین نام اسی کے ہیں۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَهُمۡ يَكۡفُرُونَ بِٱلرَّحۡمَٰنِۚ قُلۡ هُوَ رَبِّي لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَإِلَيۡهِ مَتَابِ} ترجمہ: اس حال میں کہ وہ اس بے حد مہربان سے کفر کر رہے ہیں۔ کہہ دے وہی میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میں نے بھروسا کیا اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔

ابتداء میں توحید اسماء وصفات کا ذکر نہیں ملتا ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ صحابہ، تابعین اور کے دور میں توحید کی اس قسم پر کسی نے اعتراض کیا ہی نہیں تھا، یہ اعتراض دوسری صدی ہجری میں ہوا ہے، اور تیسری صدی ہجری کے آغاز میں معتزلہ کے دور میں یہ عروج پر پہونچا ہے۔

اسماء وصفات کے باب میں ایک مسلمان پر یہ واجب ہے کہ وہ اللہ کیلئے ان چیزوں کو ثابت کرے جنہیں اللہ نے

اپنے لئے ثابت کیا ہے اور جنہیں اسکے رسول نے اسکے لئے ثابت کیا ہے بغیر کسی تحریف و تعطیل کے اور بغیر کسی تکییف اور تمثیل کے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ} ترجمہ: اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے۔

اور جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ مثال سے باتیں واضح ہوتی ہیں، چنانچہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى} ترجمہ: وہ بے حد رحم والا عرش پر بلند ہوا۔ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ} ترجمہ: اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے۔ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ} ترجمہ: بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَيَبْقَى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ} ترجمہ: اور تیرے رب کا چہرہ باقی رہے گا، جو بڑی شان اور عزت والا ہے۔

ہمارا موقف یہ ہیکہ اس طرح کی صفتوں میں پانچ امور کا پایا جانا ضروری ہے خواہ وہ اللہ کی کوئی بھی صفت ہو، ہم اسے صرف ایک صفت میں لاگو کریں گے اسی طرح باقی صفات میں بھی مانا جائے گا۔

اسکے لئے ہم صفت استواء کو لیتے ہیں کہ جس کے اندر سب سے زیادہ اختلاف ہے، وہ پانچ امور درج ذیل ہیں:

پہلا امر:

اس صفت پر ویسے ہی ایمان لایا جائے گا جیسا وہ قرآن اور حدیث کے اندر وارد ہوا ہے۔

دوسرا امر:

اس کے معنی پر ایمان لانا، یعنی یہ کہ اسکا معنی ومفہوم ہے، ہم معانی سے خالی کر کے اس پر ایمان نہیں لائیں گے جیسا کہ معتزلہ یا جہمیہ کا دعوی ہے۔

تیسرا امر:

اس بات پر ایمان لانا کہ یہ معنی اسی طرح ہے جیسا کہ وہ اللہ کے جلال وکمال کے لائق اور زیبا ہے۔

چوتھا امر:

اس طرح اس پر ایمان لانا کہ وہ کسی بھی طرح مخلوق کی صفات کے مشابہ نہ ہو۔

پانچواں امر:

اسکی کیفیت کے علم کو اللہ کے حوالے کرنا، یعنی کیفیت موجود ہے مگر اسکا علم اللہ کو ہے، اسی لئے سلف کہتے تھے: اسے ویسے ہی مان لو جیسا وارد ہوا ہے بغیر کسی کیفیت بیان کئے، یعنی علم کیفیت کا دعوی کئے بغیر، یہاں یہ مقصود نہیں ہے کہ اسکی کوئی

کیفیت نہیں ہے، بلکہ اسکی کیفیت ہے مگر اس کیفیت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

اگر ہم ان پانچوں امور کی رعایت کریں گے تو کسی بھی ایسے لازمی امر سے محفوظ رہیں گے جس کے لازم کرنے کی کوشش میں ہمیشہ معطلہ یا مووِلہ رہتے ہیں۔

مثال کے طور پر ہم صفت استواء کو لے لیں، چنانچہ ہم استواء پر ایمان لائیں گے اسلئے کہ وہ قرآن وسنت کے اندر وارد ہوا ہے۔

دوسرا: ہم یہ ایمان لائیں گے کہ استواء کا معنی اور مفہوم ہے یعنی اللہ تعالی بلند ہوا، مستوی ہوا۔

تیسرا؛ ہم ایمان لائیں گے کہ استواء کی صفت اللہ کیلئے اسی طرح لائق اور مناسب ہے جیسا اسکی عظمت وجلال کا تقاضہ ہے۔

چوتھا: ہم یہ ایمان لائیں گے کہ یہ استواء مکمل طور پر مخلوق کے استواء سے بالکل مختلف ہے خواہ وہ کرسی پر مستوی ہو یا کسی تخت پر یا گاڑی یا سواری پر، چنانچہ جس طرح اللہ کی ذات بندوں کی ذات کے مشابہ نہیں ہے اسی طرح اسکی صفات بھی بندوں کے صفات کے مشابہ نہیں ہیں۔

پانچواں: علم کیفیت کو اللہ کے حوالے کرنا، اور اسی معنی کو امام مالک نے بیان کیا ہے جب آپ سے ایک بدعتی نے سوال کیا تو آپ نے اسے جو جواب دیا اسے ہمارے یہاں کا ایک مبتدی طالب علم بھی یاد رکھتا ہے یعنی استواء معلوم ہے، کیفیت مجہول ہے، ایمان لانا واجب ہے، اور اسکے بارے میں یعنی اسکی کیفیت کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔

صفات کے اثبات کے باب میں یہی ایک مسلمان کا موقف ہونا چاہئے۔

مگر نفی کے باب میں چار امور کا لحاظ کرنا ضروری ہے:

پہلا امر: اللہ کی ذات سے متعلق ان چیزوں کی نفی کرنا جن کی نفی اللہ نے کی ہے یا اسکے رسول نے نفی کی ہے، ارشاد باری ہے: {وَمَا مَسَّنَا مِن لُّغُوبٍ} ترجمہ: اور ہمیں کسی قسم کی تھکاوٹ نے نہیں چھوا۔ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ} ترجمہ: نہ اسے کچھ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ کوئی نیند۔ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {لَّا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ} ترجمہ: اسے نگاہیں نہیں پاتیں اور وہ سب نگاہوں کو پاتا ہے اور وہی نہایت باریک بین، سب خبر رکھنے والا ہے۔

دوسرا امر: اللہ تعالی کو تمام نقائص اور عیوب سے پاک کرنا۔

تیسرا امر: اللہ تعالی کو نفی محض سے متصف نہیں کیا جائے گا، اور نفی محض سے ایسا نفی مراد ہے جو کمال کو شامل نہ ہو، اسلئے کہ

بعض نفی کی کوئی قیمت نہیں ہوتی، کیونکہ اس کے اندر یا تو کمال کا معنی نہیں ہوتا یا جس چیز کی نفی کی گئی ہے وہ نفی یا اثبات کے قابل نہیں ہوتی، یا کسی دوسری علت کی بنیاد پر، بہرصورت اس نفی کیلئے ضروری ہے کہ اس میں کمال کا معنی شامل ہو، جیسے کہ اونگھ اور نیند کی نفی کے اندر کمال حیات پایا جاتا ہے، اور تھکاوت کی نفی کے اندر کمال قدرت پایا جاتا ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ نفی اپنے ضد کے کمال کو شامل ہو، چنانچہ جب ہم اس سے اونگھ اور نیند کی نفی کرتے ہیں تو اس سے حیات اور قیومیت لازم آتی ہے، اور جب ہم اس سے تھکاوٹ کی نفی کرتے ہیں تو اس سے کمال قدرت لازم آتا ہے، اور جب ہم اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ اسے علم کے اعتبار سے کوئی چیز احاطہ کرے تو اس سے کمال علم لازم آتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَا أَصْغَرُ مِنْ ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ} ترجمہ: اس سے ذرہ برابر چیز نہ آسمانوں میں چھپی رہتی ہے اور نہ زمین میں اور نہ اس سے چھوٹی کوئی چیز ہے اور نہ بڑی مگر ایک واضح کتاب میں ہے۔

یہاں پر کمال علم کو لازم ہے مگر جب نفی محض ہوتا ہے تو وہ کمال کو لازم نہیں ہوتا۔

اور اسی میں سے یہ ہیکہ کبھی منفی اصلاً کسی چیز کا فائدہ ہی نہیں دیتا، یا جس چیز کی نفی کی گئی ہے وہ کمال کو شامل نہیں ہوتا یا اس سے قابل نہیں ہوتا جیسا کہ کہا جائے: دیوار ظلم نہیں کرتی، تو یہ نفی بے سود ہے؛ اسلئے دیوار اصلاً ظلم کرنے کے قابل ہی نہیں ہے یعنی اسکے اندر یہ طاقت ہی نہیں ہے کہ وہ ظلم یا انصاف کر سکے کہ اسے یہ کہا جائے کہ یہ ظلم نہیں کرتی، اور نفی محض کبھی عاجزی یا عدم کمال کی وجہ سے ہوتی ہے، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

قُبَيِّلَةٌ لَا يَغْدِرُونَ بِذِمَّةٍ ... وَلَا يَظْلِمُونَ النَّاسَ حَبَّةَ خَرْدَلِ

ترجمہ: اس قبیلے کے لوگ کسی کے ساتھ غداری نہیں کرتے اور نہ ہی لوگوں پر رائی برابر ظلم کرتے ہیں۔

اس نفی سے شاعر نے کیا مراد لیا ہے؟ کیا وہ ان کی تعریف کر رہا ہے کہ وہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتے اور وہ انہیں دھوکہ نہیں دیتے؟ نہیں یہ مراد نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ لوگ بزدل ہیں انکے پاس طاقت نہیں ہے، یہ عاجز ہیں، اسی سے ذوالاصبع عدوانی کا یہ قول بھی ہے:

لَكِنَّ قَوْمِي وَإِنْ كَانُوا ذَوِي عَدَدٍ ... لَيْسُوا مِنَ الشَّرِّ فِي شَيْءٍ وَإِنْ هَانَا

ترجمہ: لیکن میری قوم گرچہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے، مگر یہ لڑائی بالکل نہیں کرتے گرچہ وہ لڑائی معمولی ہی کیوں نہ ہو۔

یہاں بھی شاعر نے نفی سے مراد اسکے مخالف معنی کا کمال نہیں لیا ہے، یعنی کمال ضد مراد نہیں لیا ہے، بلکہ یہ بھی عاجزی اور

بزدلی کو ثابت کرنا چاہتا ہے۔

اسلئے ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالی کو نفی محض سے متصف نہیں کرسکتے، اور نفی محض سے مراد ایسی نفی جو کمال کو شامل نہ ہو، اور معتزلہ نے یہی کیا ہے جسے ہم کسی خاص مناسبت میں بیان کریں گے، چنانچہ انہوں نے اللہ سے جو بھی نفی کی ہے وہ سب نفی سلب ہے، جیسے کہ وہ کہتے ہیں وہ موجود نہیں ہے، نہ معدوم ہے، نہ متصل ہے، نہ منفصل ہے، نہ عالم کے اندر ہے نہ عالم کے باہر ہے، نہ وہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے، نہ وہ قادر ہے نہ عامل ہے، نتیجتاً وہ معدوم ہے۔

اس لئے یہاں مقصود یہی ہے کہ اللہ کو نفی محض سے متصف نہیں کیا جائے گا، بلکہ اسی نفی سے متصف کیا جائے جو کمال کو شامل ہو، یعنی کوئی بھی نفی جو کمال کو شامل نہ ہو اس سے اللہ کو متصف نہیں کیا جائے گا اور اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ کو تمام نقائص اور عیوب سے نفی کی جائے۔

چوتھا امر: کتاب وسنت کے اندر سب سے زیادہ جو نفی وارد ہوئی ہے وہ نفی مجمل ہے، اسکے مقابلے میں اثبات مفصل ہوگا، ممکن ہے کوئی نفی اس عام قاعدے سے الگ ہو مگر یہ قاعدہ اپنی جگہ منجملہ درست ہے، چنانچہ اس کے لئے دیکھیں اللہ تعالی کا یہ قول: {هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا} ترجمہ: کیا تو اس کا کوئی ہم نام جانتا ہے؟ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ} ترجمہ: اور نہ کبھی کوئی ایک اس کے برابر کا ہے۔ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا} ترجمہ: پس اللہ کے لیے کسی قسم کے شریک نہ بناؤ۔

ان سب کے اندر نفی مجمل پائی جاتی ہے، بہت کم ہی نفی مفصل آئی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کے اس قول کے اندر: {لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ} ترجمہ: نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا۔

اس کے برعکس قرآن کریم کے اندر اثبات مفصل آیا ہے، سورہ حشر کے اواخر اور سورہ حدید کے اوائل میں دیکھیں، ارشاد باری تعالی ہے: {هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ [23] هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ} ترجمہ: وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ ہے، نہایت پاک، سلامتی والا، امن دینے والا، نگہبان، سب پر غالب، اپنی مرضی چلانے والا، بے حد بڑائی والا ہے، پاک ہے اللہ اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ [23] وہ اللہ ہی ہے جو خاکہ بنانے والا، گھڑنے ڈھالنے والا، صورت بنا دینے والا ہے، سب اچھے نام اسی کے ہیں، اس کی تسبیح ہر وہ چیز کرتی ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔

اسکے علاوہ بھی بہت ساری آیتوں میں (وھو الغفور الرحیم)، (وھو العزیز الحکیم)، (وھو اللطیف الخبیر)، (وھو الحکیم الخبیر)، اور (وھو علی کل شیءقدیر) آیا ہے، اور اس طرح بہت ساری آیتوں میں اثبات مفصل کا ذکر آیا ہے، اور بہت کم ایسا ہوا ہے کہ اثبات مجمل آیا ہو، جیسا کہ اس آیت میں: {قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ} ترجمہ: کہہ دے وہ اللہ ایک ہے۔

یہ اثبات مجمل ہے جو اللہ کی وحدانیت کے اثبات کو شامل ہے وہ وحدانیت خواہ اسکی صفات میں ہو یا اسکی ربوبیت میں ہو یا اسکے اسماء وصفات میں ہو۔

پھر ہم دوبارہ کہیں گے کہ اسماء وصفات کے باب میں صفات نفی کیلئے چار امور کا لحاظ کرنا ضروری ہے:

پہلا امر: اللہ کی ذات سے متعلق ان چیزوں کی نفی کرنا جن کی نفی اللہ نے کی ہے یا اسکے رسول نے نفی کی ہے۔

دوسرا امر: اللہ تعالیٰ کو تمام نقائص اور عیوب سے پاک کرنا۔

تیسرا امر: اللہ تعالیٰ کو نفی محض سے متصف نہیں کیا جائے گا، اور نفی محض سے ایسا نفی مراد ہے جو کمال کو شامل نہ ہو۔

چوتھا امر: منجملہ طور پر قرآن کے اندر نفی مجمل اور اثبات مفصل آیا ہے، ساتھ ہی اثبات مجمل اور نفی مفصل بھی آیا ہے مگر یہ دونوں بہت کم ہے۔

یہ ایک مسلمان کا اسماء وصفات کے باب میں موقف ہونا چاہئے، چنانچہ اللہ اور اسکے رسول جس سے خاموش رہیں ہمیں اس پر خاموش رہنا واجب ہے، جیسا کہ یہ حدیث ہے:

عَنْ اَبِي ثُعْلَبَةَ الْخُشَنِي جُرثُومِ بِنِ نَاشِرٍ رضى الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم (اِنَّ الله فَرَضَ فَرَائِضَ فَلَا تُضَيِّعُوْهَا، وَحَدَّحُدُوْدًا فَلَا تَعْتَدُوْهَا، وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا، وَسَكَتَ عَنْ اَشْيَآءَ رَحْمَةً لَكُمْ مِنْ غَيْرِ نِسْيَانٍ فَلَا تُبْحَثُوْا عَنْهَا۔

ترجمہ: سیدنا ابوثعلبہ خشنی جرثوم بن ثابت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے چند فرائض کو فرض کیا ہے لہٰذا تم ان کو ضائع نہ کرو (یعنی ان کو نہ چھوڑو یا ان کے شرائط وارکان کو ترک نہ کرو، یا یہ کہ ان فرائض میں نمائش وریا، شک وشبہ اور غرور وتکبر نہ کرو) اور چند حدود مقرر کی ہیں (مثلاً قصاص وغیرہ) لہٰذا تم ان سے تجاوز نہ کرو (یعنی ان میں اپنی طرف سے کمی وزیادتی نہ کرو) اور چند چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں (یعنی ان کو اختیار کرنا گناہ قرار دیا ہے) لہٰذا تم ان کی پامالی کبھی مت کرنا، اور چند چیزوں کے بارہ میں، تمہارے اوپر رحم کرتے ہوئے، بھول کر نہیں (بلکہ دانستہ) خاموشی اختیار کیا ہے (یعنی کتنی چیزیں ایسی ہیں جن کے بارہ میں وضاحت نہیں کی گئی کہ وہ حرام ہیں یا حلال اور یا واجب ہیں، لہٰذا ان چیزوں میں تم اپنی طرف سے) بحث نہ کرو۔

اسی میں سے یہ بھی ہے کہ ایسی کوئی صفت جو کتاب وسنت کے اندر وارد نہ ہوئی ہو اس سے ہم اللہ کو متصف نہیں کرسکتے خواہ

ہمارے نزدیک وہ صفت کمال ہی کیوں نہ ہو، البتہ یہ ممکن ہے کہ وہ اس عام قاعدے کے تحت داخل ہوجائے کہ ہر وہ صفت کمال جس کے اندر کوئی نقص نہ ہو اور کسی بھی وجہ سے وہ کسی کمی کا متحمل نہ ہو تو سکا مستحق اللہ ہی ہے، اسی کو لوگ قیاس اولی کہتے ہیں، اور اسکے علاوہ بھی دوسرے قیاس ہیں جن کا استعمال اسماء وصفات کے باب میں نہیں کیا جاتا۔

بہرصورت اس کے اندر احتمال ہے، البتہ اس تعلق سے ہمارا کیا موقف ہونا چاہئے؟ اسکی تفصیل دروس کے اندر آئے گی، البتہ نفی کے باب میں ہمارا موقف وہی ہونا چاہئے جو اوپر مذکور ہے۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

نعم ولا فرّق أحد منهم بين كونها صفة ذات أو صفة فعل، وإنما أثبتوا اله تعالى صفات أزلية من العلم والقدرة والحياة والإرادة والسمع والبصر والكلام والجلال والإكرام والجود والإنعام والعز والعظمة، وساقوا الكلام سوقا واحدا.

وهكذا أثبتوا رضى الله عنهم ما أطلقه الله سبحانه على نفسه الكريمة من الوجه واليد ونحو ذلك، مع نفي مماثلة المخلوقين، فأثبتوا رضى الله عنهم بلا تشبيه، ونزهوا من غير تعطيل.

ولم يتعرّض مع ذلك أحد منهم إلى تأويل شيء من هذا، ورأوا بأجمعهم إجراء الصفات كما وردت، ولم يكن عند أحد منهم ما يستدل به على وحدانية الله تعالى، وعلى إثبات نبوّة محمد صلّى الله عليه وسلّم، سوى كتاب الله، ولا عرف أحد منهم شيئا من الطرق الكلامية ولا مسائل الفلسفة، فمضى عصر الصحابة رضى الله عنهم على هذا إلى أن حدث فى زمنهم القول بالقدر، وأنّ الأمر أُنُف، أى: أنّ الله تعالى لم يقدّر على خلقه شيئا مما هم عليه.

ترجمہ: ہاں، ان میں سے کسی نے یہ فرق نہیں کیا کہ وہ صفت ذات ہیں یا صفت فعل، بلکہ اللہ کیلئے یہی ثابت کیا کہ اسکے لئے ازلی صفات ہیں جیسے علم، قدرت، حیات، ارادہ، سمع وبصر، کلام، جلال واکرام، جود، انعام، عزۃ، عظمت، اور کلام کو ایک ہی سیاق میں بیان کیا۔

صحابہ کرام نے اللہ کیلئے اسکے صفات کو ویسے ہی ثابت کیا جیسا اسکی ذات کیلئے مناسب ہے چاہے وہ ہاتھ اور چہرہ ہو یا اسکے علاوہ کوئی دوسری صفت ہو، ساتھ ہی انہوں نے اللہ کو اسکے مخلوقین سے مشابہ بھی قرار

نہیں دیا، بلکہ بغیر کسی تشبیہ کے تمام صفات کو ثابت کیا اور بغیر کسی تعطیل کے انہیں پاک کیا۔

ساتھ ہی ان میں سے کسی نے کسی صفت کی تاویل بھی نہیں کی، بلکہ تمام صفات کو ویسے ہی جاری کیا جیسے وہ وارد ہوئی ہیں، ان کے پاس کتاب وسنت کے علاوہ ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے وہ اللہ کی وحدانیت اور رسول ﷺ کی رسالت ونبوت پر استدلال کرتے، نہ ہی ان میں سے کسی کو علم کلام اور فلسفہ کا علم تھا، ایسے ہی صحابہ کا دور گزر گیا، یہاں تک کہ انہیں کے زمانے میں کچھ ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے تقدیر کا انکار کیا، اور کہا کہ معاملہ نئے سرے سے ہے، یعنی اللہ کسی چیز کی تخلیق پر قادر نہیں ہے۔

الشرح:

یہ اسماء وصفات سے متعلق باقی باتیں ہیں چنانچہ یہاں پر مصنف نے کہا کہ سلف بطور خاص صحابہ ان امور سے متعلق کوئی سوال نہیں کرتے تھے، اسلئے کہ ان کے درمیان اس تعلق سے اصلاً کوئی اختلاف ہی نہیں تھا، بلکہ ایک دیہاتی بھی جب نبی اکرم ﷺ سے یہ بیان کرتے ہوئے سنتا کہ اللہ تعالی ہنستا ہے تو وہ بھی اس سے زیادہ کچھ نہیں کہتا کہ ہم ایسے رب سے خیر سے محروم نہیں ہوسکتے جو ہنستا ہو۔ اور اس نے اس پر نہ تو نکیر کیا اور نہ ہی کوئی سوال، اسلئے کہ وہ جانتا تھا کہ اللہ کا ہنسنا مخلوق کے ہنسنے کی طرح نہیں ہے، اور اسکا مستوی ہونا مخلوق کے مستوی ہونے کی طرح نہیں ہے، اور اسکا خوش ہونا مخلوق کے خوش ہونے کی طرح نہیں ہے، پورے طور پر دونوں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، چنانچہ جس طرح مخلوق اور خالق ذات کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہیں اسی طرح صفات کے اعتبار سے بھی دونوں ایک دوسرے کے مشابہ نہیں ہیں۔

اور یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ کا ذکر کیا ہے، اس مسئلے کو دراصل سلف نے مجبور ہو کر ذکر کیا ہے، آپ شیخ الاسلام ابن تیمیہ وغیرہ کو پائیں گے کہ ان لوگوں نے صفات ذاتیہ اور صفات فعلیہ کا ذکر کیا ہے، صفات ذاتیہ جو کہ ذات سے متعلق ہیں اور اسی کو لازم ہیں، اور صفات فعلیہ جو کہ مشیئت، ارادہ سے متعلق ہیں کہ اللہ تعالی جو چاہتا ہے جب چاہتا اور جیسا چاہتا ہے کرتا ہے، جیسے ہنسنا، خوش ہونا، آنا، نزول کرنا وغیرہ، اور صفات ذاتیہ جیسے چہرہ، دونوں ہاتھ، علم، قدرت وغیرہ۔

علمائے سلف نے صفات کی اس تقسیم کا استعمال اس وقت کیا جب دیکھا کہ لوگ اسماء وصفات کے باب میں بھٹک رہے ہیں تو ان پر رد کرنے کیلئے یہ تقسیم کیا ہے اور اس باب میں بھٹکنے والے فرقوں میں معتزلہ، جہمیہ، اشعریہ، ماتریدیہ اور کلابیہ

وغیرہ ہیں، جنہوں نے اسماء وصفات کے باب میں تاویل کی، تعطیل کیا یا پھر تشبیہ بیان کیا۔

یہ تقسیم منہج سلف کے مطابق ہے، اس میں کوئی مسئلہ نہیں ہے، البتہ یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے یہ اشارہ کیا ہے کہ سلف یعنی صحابہ اس طرح کی تقسیم سے واقف نہیں تھے اور نہ ہی انہوں نے اس کا اہتمام کیا، کیونکہ اس باب میں وقت کسی نے اختلاف اور اعتراض ہی نہیں کیا، اسی لئے انہیں اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں پڑی، بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب ایک شخص کو دیکھا کہ صفات کی آیتوں کو سن کر اسکا بدن کانپنے لگا تو کہا کہ کیا وجہ ہے کہ محکم آیتوں کے وقت ان کے یہاں رقت پائی جاتی ہے اور متشابہ آیتوں کے وقت کانپنے لگتے ہیں۔

ممکن ہے ابن عباس نے یہاں پر متشابہ سے کیفیت مراد لیا ہو ورنہ حقیقت یہی ہے کہ اسماء وصفات کے اندر کوئی متشابہ نہیں ہے، بلکہ یہ محکمات میں سے ہے، ہاں ان کی کیفیات متشابہ میں سے ہے، کیفیت کا علم متشابہ ہے جس کا علم صرف اللہ کو ہے، البتہ صفات کو اسی طرح ثابت کریں گے جیسا اللہ کیلئے لائق ہے، اسکے معانی پر ایمان لائیں گے اس طرح سے کہ وہ مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہیں، اور یہ انسانی فطرت میں ہے۔

اسی لئے آپ کسی بھی انسان کو ایسا کہتے نہیں سنیں گے کہ اللہ سننے والا ہے بغیر کان کے، دیکھنے والا ہے بغیر آنکھ کے، قوت والا ہے بغیر قوت کے، راضی ہے بغیر رضا کے، جاننے والا ہے بغیر علم کے، حکمت والا ہے بغیر حکمت کے، مگر جب سلف نے دیکھا کہ اہل کلام نے امت کو اس باب میں اس طرح کی گمراہیاں پھیلا کر تباہ کر دیا ہے تو انہیں وہ بھی لکھنے پر مجبور ہوئے، تاکہ انہیں جواب دیا جاسکے اور ان پر رد کیا جاسکے۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ لوگ جنہوں نے اپنے افکار کو علم کلام اور منطق سے گندہ نہیں کیا ہے ان کے سامنے اگر کوئی کہے کہ اللہ جاننے والا ہے بغیر علم کے دیکھنے والا ہے بغیر آنکھ کے، تو وہ تعجب کا اظہار کرے گا، اسی لئے علامہ الوسی نے اپنی کتاب [جلاء العینین فی محاکمۃ الأحمدین] کے اندر احمد بن حجر ہیتمی اور احمد بن عبدالحلیم ابن تیمیہ کے درمیان محاکمہ کیا ہے جس میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے، اس کتاب کے اندر علامہ الوسی نے ایک دیہاتی کا واقعہ نقل کیا ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ ایک بار جہم بن صفوان کے پاس آیا جو یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ سننے والا ہے بغیر کان کے اور دیکھنے والا ہے بغیر آنکھ کے، طاقت والا ہے بغیر قوت کے، یہ سنتے ہی وہ دیہاتی حیران وششدر ہو گیا اور وہیں ٹھہر کر اسے یہ اشعار سنانے لگا:

ألا إن جهما كافر بان كفره ... ومن قال يوماً قول جهم فقد كفر

لقد جن جهم إذ يسمي إلهه ... سميعاً بلا سمع بصيراً بلا بصر

عليماً بلا رضياً بلا رضا ... لطيفاً بلا لطف خبيراً بلا خبر

أيرضيك أو لو قال يا جهم قائل ... أبوك امرؤ حر خطير بلا خطر

مليح بلا ملح بهى بلا بها ... طويل بلا طول يخالفه القصر

حليم بلا حلم وفى بلا وفا ... فبالعقل موصوف وبالجهل مشتهر

جواد لا جود قوى بلا قوى ... كبير بلا كبر صغير بلا صغر

امدحا تراه أم هجاء وسبة ... وهز أكفاك الله يا أحمق البشر

فإنك شيطان بعثت لأمة ... تصيرهم عما قريب إلى سقر

ترجمہ: سنو! جہم یقیناً کافر ہے اسکا کفر واضح ہو چکا، اور جو جہم جیسا قول کہے وہ بھی کافر ہے۔

جہم پاگل ہوگیا جب اس نے اپنے رب کو کہا کہ وہ سننے والا ہے بغیر کان کے اور دیکھنے والا ہے بغیر آنکھ کے۔

جاننے والا ہے بغیر علم کے، اور راضی ہونے والا ہے بغیر رضا کے، شفقت کرنے والا ہے بغیر لطف و کرم کے، اور خبیر ہے بغیر خبر کے۔

اے جہم! کیا تم اس بات سے راضی ہو گے اگر کوئی کہے کہ تمہارا باپ ایک پرخطر انسان ہے بغیر خطرے کے

خوبصورت ہے بغیر خوبصورتی کے، لمبا ہے بغیر لمبائی کے۔

بردبار ہے بغیر بردباری کے، وفادار ہے بغیر وفاداری کے، عقل سے متصف اور جہالت میں مشہور ہے۔

سخی ہے بغیر سخاوت کے، قوی ہے بغیر قوت کے، بڑا ہے بغیر بڑائی کے، چھوٹا ہے بغیر چھوٹے پن کے۔

کیا تم اسے تعریف سمجھو گے یا برائی، یہی تمہاری سمجھ کیلئے کافی ہے اے احمق انسان!

تم تو ایک شیطان لگتے ہو جو کسی قوم پر مسلط کر دیئے گئے ہو، جنہیں تم اپنے ساتھ دوزخ تک لے جاؤ گے۔

ایک آدمی یہ پوچھ سکتا ہے کہ کیا یہ فرقے جہمیہ، معتزلہ وغیرہ ختم نہیں ہو گئے جن کے تعلق سے یہ ساری باتیں ہوتی ہیں؟ ہم کہتے ہیں، نہیں، کچھ نہ کچھ باقی ہیں اور ان کے افکار بھی اب تک موجود ہیں۔ جہاں تک معتزلہ کا تعلق ہے تو انکے بہت سے فرقے ہوئے جن میں سے کچھ تو آج بھی باقی ہیں، یہ توحید کی کتابوں کو علم کلام کہتے ہیں اور آج بھی علم کلام اور فلسفہ توحید کے نام پر بہت سارے ملکوں میں پڑھائے جاتے ہیں سوائے اس ملک کے یعنی مملکت سعودی عرب کے۔

ایک موول نے ابھی دس سال پہلے ایک کتاب لکھی تھی جس کے اندر اس نے عجیب وغریب منہج اپنایا ہے جس میں اس نے سلف کے مذہب ثابت کرنے کیلئے خلف کے منہج کی تطبیق دی ہے۔

چنانچہ وہ کہتا ہے صفات میں کلام کرنا ذات میں کلام کرنے جیسا ہے، اور بعض صفات میں کلام کرنا بعض دوسرے

صفات میں کلام کرنے جیسا ہے،اللہ صفات کمال سے متصف ہے، پھر وہ انہیں معتزلہ،اشعریہ،ماتریدیہ اور کلابیہ کی تاویلوں پر انہیں تطبیق دیتا ہے،اوراس کتاب کا نام اس نے [ھذہ عقیدۃ السلف والخلف] رکھا ہے۔

بہرصورت یہ عقائد آج بھی پڑھائے جاتے ہیں، بلکہ دوسروں ملکوں میں علم کلام اورانہی فرقوں کے عقائد کو توحید کہتے ہیں،اس لئے ہمیں تعجب نہیں ہوتا جب کوئی ہمیں کہتا ہے کہ تم لوگ چھلکے میں پڑے ہوئے ہو۔حالانکہ یہ چھلکا نہیں یہی اصل مغز ہے،اور یہی اصل بنیاد ہے، یہی جب صحیح رہے گا تو دیگر سارے اعمال صحیح ہوں گے اور اگر یہ فاسد رہا تو دیگر اعمال بدرجہ اولی فاسد ہوں گے،نسال اللہ العافیہ والسلامہ۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم وھو حسبی

الحمد لله ربّ العالمين، والعاقبة للمتقين، وصلّى الله على نبيّنا محمد خاتم النبيين، وعلى آله وصحبه أجمعين.

أما بعد: فهذا كتاب جمّ الفوائد، بديع الفرائد، ينتفع به من أراد الله والدّار الآخرة، سمّيته: "تجريد التّوحيد المفيد". والله أسأل العون على العمل به بمنّه.

ترجمہ: حمد وصلاۃ کے بعد! اس کتاب کے اندر بہت سارے نادر فوائد ہیں، جن سے وہی شخص استفادہ کرسکتا ہے جسکا مقصد اللہ کی رضا اور آخرت ہو، اور اس کتاب کا نام میں نے [تجرید التوحید المفید] رکھا ہے، اور اس پر کام کرنے میں اللہ ہی سے مدد کا طلبگار ہوں۔

الشرح:

مصنف نے جس طرح اس کتاب کا وصف بیان کیا ہے اس پر ہمیں تعجب ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ کتاب اس لائق ہے کہ اس کے بارے میں ایسی بات کہی جائے، کبھی کبھی ایسا موڑ آجاتا ہے کہ آدمی کو اپنے کسی کام کی امتیازی خصوصیت بتانی پڑتی ہے، چنانچہ یوسف علیہ السلام نے کہا تھا جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ} ترجمہ: اس نے کہا مجھے اس زمین کے خزانوں پر مقرر کردے، بے شک میں پوری طرح حفاظت کرنے والا، خوب جاننے والا ہوں۔

بلکہ اہل علم نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر کسی کے پاس کوئی ایسا علم یا تجربہ ہے جو اسکے ساتھ خاص ہے تو وہ لوگوں کو اسکے بارے میں خبر دے سکتا ہے بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسکی جانکاری دینا واجب ہوجاتا ہے گرچہ اس سے نہ پوچھا جائے، جیسے کہ اگر کسی کے پاس گواہی ہو اور کوئی معاملہ اسی پر منحصر ہو تو اسے گواہی ازخود دینا واجب ہے گرچہ اس سے گواہی نہ مانگی جائے۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اعلم أن الله سبحانه هو ربّ كل شيءٍ ومالكه وإلهه:

فالرّب: مصدر ربَّ يَرُبُّ ربًّا فهو رابٌّ، فمعنى قوله تعالى: {رَبِّ الْعَالَمِينَ}: رابُّ العالمين، فإن الربّ - سبحانه وتعالى - هو الخالق الموجد لعباده، القائم بتربيتهم وإصلاحهم، المتكفّل بصلاحهم من خلقٍ ورزقٍ وعافيةٍ وإصلاح دين ودنيا.

والإلهيّة: كون العباد يتّخذونه سبحانه محبوبًا مألوها، ويفردونه بالحب والخوف والرجاء والإخبات، والتّوبة والنّذر والطّاعة، والطّلب والتّوكل ونحو هذه الأشياء.

فإن التوحيد حقيقته: أن ترى الأمور كلها من الله - تعالى - رؤية تقطع الالتفات إلى الأسباب والوسائط، فلا ترى الخير والشر إلاّ منه تعالى، وهذا المقام يثمر التّوكل، وترك شكاية الخلق، وترك لومهم، والرضا عن الله - تعالى -، والتسليم لحكمه.

ترجمہ: جان لو! اللہ تعالی ہی ہر چیز کا رب، اسکا مالک اور معبود ہے۔

رب (رب یرب رباً فھو راب) سے مصدر ہے، اور اللہ تعالی کے قول: (رب العالمین) کا معنی (راب العالمین) ہے، رب ہی بندوں کا خالق اور موجد ہے، انکی پرورش، تربیت اور اصلاح کرتا ہے، انکی تخلیق، رزق مہیا کرنا، عافیت دینا اور اسکے دین و دنیا کو سدھارنا اسی کے ذمہ ہے۔

اورالوہیت یا الاہیت کا مفہوم یہ ہیکہ بندے اسے اپنا محبوب اور معبود بنالیں، محبت، خوف ورجاء، رجوع، توبہ، نذر، اطاعت، طلب اور توکل وغیرہ سب اسی کے ساتھ خاص کردیں۔

کیونکہ توحید کی حقیقت یہ ہیکہ آپ تمام چیزوں کو اس طرح دیکھیں کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہیں، دیگر واسطے اور اسباب کی طرف التفات نہ کریں، چنانچہ ہر خیر وشر کو اس طرح دیکھیں کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہیں، اس سے توکل پیدا ہوگا، مخلوق سے شکایت اور ملامت ترک کردیں گے، اللہ سے راضی اور اسکے ہر فیصلے کو تسلیم کریں گے۔

الشرح:

مصنف رحمہ اللہ نے ابتداء میں ربوبیت اور الوہیت کے معنی کی وضاحت پر گفتگو کی ہے، اور رب کے اشتقاق کو بیان کیا ہے کہ یہ **(رب یرب ربا فھو راب)** سے مشتق ہے، چنانچہ اسی نے پیدا کیا اور وجود بخشا ہے، وہی روزی دیتا ہے، اور وہی تمام لوگوں کی پرورش کرتا ہے، اسی نے سب کو عدم سے وجود بخشا ہے، چنانچہ وہی سب کا رب ہے۔

لغت میں رب کا لفظ اللہ کے علاوہ مخلوق کیلئے بھی آتا ہے، چنانچہ یہ صاحب کے معنی میں آتا ہے، مگر جب مطلق طور پر بولا جائے گا تو اس سے اللہ تعالی کی ذات مراد ہوگی۔

اور جب ہم نے جان لیا کہ وہی ہمارا رب ہے، اسی نے ہم سب پر احسان کیا ہے تو اب ضروری ہے کہ یہ بھی جان لیں کہ اس نے ہمیں کس لئے پیدا کیا ہے یعنی اپنی عبادت کیلئے جسے الوہیت کہتے ہیں۔

اور لفظ (الہ) آلہ ،آلہ سے ماخوذ ہے جو محبت کے معنی میں آتا ہے، چنانچہ آلہ جب کہتے ہیں تو اسکا مطلب انتہا درجے کی محبت کرنے کو کہتے ہیں، اسی لئے اللہ کو الہ یعنی معبود کہتے ہیں، چنانچہ اللہ نے اپنے بارے میں خود فرمایا ہے: **{وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ}** ترجمہ: اور وہی ہے جو آسمانوں میں معبود ہے اور زمین میں بھی معبود ہے اور وہی کمال حکمت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

یعنی وہی آسمان میں بھی معبود ہے اور وہی زمین میں بھی، اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ آسمان اور زمین میں موجود ہے جیسا کہ وہ لوگ اسکی تفسیر کرتے ہیں جو توحید کو صرف توحید ربوبیت پر مقصور کرتے ہیں، تو ایسی صورت میں اس آیت کا مطلب ہو جائے گا کہ اللہ وہی ہے جس کی عبادت آسمان میں کی جاتی ہے اور جسکی عبادت زمین میں کی جاتی ہے، اور وسیع مفہوم میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان اپنی تمام ضرورتوں میں اللہ کا محتاج ہے، اسکا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ وہ مشروع اسباب کو ترک کردے

کیونکہ انکا ترک کرنا معصیت ہے، بلکہ یہاں مقصود اسباب پر اعتماد کرنے کو ترک کرنا ہے، ورنہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسباب کا اختیار کرنا واجب ہے۔اور یہاں یہی مراد ہے۔

اسلئے کوئی یہ نہ سمجھے کہ مصنف نے یہاں وہی معنی مراد لیا ہے جسے صوفیہ لیتے ہیں، یعنی وہ توکل کی تفسیر اس طرح کرتے ہیں کہ ہاتھ پاؤں روک کر بیٹھ جاؤ بایں طور کہ دوسرے کے بھروسہ پر رہنا پڑے، ایسا صحیح نہیں ہے بلکہ جائز اسباب کو اپنانا اور اللہ پر بھروسہ کرنا ہے، کیونکہ اسباب کا مہیا کرنے والا بھی اللہ ہی ہے۔

اہم بات یہ ہیکہ ہم یہ جان لیں کہ جتنے بھی قلبی اور عملی تعلقات ہوسکتے ہیں انہیں دوسروں سے کاٹ کر اللہ کی طرف متوجہ کردینا چاہئے، جیسے خوف ورجاء، محبت وتعظیم، توکل وانابت، استغاثہ واستعانہ، استعاذہ، نذر اور ذبح وغیرہ۔سو اس طرح کی جتنی بھی عبادت کی شکلیں ہوسکتی ہیں وہ سب اللہ کے سوا کسی کیلئے روا نہیں ہے۔اسی لئے مصنف رحمہ اللہ نے آغاز ہی میں اسے بطور قاعدہ کے بیان کردیا ہے۔

❁❁❁

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وإذا عرفت ذلك فاعلم أن الربوبية منه تعالى لعباده، والتألّه من عباده له سبحانه، كما أن الرحمة هي الوصلة بينهم وبينه عز وجل.

ترجمہ: یہ جاننے کے بعد معلوم ہونا چاہئے کہ ربوبیت اللہ کی طرف سے اسکے بندوں کیلئے ہے، اورالوہیت اسکے بندوں کی طرف سے اسکے لئے ہے، جس طرح کہ رحمت بندوں اوراللہ کے درمیان ایک واسطہ ہے۔

الشرح:

یہاں مصنف رحمہ اللہ یہ بیان کررہے ہیں کہ جس طرح یہ ایمان لاناضروری ہے کہ اللہ ہی ہر چیز کارب ہے یعنی وہی سب کا خالق ومالک اورمدبر ہے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے جیسا کہ لازم آتاہے کہ ایک مومن یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ ہی معبود ہے جس کے سواکوئی معبود برحق نہیں ہے، اسی لئے جو اس پر بطوررب کے ایمان لائے اس پر یہ بھی لازم ہوتاہے کہ وہ اس پر بطور معبود کے ایمان لائے۔

چنانچہ جو بطورربوبیت کے ایمان لائے اورالوہیت کوترک کردے تو یہ تناقض ہوگا؛ اسلئے کہ وہ غیراللہ کی طرف عبادت کوکلی طورپریاجزوی طورپر پھیرسکتاہے، اوریہ متعارض ہے اس بات کے کہ وہ ایک طرف اللہ کواپنارب مان رہاہے کہ اسی نے اسے پیداکیاہے وہی اسکامالک اوررازق ہے مگر وہ تمام چیزوں کوغیراللہ کی طرف پھیررہاہے۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أن أنفس الأعمال وأجلّها قدرًا: توحيد الله - تعالى -. غير أن التّوحيد له قشرتان:

الأولى: أن تقول بلسانك: لا إله إلاّ الله، ويسمّى هذا القول توحيدًا، وهو مناقض للتثليث الذى تعتقده النصارى، وهذا التّوحيد يصدر أيضا من المنافق الذى يخالف سرّه جهره.

والقشرة الثانية: أن لا يكون فى القلب مخالفة ولا إنكار لمفهوم هذا القول، بل يشتمل القلب على اعتقاد ذلك والتصديق به، وهذا هو توحيد عامة النّاس.

ولُبَاب التّوحيد: أن يرى الأمور كلها لله - تعالى -. ثم يقطع الالتفات إلى الوسائط، وأن يعبده سبحانه عبادة يفرده بها، ولا يعبد غيره. ويخرج عن هذا التّوحيد: أتباع الهوى

ترجمہ: جان لیں کہ سب سے نفیس اور جلیل القدر عمل اللہ کی توحید ہے، البتہ توحید کے دو غلاف ہیں:

پہلا غلاف: یہ کہ آپ اپنی زبان سے لا الہ الا اللہ کہیں، اس قول کو توحید کہا جاتا ہے، اور یہ تثلیث کے معارض ہے جو کہ نصاری کا عقیدہ ہے، یہ توحید ایک منافق سے بھی صادر ہوتا ہے جسکا باطن اسکے ظاہر کی مخالفت کرتا ہے۔

دوسرا غلاف: یہ کہ دل میں کوئی مخالفت اور اس قول کے مفہوم کا انکار نہ پایا جائے، بلکہ وہی دل میں اعتقاد پایا جائے، اور اسی کی تصدیق کرے، اور یہ عامۃ الناس کی توحید ہے۔

اور توحید کا مغز یہ ہیکہ تمام چیزوں کو اس طرح دیکھے کہ وہ سب اللہ کی طرف سے ہیں، پھر وہ دیگر تمام

واسطوں اور اسباب سے لاتعلق ہو جائے، اور اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ وہ اسی کیلئے خاص ہو کر رہ جائے، اور اس توحید سے اتباع خواہشات نکل جائے گی۔

الشرح:

مصنف رحمہ اللہ نے یہاں پر توحید کو چھلکا اور غلاف سے تعبیر کیا ہے جبکہ توحید پورا کا پورا مغز ہے، مگر یہاں جو مفہوم مراد لیا گیا ہے وہ صحیح ہے، اور معاشرے میں کچھ ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو بظاہر توحید کا دعوی کریں مگر عملی میدان میں ان کا دل توحید سے خالی ہوتا ہے، وہ لاالہ الا اللہ ومحمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہے، اور بظاہر اسکی مخالفت بھی نہیں کرتا ہے مگر عملی میدان میں وہ فیل ہے، یہ منافقین کی پہچان ہے۔

مصنف نے اسی جانب اشارہ کیا ہے کہ عام لوگوں کی یہی توحید ہے کہ وہ بظاہر توحید کی مخالفت تو نہیں کرتے مگر وہ ایسے کام کرتے ہیں جو توحید کے موافق بھی نہیں ہوتے۔

مگر یہاں پر چھلکے سے تعبیر کرنا بہر حال محل نظر ہے، توحید ایک وحدت کلی ہے جس کا کوئی جزء نہیں، ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ مفہوم کے اعتبار سے اور سمجھانے کیلئے یہ مصنف کی یہ تعبیر درست ہو سکتی ہے، مگر توحید قول وعمل اور اعتقاد کو کہتے ہیں، اسی لئے سلف نے اسکی تعریف میں کہا ہے کہ ایمان کہتے ہیں زبان سے اقرار کرنا، دل سے تصدیق کرنا اور اعضاء وجوارح سے عمل کرنا۔

اور یہ تینوں امور ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے، اگر صرف قول واقرار پایا گیا تو یہ منافقوں کی پہچان ہے، اور اگر صرف تصدیق پائی گئی تو یہ مرجئہ کی پہچان ہے، اور اگر صرف عمل پایا گیا تو یہ مشرکوں کی پہچان ہے جو بعض اعمال انجام تو دیتے ہیں مگر وہ اپنے دلوں میں اس توحید کو پورا نہیں کرتے جسکے اندر اخلاص ہو۔

بہر صورت مصنف کی تعبیر پر کوئی اعتراض نہیں ہے مگر اس سے بچنا زیادہ بہتر تھا، کیونکہ اسلام کے تعلق سے یہ کہنا اسکے اندر کچھ چھلکے ہیں اور کچھ مغز تو یہ ساری تعبیریں اہل بدعت کی رہی ہیں جو توحید کا اہتمام نہیں کرتے، اور یہی حال آج کل بعض ان لوگوں کا بھی ہے جو توحید کا اہتمام نہیں کرتے بلکہ اقتصادی، سیاسی یا دوسرے پہلو کا اہتمام کرتے ہیں اور خارجی مناہج کو اسلام سے جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بھی توحید کے اہتمام کرنے کو چھلکا وغیرہ سے تعبیر کرتے ہیں، اس لئے یہ تعبیر درست نہیں ہے گرچہ مصنف نے یہ مراد نہیں لیا ہے بلکہ آپ نے غلاف مراد لیا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

فكلّ من اتّبع هواه فقد اتّخذ هواه معبوده. قال الله -تعالى-: {أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ}.

وإذا تأملت عرفت أن عابد الصنم لم يعبده إنما عبد هواه، وهو ميل نفسه إلى دين آبائه، فيتبع ذلك الميل، وميل النفس إلى المألوفات أحد المعاني التي يعبر عنها بالهوى.

ترجمہ: جس نے بھی اپنی خواہشات کی اتباع کی اس نے اسے اپنا معبود بنالیا جیسا کہ ارشاد باری ہے: (کیا آپ نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا)۔

اور جب آپ غور کریں گے تو پتہ چلے گا ایک بت پرست بت کو نہیں اپنی خواہشات کی پرستش کرتا ہے، اور وہ دراصل اسکے باپ دادا کے دین کی طرف اسکا میلان ہے اور وہ اسی میلان کی اتباع کرتا ہے، اور میلان نفس ان معانی میں سے ایک ہے جسے خواہشات نفس سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

الشرح:

مصنف نے یہ یہ واضح کر دیا کہ توحید کا اہم مفہوم یہ ہیکہ غیر اللہ سے تمام تعلقات توڑ کر اللہ سے اپنا رشتہ مضبوط کرلیا جائے اور اسی پر اعتماد ہو، رجاء، خوف، محبت، اطاعت، رجوع سب اسی کی طرف ہو، تو اب یہ بیان کر رہے ہیں کہ کچھ امور ایسے بھی ہیں جو انسان کو توحید سے نکال دیتے ہیں اور ان میں سب سے پہلا امر خواہشات نفس کی اتباع کرنا ہے۔

خواہشات نفس کی اتباع کرنا ان امور میں سے ایک ہے جن کی اللہ تعالی نے اپنی کتاب عزیز کے اندر سب سے زیادہ مذمت کی ہے، چنانچہ اللہ تعالی نے مشرکوں کے بارے میں یہ خبر دی کہ وہ اپنی خواہشات نفس کی اتباع کرتے ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: {أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ} ترجمہ: پھر کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود

اپنی خواہش کو بنالیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگا دی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔ پھر اللہ کے بعد اسے کون ہدایت دے، تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَى} ترجمہ: یہ لوگ صرف گمان کے اور ان چیزوں کے پیچھے چل رہے ہیں جو ان کے دل چاہتے ہیں اور بلاشبہ یقیناان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ} ترجمہ: اے داود! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے، سو تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور خواہش کی پیروی نہ کر، ورنہ وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔ یقیناوہ لوگ جو اللہ کی راہ سے بھٹک جاتے ہیں، ان کے لیے سخت عذاب ہے، اس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے۔

خواہشات کہتے ہیں انسانی نفس کا کسی ایسی چیز کی طرف مائل ہونا جو اسے پسند ہو اور وہ اس سے مانوس ہو، جیسا کہ مصنف نے یہاں ایک مثال پیش کی کہ ان لوگوں کے دل انہیں چیزوں کی طرف مائل ہیں جو ان کے باپ دادا کرتے تھے، گرچہ وہ شریعت کے مخالف ہوں، اور ایسے لوگ پائے جاتے ہیں کہ حق ان کے سامنے واضح ہوتا ہے مگر انکا نفس انکے باپ داداکے کرتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

اسکے لئے آپ دیکھیں ابوطالب کے واقعے کو کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی حمایت میں سب کچھ نچھاور کر دیا اور مرتے دم تک آپ کا دفاع کیا، اور وہ جانتے بھی تھے کہ محمد ﷺ جو لیکر آئے ہیں وہ حق ہے جیسا کہ انہوں نے کہا ہے:

وعرضت ديناً قد علمت بأنه من خير أديان البرية ديناً

لولا الملامة أو حذاري سُبةً لوجدتني سمحاً بذاك مبيناً

ترجمہ: اور آپ نے ایسا دین پیش کیا جس کے بارے میں مجھے معلوم ہے کہ وہ تمام ادیان میں سب سے بہتر دین ہے لیکن اگر ملامت اور عار کی بات نہ ہوتی تو مجھے تم واضح طور پر اسکے لئے نرم دل والا پاتے یعنی یہ دین میرے دل میں بھی ہوتا۔

اس کے باوجود وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ ان کے پاس آئے اور دعوت دین پیش کی مگر اسی عار اور قومی تعصب کی بنیاد پر قبول نہیں کیا جیسا کہ اس حدیث میں واضح ہے:

عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ أَبَا طَالِبٍ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ أَبُو جَهْلٍ، فَقَالَ: "أَيْ عَمِّ قُلْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ كَلِمَةً أُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللَّهِ". فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ ، وَعَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي أُمَيَّةَ: يَا أَبَا طَالِبٍ تَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَالَا يُكَلِّمَانِهِ حَتَّى قَالَ: آخِرَ شَيْءٍ كَلَّمَهُمْ بِهِ عَلَى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ أُنْهَ عَنْهُ" ، فَنَزَلَتْ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ سورة التوبة آية 113 ، وَنَزَلَتْ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ سورة القصص آية 56".

ترجمہ: سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ ان کے والد مسیب بن حزن صحابی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت وہاں ابوجہل بھی بیٹھا ہوا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "چچا! کلمہ لا الہٰ الا اللہ ایک مرتبہ کہہ دو، اللہ کی بارگاہ میں (آپ کی بخشش کے لیے) ایک یہی دلیل میرے ہاتھ آجائے گی۔" اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ نے کہا: اے ابوطالب! کیا عبدالمطلب کے دین سے تم پھر جاؤ گے! یہ دونوں ان ہی پر زور دیتے رہے اور آخری کلمہ جو ان کی زبان سے نکلا، وہ یہ تھا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر قائم ہوں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان کے لیے اس وقت تک مغفرت طلب کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے گا۔ چنانچہ (سورۃ براۃ میں) یہ آیت نازل ہوئی (ما كان للنبي والذين آمنوا أن يستغفروا للمشركين ولو كانوا أولي قربى من بعد ما تبين لهم أنهم أصحاب الجحيم) "نبی کے لیے اور مسلمانوں کے لیے مناسب نہیں ہے کہ مشرکین کے لیے دعا مغفرت کریں خواہ وہ ان کے ناطے والے ہی کیوں نہ ہوں جب کہ ان کے سامنے یہ بات واضح ہوگئی کہ وہ دوزخی ہیں۔" اور سورۃ قصص میں یہ آیت نازل ہوئی (إنك لا تهدي من أحببت) "بیشک جسے آپ چاہیں ہدایت نہیں کرسکتے۔"

مشرکین میں سے ابوجہل وغیرہ وہاں پر موجود تھے، ان لوگوں نے جب نبی اکرم ﷺ سے اس طرح کی بات سنی تو یہ نہیں کہا کہ ایسا نہ کہنا، اسلئے کہ انہیں خوف تھا کہ اگر وہ ایسا کہیں گے تو ممکن ہے وہ اپنے بھتیجے کے دفاع میں آ کر اقرار کرلیں، اسی لئے انہوں نے خبیث شیطانی حربہ اختیار کیا اور کہا کہ کیا تم اپنے باپ عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟

یہ بہت بڑی دلیل ہے خواہشات نفس کی، کہ نبی اکرم ﷺ کلمہ توحید کو بار بار دہرا رہے ہیں اور مشرکین اس کے جواب میں بار بار کہہ رہے ہیں کہ ابوطالب! کیا تم اپنے باپ عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے؟

جب اللہ کے رسول ﷺ ناامید ہو گئے تو آخر میں اپنے رب سے امید کرتے ہوئے کہا کہ میں ان کے لیے اس وقت تک مغفرت طلب کرتا رہوں گا جب تک مجھے اس سے منع نہ کر دیا جائے گا۔ چنانچہ (سورۃ براۃ میں) یہ آیت نازل ہوئی: {مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ [113] وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ} ترجمہ: اس نبی اور ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے، کبھی جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لیے بخشش کی دعا کریں، خواہ وہ قرابت دار ہوں، اس کے بعد کہ ان کے لیے صاف ظاہر ہو گیا کہ یقیناً وہ جہنمی ہیں۔ [113] اور ابراہیم کا اپنے باپ کے لیے بخشش مانگنا نہیں تھا مگر اس وعدہ کی وجہ سے جو اس نے اس سے کیا تھا، پھر جب اس کے لیے واضح ہو گیا کہ بے شک وہ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بے تعلق ہو گیا۔ بے شک ابراہیم یقیناً بہت نرم دل، بڑا بردبار تھا۔

اور نبی اکرم ﷺ کو تسلی دینے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی: {إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ} ترجمہ: بے شک تو ہدایت نہیں دیتا جسے تو دوست رکھے اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو زیادہ جاننے والا ہے۔

خواہشات نفس انسان کو اندھا کر دیتا ہے وہ حق بات نہیں سنتا ہے گرچہ اسے دیکھے، سورج کی طرح اگر آپ اس سے کہیں کہ یہ سورج ہے وہ کہے گا: نہیں، یہ سورج نہیں ہے؛ کیونکہ خواہشات اس پر غالب آچکی ہے، پورے طور پر غالب آ گئی ہے جس نے اسے اندھا بنا دیا ہے وہ حق جانتے ہوئے اسکا منکر ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اہل بدعت کے بارے میں کہا کہ ان کے لئے وہی ہے جو انکے نفس میں ڈال دی گئی ہے۔

ان سے آپ کہیں گے کہ ایک دو کا نصف ہوتا ہے تو وہ کہیں گے نہیں، یہ صحیح نہیں ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے ان کے بارے میں خبر دیا: (وَإِنَّهُ سَيَخْرُجُ مِنْ أُمَّتِي أَقْوَامٌ تَجَارَى بِهِمْ تِلْكَ الْأَهْوَاءُ كَمَا يَتَجَارَى الْكَلْبُ لِصَاحِبِهِ، وَقَالَ عَمْرٌو: الْكَلْبُ بِصَاحِبِهِ لَا يَبْقَى مِنْهُ عِرْقٌ وَلَا مَفْصِلٌ إِلَّا دَخَلَهُ".) ترجمہ: اور عنقریب میری امت میں ایسے لوگ نکلیں گے جن میں گمراہیاں اسی طرح سمائی ہوں گی، جس طرح کتے کا اثر اس شخص پر چھا جاتا ہے جسے اس نے کاٹ لیا ہو۔ اور عمرو کی روایت میں یہ بھی ہے: کوئی رگ اور کوئی جوڑ ایسا باقی نہیں رہتا جس میں اس کا اثر داخل نہ ہوا ہو۔ جس طرح کتے کا زہر رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتا ہے، اسی طرح بدعتیں ان کے رگ و ریشہ میں سما جاتی ہیں۔

محترم ساتھیو! اسی لئے آپ اہل بدعت اور نفس پرستوں کو نیز باطل مذاہب کے پیروکاروں کو دیکھیں گے کہ وہ اپنی

بدعت اور باطل سے باز نہیں آتے ہیں کیونکہ ان کا تعلق خواہشات سے ہوتا ہے اور یہ نفس کا ایسا میلان ہوتا ہے جسے انسان آسانی سے نہیں چھوڑتا مگر یہ کہ اس پر اللہ ہی کا کرم ہو جائے۔

اگر اس کے سامنے دلیل بھی واضح ہو جائے تو وہ کہے گا کہ نہیں، میں اسے نہیں سمجھ رہا، یا وہ کہے گا کہ میرے پاس بھی علماء ہیں جو تم سے زیادہ سمجھدار ہیں، آپ قال اللہ قال الرسول کہیں گے اور وہ کہے گا کہ ہاں سب صحیح ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ آیت ہے اور یہ حدیث ہے، مگر میں تمہارا مفہوم نہیں سمجھ رہا۔

وہ اسلئے کہ اسکی خواہشات نفس نے اسے اندھا بہرا بنا دیا ہے اور وہ اب اس قابل نہیں رہ گیا کہ حق بات سن سکے، اسی لئے علامہ قرطبی نے اس آیت کے بارے میں فرمایا ہے: {قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِندِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ} ترجمہ: اس نے کہا بے شک میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تجھ سے کر دوں، اس (شرط) پر کہ تو آٹھ سال میری مزدوری کرے گا، پھر اگر تو دس پورے کر دے تو وہ تیری طرف سے ہے اور میں نہیں چاہتا کہ تجھ پر مشقت ڈالوں، اگر اللہ نے چاہا تو یقیناً تو مجھے نیک لوگوں سے پائے گا۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں: عام علمائے سلف نے اس آیت سے اجارہ کی مشروعیت پر استدلال کیا ہے برخلاف اصم کے، جو کہ اس کے سننے سے بہرا ہے، اصم ایک معتزلی عالم ہے، جو حق کو نہیں سنتا اور نہ ہی اسے سمجھتا ہے، اسلئے کہ اس کے سامنے آیتیں پڑھنے سے اسکے حلقوم سے نیچے نہیں اترتی ہیں، اور یہ معاملہ حدیثوں کا بھی ہے، اور یہ حال تمام اہل بدعت اور نفس پرستوں کا ہوتا ہے، کہ اگر آپ ان کے پاس پہاڑ کے برابر بھی دلیلیں پیش کر دیں پھر وہ نہیں مانیں گے، اور کہیں گے کہ ہمارے پاس بھی علماء ہیں جو تم سے زیادہ سمجھتے ہیں، پھر وہ یا تو آیتوں میں تحریف کرتے ہیں، یا تاویل، اور حدیثوں کو اخبار آحاد کہہ کر رد کر دیتے ہیں یا کوئی دوسرا کوئی دوسرا بہانہ اپناتے ہیں جو کہ سب کے سب تار عنکبوت سے زیادہ کمزور ہوتے ہیں۔

اس سے خواہشات نفس کی سنگینی کا پتہ چلتا ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے کہ توحید کے باب میں سب سے زیادہ گمراہی خواہشات نفس کی پیروی کی وجہ سے ہوتی ہے، کوئی بدعتی کوئی بات کہتا ہے پھر وہ پورے عالم میں پھیل جاتا ہے اور اسکے پیروکار اسے بڑا بنا کر دکھاتے ہیں اور اسکے لئے تقدیس کا ہالہ بھی بنا لیتے ہیں اور لوگوں میں یہ باور کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہی سب سے بڑا عالم ہے، اور نفس پرستوں اور اہل بدعت کا یہی حال ہے کہ وہ اپنے علماء کو سب سے بڑا بنا کر دکھاتے ہیں اور اسکا پرچار کرتے ہیں۔

کچھ ماہ پہلے کی بات ہے کہ ایک عالم نے کہا کہ بعض علماء کیلئے رحمت کی دعاء نہ کرو، ابن حجر، نووی، ابن الجوزی کیلئے رحم کی

دعاء نہ کرو۔ٹھیک ہے یہ لوگ ان علماء میں سے ہیں جن کے یہاں بعض صفات میں تاویلیں پائی گئی ہیں مگر وہ اسکے داعی نہیں تھے، اور نہ ہی انکا یہ منہج تھا، بعض بدعتی علماء کی شاگردی کرنے کا یہ نتیجہ تھا، یعنی یہ ایک عارضی امر ہے۔

مگر کچھ ہی ماہ بعد ہم نے دیکھا کہ کچھ نوجوان بچے بلکہ ایک لڑکے کی عمر کوئی ۱۲/ برس کی رہی ہوگی وہ کہنے لگا کہ کیا ہم ابن حجر کیلئے رحمت کی دعاء کرسکتے ہیں؟ یہی دراصل خواہشات نفس کا نتیجہ ہے، کہ جسے مقدس بنادیا جائے وہ لوگوں میں سب سے بڑا عالم ہوجائے اور جسے کم تر مشہور کردیا جائے تو کم تر ہوجائے۔

سلف کہتے تھے: ایک شخص اسی وقت تک عالم رہتا ہے جب تک وہ علم طلب کرتا ہے، لیکن جب وہ یہ گمان کرلیتا ہے کہ وہ عالم ہوگیا تو وہ جاہل ہوجاتا ہے۔

ایسے ہی لوگوں کے یہاں مفکر مانے جانے والا اللہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم نے کسی کی شاگردی نہیں کی بہت اچھا ہوا کہ میں نے وقت ضائع نہیں کیا، حالانکہ ہم لوگ صوفیوں کے طریقے پر کسی شیخ کی پرستش کرنے یا اس سے دل جوڑنے کی بات نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں کہ اس سے وہی سیکھو جو اللہ اور اسکے رسول نے کہا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: علم سیکھنے سے آتا ہے اور بردباری اسے اپنانے سے آتی ہے۔

معلوم ہوا کہ نفس پرستی بہت ہی خطرناک اور سنگین امر ہے، یہ انسان کو حق سننے اور اس پر عمل کرنے سے اندھا بہرا بنادیتی ہے۔

اسکے اندر یہ صلاحیت ہی نہیں رہ جاتی کہ وہ حق کو سن سکے، آپ اس سے کہیں گے کہ سنو تو وہ کہے گا کہ نہیں، آپ کہیں گے کہ سلف کی کتابیں پڑھو، امام احمد کی کتاب السنہ، علامہ بربہاری کی کتاب السنہ علامہ لالکائی کی شرح اعتقاد اھل السنہ والجماعہ جیسی کتابیں پڑھو تو وہ کہے گا کہ ان کتابوں کو سن کر میں پک چکا ہوں، فلاں فلاں جو کچھ لکھ رہے ہیں وہی میرے لئے کافی ہے، اسلئے کہ اب اسکا دل غلاف کے اندر جا چکا ہے وہ اب حق بات نہیں سن سکتا، وہ خواہشات نفس کا اسیر ہو چکا ہے، اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کے بارے میں فرمایا ہے: {وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ} ترجمہ: وران کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں اس بچھڑے کی محبت پلادی گئی۔

یعنی وہ جانتے تھے کہ اسے انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے مٹی یا سونے وغیرہ سے بنایا ہے اور اسی کی وہ پرستش کررہے ہیں۔

یہاں شاہد یہی ہے کہ خواہشات نفس بہت ہی سنگین ہے یہ لوگوں کے درمیان آگ کی طرح پھیلتا بھی ہے، اگر کوئی ایک فرقہ آج بنادے تو کل تک اسکے دسیوں پیروکار بن جائیں گے، اسی لئے ہمیں یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ہم جو بھی سنیں اور

پڑھیں اسے سلف کے منہج پر سمجھیں، کہ انہوں نے کتاب وسنت کو کیسے سمجھا تھا؟ انہوں نے کیسے عمل کیا؟ کیسے انہوں نے پڑھا؟ کیسے سیکھا؟ اور کیسے اللہ کے دین کو سمجھا؟ یہاں تک کہ ہمارے لئے اس قدر عظیم علم کا خزانہ چھوڑا، چنانچہ ایک مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کتاب وسنت کے طریقے پر کرے اور وہ سلف صالح کے فہم پر مبنی ہو اسکے اندر نہ کوئی افراط ہو اور نہ ہی کوئی تفریط وکوتاہی۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ويخرج عن هذا التوحيد: السخط على الخلق، والالتفات إليهم. فإن من يرى الكل من الله كيف يسخط على غيره أو يأمل سواه؟. وهذا التوحيد مقام الصديقين.

ترجمہ: مخلوق پر ناراضگی اور اسکی طرف التفات کرنا توحید سے نکال دیتا ہے، کیونکہ جو یہ مانتا ہے کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے پھر وہ غیر اللہ پر ناراضگی کیوں دکھائے گا یا غیر اللہ سے امید کیوں رکھے گا، اور یہ توحید کی یہ قسم صدیقین کا مقام ہے۔

الشرح:

دراصل مخلوق پر ناراضگی بسااوقات انسان کو انکارِ تقدیر یا اللہ پر اعتراض تک پہونچا سکتا ہے، وہ کہہ سکتا ہے کہ اگر میں نے ایسا کرلیا ہوتا تو میرے ساتھ ایسا اور ایسا نہیں ہوتا، اگر میں نے فلاں جگہ کا سفر نہ کیا ہوتا تو میرے ساتھ ایسا نہ ہوتا، جیسا کہ منافقین نے کہا تھا: {الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ} ترجمہ: جنھوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا اور خود بیٹھے رہے، اگر وہ ہمارا کہنا مانتے تو قتل نہ کیے جاتے۔ کہہ دے پھر اپنے آپ سے موت کو ہٹا دینا، اگر تم سچے ہو۔

انہیں کے تعلق سے اللہ نے فرمایا ہے: {قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ} ترجمہ: کہہ دے اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی جن لوگوں پر قتل ہونا لکھا جا چکا تھا اپنے لیٹنے کی جگہوں کی طرف ضرور نکل آتے اور تاکہ اللہ اسے آزمالے جو تمھارے سینوں میں ہے اور تاکہ اسے خالص کردے جو تمھارے دلوں میں ہے اور اللہ سینوں کی بات کو خوب جاننے والا ہے۔

اس طرح یہ مسئلہ آسان نہیں ہے کیونکہ مخلوق پر ناراضگی بسااوقات توحید کے منافی ہوسکتا ہے اور علی الاقل کمال توحید کے منافی ہوسکتا ہے؛ اسلئے کہ جو مخلوق سے ناراض ہوتا ہے اس بات کو لیکر کہ فلاں نے اسے یہ چیز نہیں دی یا اسکی شکایتیں ہیں، وغیرہ

وغیرہ، یہ آگے چل کر اللہ پر بھی اعتراض کرسکتا ہے، جبکہ اللہ نے فرمایا ہے: {أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ} ترجمہ: کیا وہ تیرے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے خود ان کے درمیان ان کی معیشت دنیا کی زندگی میں تقسیم کی اور ان میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں بلند کیا، تا کہ ان کا بعض، بعض کو تابع بنالے اور تیرے رب کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔

سو اللہ تعالی روزی تقسیم کرنے والا ہے اور وہی اسکا مالک ہے، اسی نے چاہا کہ یہ فقیر رہے اور یہ غنی رہے، یہ طاقتور رہے اور یہ کمزور رہے، یہ مسلمان رہے اور یہ کافر رہے، اور اسی طرح آپ آگے بھی کہہ سکتے ہیں۔

اس طرح یہ مسئلہ ایمان کا ہے، تقدیر کو تسلیم کرنے کا ہے، اور اللہ کے ہر فیصلے پر راضی ہونے کا ہے اسکی مکمل طور سے اطاعت وفرمانبرداری کرنے کا ہے۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ولا ريب أن توحيد الربوبية لم ينكره المشركون، بل أقرّوا بأنه سبحانه وحده خالقهم، وخالق السموات والأرض، والقائم بمصالح العالم كله، وإنما أنكروا توحيد الإلهيّة والمحبّة، كما قد حكى الله - تعالى - عنهم في قوله: {وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَاداً يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبّاً لِلَّهِ}، فلما سووا غيره به في هذا التّوحيد كانوا مشركين، كما قال تعالى: {الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ} .أي يسوون غيره به، وقال الله تعالى: (وهم بربهم يعدلون).

ترجمہ: بلاشبہ توحید ربوبیت کا انکار مشرکین نے نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے یہ اقرار کیا تھا کہ اللہ ہی ان کا تنہا خالق ہے، وہی آسمان وزمین کا خالق ہے، وہی تمام کائنات کے مصالح کا دیکھ ریکھ کرتا ہے، انہوں نے توحید الوہیت اور توحید محبت کا انکار کیا تھا، جیسا کہ اللہ نے انکے بارے میں فرمایا ہے: (اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو غیر اللہ میں سے کچھ شریک بنالیتے ہیں، وہ ان سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اللہ سے محبت میں کہیں زیادہ ہیں)، چنانچہ جب انہوں نے اس توحید میں غیر اللہ کو برابر کردیا تو وہ مشرک ہوگئے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور روشنی کو بنایا، پھر (بھی) وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا، اپنے رب کے ساتھ برابر ٹھہراتے ہیں) یعنی وہ غیر اللہ کو اللہ کے برابر مانتے ہیں، اور مزید اللہ تعالی نے فرمایا: (اور وہ اپنے رب کے ساتھ برابر ٹھہراتے ہیں)۔

الشرح:

یہاں مصنف رحمہ اللہ وہی دوبارہ یہ بتارہے ہیں کہ پہلے کے مشرکین منجملہ طور پر یا ان میں سے اکثر توحید ربوبیت کا انکار نہیں کرتے تھے، اس کے اندر دہری یا فرعونی قسم کے لوگ نہیں آئیں گے جو کہتے ہیں کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، جب کہ وہ جان رہے ہوتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: {وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا} ترجمہ: اور انھوں نے ظلم اور تکبر کی وجہ سے ان کا انکار کر دیا، حالانکہ ان کے دل ان کا اچھی طرح یقین کر چکے تھے۔

سیدنا نوح علیہ السلام کے زمانے سے لیکر آج تک کے کثر مشرکین نے توحید ربوبیت کا انکار نہیں کیا ہے بلکہ وہ یہ اعتراف کرتے تھے کہ اللہ ہی انکا رب اور خالق ہے وہی انکا رازق اور مالک ہے، وہی ان کے معاملات کا تصرف کرنے والا ہے، مگر انہوں نے اسے اپنا معبود ماننے سے انکار کیا، اور اپنی محبت اور ساری عبادتوں کو غیر اللہ کی طرف پھیر دیا خواہ ذبح ونذر ہو یا انابت ورجوع، استغاثہ واستعاہ ہو یا صوم وصلاۃ، جلب خیر ہو یا دفع ضرر، اس گمان میں کہ یہ غیر اللہ اسکے لئے عند اللہ واسطہ بنیں گے۔

اور یہاں یہ امر قابل ملاحظہ ہے کہ پہلے کے مشرکین آج کے مشرکین کے مقابلے توحید سے زیادہ قریب تھے، کیونکہ پہلے کے مشرکین یہ جانتے تھے کہ اللہ ہی ہر چیز کا رب اور مالک ہے، جب انہیں کوئی مصیبت آتی تھی تو وہ اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے اور خالص اسی کو پکارتے تھے اور جب انہیں خوشحالی نصیب ہوتی تھی تو وہ اپنے بتوں کی طرف لوٹ جاتے تھے، جیسا کہ اللہ نے انکے بارے میں خبر دی ہے: {فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ} ترجمہ: پھر جب وہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے ہیں، اس حال میں کہ اسی کے لیے عبادت کو خالص کرنے والے ہوتے ہیں، پھر جب وہ انھیں خشکی کی طرف نجات دے دیتا ہے تو اچانک وہ شریک بنا رہے ہوتے ہیں۔

مگر آج کے مشرکین سخت مصیبتوں میں جب پھنستے ہیں تو غیر اللہ کو پکارتے ہیں، یہ ہر چھوٹی بڑی مصیبت میں غیر اللہ کو پکارتے ہیں کوئی یا حسین کہتا ہے، تو کوئی یا بدوی کہتا ہے تو کوئی یا نقشبندی کہتا ہے، تو کوئی یا شاذلی کہتا ہے کوئی یا جیلانی کہتا ہے، کوئی یا تیجانی کہتا ہے، کوئی یا مرغنی کہتا ہے، کوئی یا عمرو کہتا ہے، سب غیر اللہ کو پکارتے ہیں، بلکہ اللہ کی قسم! میں نے خود اپنے کانوں سے سنا ہے دوسرے ملکوں کی زیارت کے دوران کہ وہاں اگر کسی کو معمولی ٹھوکر بھی لگ جائے تو وہ رب العالمین کو نہیں پکارتا، وہ کسی غیر اللہ ہی کو پکارتا ہے، اسی لئے مصنف رحمہ اللہ نے یہاں پر یہ آیت پیش کی ہے: {وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ} ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض

وہ ہیں جوغیر اللہ میں سے کچھ شریک بنالیتے ہیں، وہ ان سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اللہ سے محبت میں کہیں زیادہ ہیں۔

یعنی وہ اپنے معبودوں سے ویسے ہی محبت کرتے ہیں جیسے مومن بندے اللہ سے محبت کرتے ہیں، اور انکی دوقسمیں ہیں:

یہ اللہ سے بھی محبت کرتے ہیں اور ساتھ میں غیر اللہ سے بھی محبت کرتے ہیں، ایسی محبت کی کوئی قدروقیمت نہیں ہے، اسلئے کہ یہ محبت خالص نہیں ہے۔

یا یہ اپنے بتوں سے ویسے ہی محبت کرتے ہیں جیسے مومنین اپنے رب سے محبت کرتے ہیں۔

دونوں مفہوم میں کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ مومنین دونوں حالت میں اپنے رب سے زیادہ محبت کرتے ہیں، اس طرح یہ مشرکین کے مقابلے میں اللہ سے زیادہ محبت کرتے ہیں، کیونکہ اللہ سے مشرکین کی محبت مشترک ہوتی ہے اور مومنوں کی محبت خالص ہوتی ہے۔

اور یہاں پر محبت سے مراد وہ فطری محبت نہیں ہے جو لوگوں کے اندر معروف ہے، یا وہ عشق ووالہانہ جوش جو صوفیوں کے یہاں پایا جاتا ہے، کہ وہ اللہ سے اپنی محبت کو ویسے ہی سمجھتے ہیں جیسے کوئی عاشق اپنی معشوقہ سے محبت کرتا ہے، اللہ ان کے بکواس سے بالاتر ہے۔

اللہ سے محبت کا معنی خشوع وخضوع، تعظیم وانقیاد، خوف ورجاء ہے جب یہ سارے مقامات جمع ہوجائیں گے تو سچی محبت سامنے آئے گی۔

اس معنی کرکے کہ اگر آپ کو اللہ اور اپنی خواہش میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے کیلئے کہا جائے تو آپ اللہ کے معاملے کو مقدم کریں ، یہی حقیقی محبت کی دلیل ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: { إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ } ترجمہ: کہہ دے اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور رہنے کے مکانات، جنھیں تم پسند کرتے ہو، تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہی اللہ سے سچی محبت ہے، اوراسکی صحیح دلیل یہ بھی ہے، ارشاد باری ہے: {قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ} ترجمہ: کہہ دے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھیں تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت مہربان ہے۔

پتہ چلا کہ اسکی صحیح دلیل نبی اکرم ﷺ کی سچی اتباع ہے، اسکے بغیر محبت کا دعوی کھوکھلا ہوگا۔

اور جولوگ محبت کو عشق سے تعبیر کرتے ہیں اور ساتھ ہی رقص وسرود کی محفل جماتے ہیں وہ اللہ کے ساتھ دراصل غیر اللہ کو شریک کرتے ہیں، وہ غیر اللہ سے اپنے دلوں کو جوڑ کر رکھتے ہیں، یہ اپنے سے اپنی محبت میں سچے نہیں ہوتے۔

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ اور اسکے رسول دوسروں کے مقابلے زیادہ محبوب ہوں، جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ:" ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ، أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ".

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں یہ پیدا ہو جائیں اس نے ایمان کی مٹھاس کو پالیا۔ اول یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بن جائیں، دوسرے یہ کہ وہ کسی انسان سے محض اللہ کی رضا کے لیے محبت رکھے۔ تیسرے یہ کہ وہ کفر میں واپس لوٹنے کو ایسا برا جانے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔

چنانچہ یہ حدیث سن کر اگر آپ کو یہ اختیار دیا جائے کہ یا تو اللہ کا حکم مانو یا اسکے بدلے موت کو گلے لگالو تو تم موت کو اختیار کروگے کہ تم اللہ کی عبادت پر باقی رہو اور اللہ کا حکم مانو۔

چنانچہ یہی محبت دراصل کمال محبت کو شامل ہے جس کے اندر تعظیم بھی ہے، جلال وخوف بھی ہے، امید وبیم بھی ہے، یہ نہ ہی مجرد فطری محبت ہے، نہ ہی بناوٹی اور عشق ومعاشقہ ہے جس کے اندر خودغرضی اور نفس پرستی ہوتی ہے، بلکہ یہ بے لوث محبت ہے کامل محبت ہے، خوف، جلال اور امید کی محبت ہے۔ اسکے سوا دوسری محبتیں ناقص اور غیر کافی ہیں۔

واللہ اعلم، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

المجلس الثانی

وقد علّم الله - سبحانه وتعالى - عباده كيفية مباينة الشّرك في توحيد الإلهيّة، وأنه تعالى حقيق بإفراده وليًا وحكمًا وربًّا. فقال تعالى: {قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيّاً} وقال: {أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَماً} وقال: {قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبّاً}.

فلا وليّ ولا حكم ولا ربّ إلاّ الله، الذي من عدل به غيره فقد أشرك في ألوهيّته ولو وحّد ربوبيّته. فتوحيد الربوبيّة هو الذي اجتمعت فيه الخلائق مؤمنها وكافرها.

وتوحيد الإلهيّة مفرق الطرق بين المؤمنين والمشركين، ولهذا كانت كلمة الإسلام: لا إله إلاّ الله، ولو قال: لا ربّ إلاّ الله أجزاه عند المحققين، فتوحيد الألوهيّة هو المطلوب من العباد، ولهذا كان أصل "الله" الإله، كما هو قول سيبويه، وهو الصحيح، وهو قول جمهور أصحابه إلاّ من شذّ منهم.

ترجمہ: اور اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو یہ سکھایا ہے کہ توحید الوہیت کے اندر مشرکین کیسے الگ اور دور ہیں، جبکہ اللہ تعالی ہی زیادہ لائق ہے کہ اسے ولی، دوست، فیصل اور رب کے اعتبار سے تنہا مانا جائے، ارشاد باری ہے: (کہہ دیں کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا دوست بناڈالوں؟)، مزید ارشاد فرمایا: (کیا میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا فیصل بناڈالوں؟)، مزید ارشاد فرمایا: (کہہ دیں کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا رب بناڈالوں؟)۔

سو اللہ کے سوا کوئی دوست اور کوئی رب نہیں ہے، اگر کوئی اسکے ساتھ کسی کو برابر کرے گا تو اس کی الوہیت میں اسے شریک ٹھہرائے گا، گرچہ وہ اسے ربوبیت میں تنہا مانے۔ یہ توحید ربوبیت ہی ہے جس

کے اندر

الشرح:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله رب العالمین، وصلى الله وسلم وبارك على نبينا محمد ، وعلى آله واصحابه أجمعین۔

یہ مفہوم مصنف رحمہ اللہ کے مقدمے میں گزر چکی ہے، اور منجملہ اسی کے اندر انبیاء اور انکی قوموں کے درمیان اختلاف ہوا ہے، اور یہ کہ اسی وجہ سے اللہ نے رسولوں کو مبعوث کیا اور کتابوں کو اتارا ہے، اور یہ توحید الوہیت ہے، اور دلیل کے طور پر مصنف نے تین آیتوں کو پیش کیا ہے:

پہلی آیت: ارشاد باری ہے: {قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيّاً} ترجمہ: کہہ دیں کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا دوست بناڈالوں؟ مزید ارشاد فرمایا: {أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَماً} ترجمہ: کیا میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا فیصل بناڈالوں؟ مزید ارشادفرمایا: {قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبّاً}۔ ترجمہ: کہہ دیں کہ کیا میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو اپنا رب بناڈالوں؟

تاکہ ان تینوں عظیم معانی کے درمیان ربط اور تعلق کو واضح کرسکیں، چنانچہ رب اس بات کو متلزم ہے کہ وہ حکم اور معبود اور ولی ہو، اسی لئے اسی تسلسل سے نقل کیا ہے۔

توحید ربوبیت کے تعلق سے مصنف رحمہ اللہ نے یہ کہا کہ ایسا نہیں ہے کہ دنیا کے تمام لوگ اس توحید کو مانتے ہیں بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اکثر لوگ اسے مانتے ہیں، اور اگر سب لوگ توحید ربوبیت کو مان بھی لیں تو بھی انہیں صرف یہی فائدہ نہیں پہونچائے گا کیونکہ اسکا جو لازمی توحید ہے یعنی توحید الوہیت اسے یہ نہیں مانتے ہیں، یعنی تمام عبادتوں کو صرف اللہ کے لئے انجام دینا، اگر کوئی توحید الوہیت میں دوسرے کو شامل کرتا ہے یا اسکے برابر کسی دوسرے کو سمجھتا ہے تو یہ شرک اکبر ہوگا جسے اللہ کبھی نہیں معاف کرے گا، صرف خالص توبہ ہی کام کرسکتا ہے، کیونکہ جو شرک اکبر پر مرگیا وہ مخلد فی النار ہوگا، ارشاد باری تعالی ہے: {وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ} ترجمہ: اور جو اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے، جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں تو اس کا حساب صرف اس کے رب کے

پاس ہے۔ بے شک حقیقت یہ ہے کہ کافر فلاح نہیں پائیں گے۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ} ترجمہ: بے شک حقیقت یہ ہے کہ جو بھی اللہ کے ساتھ شریک بنائے سو یقینا اس پر اللہ نے جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والے نہیں۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَن يَشَاءُ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا} ترجمہ: بے شک اللہ اس بات کو نہیں بخشے گا کہ اس کا شریک بنایا جائے اور بخش دے گا جو اس کے علاوہ ہے، جسے چاہے گا اور جو اللہ کے ساتھ شریک بنائے تو یقیناوہ بھٹک گیا، بہت دور بھٹکنا۔

یہاں پر مصنف نے یہ اشارہ کیا کہ اگر بندہ کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں ہے، تو یہ اسے کوئی فائدہ نہیں دے گا برخلاف اس کے کہ اگر وہ کہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، تو یہ اسے فائدہ دے گا یہ عظیم کلام ہے، کیوں؟ اسلئے کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں ہے، یہ سارے لوگ یا اکثر لوگ کہتے ہیں، خواہ وہ مسلمان ہوں یا کافر، جیسا کہ میں نے بیان کیا، اور جیسا کہ مصنف نے واضح کیا کہ کفار بھی توحید ربوبیت کا اقرار کرتے تھے، مگر اس سے وہ توحید الوہیت میں داخل نہیں ہوئے، چنانچہ اگر وہ اللہ کو رب مانتے ہیں اور اسے معبود نہیں مانتے تو پھر انکے اس ایمان سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔

اس وجہ سے کہ ارکان توحید تین ہیں اور سب ایک دوسرے کو مستلزم ہیں کوئی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتا، اسلئے کہ (لا الہ الا اللہ) کا مفہوم یہ ہیکہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، اب اگر کوئی اس کا کوئی دوسرا مفہوم بتاتا ہے تو وہ غلط مفہوم ہوگا، چنانچہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہیکہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا موجود نہیں ہے، یا یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا رب نہیں ہے، یا یہ کہتے ہیں کہ یقین کو اللہ کی ذات پر داخل کرنا، تو یہ ساری تفسیریں باطل ہیں؛ کیونکہ ان سب کے اندر توحید الوہیت کو توحید ربوبیت کے اندر محصور کر دیا گیا ہے، گویا اللہ نے صرف توحید ربوبیت ہی کا حکم دیا ہے۔

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کا معنی یہ ہیکہ یقین فاسد کو دل سے نکال کر اللہ کی ذات میں یقین صحیح پیدا کیا جائے، تو یہ وحدت الوجود ہے، اور اسی کے قائلین خود کو دعوت الی اللہ کے میدان سے جوڑتے ہیں، اور یہ لوگ اگر کلمہ توحید کا مطلب یہی لیتے ہیں تو یہ جس دعوت کے میدان میں کام کر رہے ہیں تو انہیں پتہ ہونا چاہئے کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعوت کبھی نہیں رہی ہے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کبھی منہج رہا ہے۔

کلمہ توحید کی واحد تفسیر (اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے) کے سوا کوئی تفسیر مقبول نہیں ہے، برحق کی قید لگانا ضروری ہے؛ کیونکہ بہت سارے دوسرے معبود بھی پائے جاتے ہیں مگر وہ باطل ہیں، اسی طرح خواہشات نفس پر مشتمل بہت

سارے معبود ہیں، جیسا کہ ارشاد باری ہے: {أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ} ترجمہ: پھر کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنالیا اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا اور اس کے کان اور اس کے دل پر مہر لگادی اور اس کی آنکھ پر پردہ ڈال دیا۔ پھر اللہ کے بعد اسے کون ہدایت دے، تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے۔

اس تفسیر کے علاوہ کوئی دوسری تفسیر غیر مقبول ہے، بطور خاص وحدت الوجود والی تفسیر کہ اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے، کیونکہ آپ موجود ہیں، زید موجود ہے، حیوان موجود ہے، آسمان موجود ہے، زمین موجود ہے، نباتات موجود ہیں، ایسی صورت میں ساری موجودات اللہ ہی ہوں گی، اللہ ایسے اعتقاد باطل سے بری اور پاک ہے، یہ ابن عربی حاتمی طائی ملحد کا عقیدہ ہے جو ایک مشہور ملحد صوفی تھا جو کہا کرتا تھا کہ اس جبے میں سوائے اللہ کے کوئی نہیں ہے۔

اور جو کہتا تھا:

وما الكلب والخنزير إلا إلهنا ... وما الله إلا راهب في كنيسة

ترجمہ: کتا اور خنزیر سب ہمارے معبود ہیں، اور اللہ تو گرجا میں ایک راہب کے سوا کچھ نہیں ہے۔

اور جو کہتا ہے:

أنا بالله وبالله أنا ... نحن روحان حللنا بدنا

فإذا أبصرتني أبصرته ... وإذا أبصرته أبصرتنا

ترجمہ: میں اللہ سے ہوں اور اللہ مجھ سے ہے، ہم دونوں دو روح اور ایک جسم ہیں۔ جب تم مجھے دیکھتے ہو تو اسے دیکھتے ہو، اور جب تم اسے دیکھتے ہو تو ہمیں دیکھتے ہو۔

اور اسکے علاوہ اسکے دیگر کفریہ عقائد ہیں جنہیں اس نے اپنی کتاب الفصوص اور فتوحات مکیہ میں انڈیل رکھا ہے، جبکہ حقیقت یہ ہیکہ یہ سب سے بڑا کفر ہے کہ کوئی کہے کہ فرعون موسی سے زیادہ ہدایت یافتہ تھا جب اس نے کہا تھا کہ میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں؛ کیونکہ فرعون اسی وجہ سے اس چوٹی پر پہونچ گیا تھا جہاں تک موسی نہیں پہونچ سکے، وہ فنا فی اللہ کے مقام تک پہونچ چکا تھا، اللہ کافروں اور ملحدوں کے ایسے کفریہ عقائد اور بکواس سے بری اور بالاتر ہے۔

اور جو لوگ لاالہ الااللہ کی یہ تفسیر کرتے ہیں وہ گرچہ اس معنی کو مراد نہ لیں مگر شعوری یا غیر شعوری طور پر وہ ضرور اس بدعقیدگی کا شکار ہوتے ہیں۔

بہر حال ہم لاالہ الااللہ کی تفسیر کوئی دوسرا نہ کریں کیونکہ اگر ہم اسکی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں ہے

تو پھر اللہ کو کسی رسول کے بھیجنے اور کسی کتاب کے اتارنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی؛ کیونکہ لوگ ربوبیت کا اقرار تو کرتے ہی ہیں، وہ توحید الوہیت کا اقرار نہیں کرتے ہیں۔

اسی لئے پہلے کے مشرکوں سے جب رسولوں نے کہا کہ لاالہ الااللہ کہو کامیاب ہو جاؤ گے تو وہ اسکا مفہوم سمجھتے تھے، اگر وہ اسکا مفہوم نہ سمجھتے تو وہ اسے ضرور کہہ دیتے، کہنے میں کوئی حرج نہیں تھا مگر چونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ کلمہ ان کے تمام معبودوں کی نفی کرتا ہے، اور یہی مطلب تھا سیدنا ابراہیم کے اس قول کا:{وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ إِنَّنِي بَرَاءٌ مِّمَّا تَعْبُدُونَ[26] إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ} ترجمہ: اور جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا بے شک میں ان چیزوں سے بالکل بری ہوں جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ [26] سوائے اس کے جس نے مجھے پیدا کیا، پس بے شک وہ مجھے ضرور راستہ دکھائے گا۔

اور یہی مفہوم ہے اللہ کے اس قول کا:{فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ} ترجمہ: پھر جو کوئی باطل معبود کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو یقینا اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جسے کسی صورت ٹوٹنا نہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

اور یہی مفہوم ہے اللہ کے اس قول کا:{فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا اللَّهُ} ترجمہ: پس جان لے کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اور ان کے علاوہ بھی بہت سی آیتیں ہیں جو اسی معنی میں وارد ہوئی ہیں۔

اسلئے دیگر تفاسیر کی خطرناکیوں اور سنگینیوں سے آگاہ رہنا چاہئے بطور خاص ان لوگوں کی تفسیر سے جو اپنے آپ کو دعوت سے منسوب کرتے ہیں اور اسکا معنی بتاتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی حاکم نہیں ہے، اور اس کے علاوہ کلمہ توحید ان سب کے باطل مناہج اور باطل عقائد کے منافی ہے، اور مکمل طور پر منہج سلف کے مخالف ہے، چنانچہ کلمہ توحید کا معنی نہ تو (لا حاکم الااللہ) ہے، اور نہ ہی (لاحکم الااللہ) ہے، اور نہ ہی اسکا معنی (لاموجود الااللہ) ہے، اور نہ ہی اسکا معنی (لارب الااللہ) ہے، بلکہ اسکا معنی صرف اور صرف (لامعبود بحق الااللہ) ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، اب اس کے سوا جتنے بھی معانی ہیں سب کتاب وسنت اور منہج سلف سے دور ہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وبهذا الاعتبار الذى قررنا به الإله وأنه المحبوب، لاجتماع صفات الكمال فيه، كان الله: هو الاسم الجامع لجميع معانى الأسماء الحسنى والصفات العليا، وهو الذى ينكره المشركون، ويحتج الربّ - سبحانه وتعالى - عليهم بتوحيدهم ربوبيّته على توحيد ألوهيّته، كما قال الله - تعالى -: {قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى آللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا أَإِلَهٌ مَعَ اللَّهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ}.

وكلما ذكر تعالى من آياته جملة من الجمل قال عقبها: {أَإِلَهٌ مَعَ اللَّهِ} ؟، فأبان سبحانه وتعالى بذلك أن المشركين إنما كانوا يتوقفون فى إثبات توحيد الإلهيّة لا الربوبيّة، على أن منهم من أشرك فى الربوبيّة كما يأتى بعد ذلك إن شاء الله-تعالى-.

ترجمہ: اور جس اعتبار سے ہم نے الہ کا مفہوم ثابت کیا اور یہ کہ وہی محبوب ہے کیونکہ اس کے اندر صفات کمال پائے جاتے ہیں، تو ایسی صورت میں لفظ جلالہ (اللہ) ہی ایک ایسا کامل اسم ہے جو تمام اسمائے حسنی اور صفات علیا کو جامع ہے، اور اسی نام کا مشرکین انکار کرتے تھے، اور اللہ تعالی ان کے توحید ربوبیت کے اقرار سے توحید الوہیت پر حجت بناتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: (کہہ دے سب تعریف اللہ کے لیے ہے اور سلام ہے اس کے ان بندوں پر جنھیں اس نے چن لیا۔ کیا اللہ بہتر ہے، یا وہ جنھیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں؟ [59] (کیا وہ شریک بہتر ہیں) یا وہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور

تمھارے لیے آسمان سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس کے ساتھ رونق والے باغات اگائے، تمھارے بس میں نہ تھا کہ ان کے درخت اگاتے، کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے؟ بلکہ یہ ایسے لوگ ہیں جو راستے سے ہٹ رہے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالی نے جب بھی آیتوں کے اندر کوئی جملہ بیان کیا تو اسکے بعد یہ ضرور کہا کہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ مشرکین توحید الوہیت میں توقف اختیار کرتے تھے نہ کہ توحید ربوبیت میں، ہاں ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو ربوبیت میں بھی شرک کرتے تھے، جیسا کہ بعد میں اسکی تفصیل آئے گی ان شاءاللہ۔

الشرح:

یہ مذکورہ کلام کی تاکید ہے کہ لفظ جلالہ (اللہ) ہی اسکے تمام اسماء وصفات کیلئے ایک جامع نام ہے، بلکہ یہی اسم اعظم ہے، اسی لئے کسی کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ یہ نام رکھے، بلکہ اللہ کے دوسرے ایسے نام ہیں جنہیں مخلوق اپنا نام رکھ سکتا ہے، گرچہ وہ خالق کا نام ہے، مگر اضافت اور تخصیص سے اسکا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے، اور خالق اپنی مخلوق سے ممتاز ہوجاتا ہے، اور قرآن کے اندا اسکی نظیریں موجود ہیں، چنانچہ اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کو رؤوف رحیم کہا گیاہے، اور خود اپنی ذات کیلئے بھی رؤوف رحیم کہاہے، جبکہ دونوں میں کوئی برابری نہیں ہے، دونوں الگ الگ ہیں۔

اسی طرح اللہ نے بعض بندوں کے بارے میں کہا کہ وہ حفیظ اور علیم ہیں جیسا کہ سیدنا یوسف علیہ السلام کے بارے میں کہا ،اسی طرح خود اپنے بارے میں حفیظ اور علیم کہاہے، ارشاد باری ہے: {وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ} ترجمہ: اور تیرا رب ہر چیز پر پوری طرح نگران ہے۔ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ} ترجمہ: بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا، کمال حکمت والا ہے۔

مگر لفظ جلالہ کے ساتھ کوئی بندہ اپنا نام نہیں رکھ سکتا، اسلئے کہ تمام اسماء وصفات کیلئے ایک جامع نام ہے، بلکہ اہل علم کے اقوال کی روشنی میں راجح قول کے مطابق یہی اسم اعظم بھی ہے۔

البتہ کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ اسم اعظم سے مراد آیت الکرسی میں وارد نام ہے: {اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ

الْقَيُّومُ } ترجمہ: اللہ (وہ ہے کہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے۔

اور بعض علماء نے کہا کہ اس سے مراد سورہ طہ میں وارد نام ہے: {اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى} ترجمہ: اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، سب سے اچھے نام اسی کے ہیں۔

اور بعض علماء نے کہا کہ اس سے مراد سورہ اخلاص میں وارد نام ہے: {قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ [1] اللَّهُ الصَّمَدُ} ترجمہ: کہہ دے وہ اللہ ایک ہے۔ [1] اللہ ہی بے نیاز ہے۔

اور بعض علماء سے اس کے علاوہ بھی دوسرے اقوال مروی ہیں۔

اور بعض نے اس حدیث میں وارد نام کو مراد لیا ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ الْأَسْلَمِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَدْعُو وَهُوَ يَقُولُ: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ، قَالَ: فَقَالَ: "وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ سَأَلَ اللَّهَ بِاسْمِهِ الْأَعْظَمِ الَّذِي إِذَا دُعِيَ بِهِ أَجَابَ وَإِذَا سُئِلَ بِهِ أَعْطَى".

ترجمہ: سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ان کلمات کے ساتھ: (اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ بِأَنِّي أَشْهَدُ أَنَّكَ أَنْتَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ، الْأَحَدُ الصَّمَدُ الَّذِي لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ،) "اے اللہ! میں تجھ سے مانگتا ہوں بایں طور کہ میں تجھے گواہ بناتا ہوں اس بات پر کہ تو ہی اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، تو اکیلا (معبود) ہے تو بے نیاز ہے، (تو کسی کا محتاج نہیں تیرے سب محتاج ہیں)، (تو ایسا بے نیاز ہے) جس نے نہ کسی کو جنا ہے اور نہ ہی کسی نے اسے جنا ہے، اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہوا ہے"، دعا کرتے ہوئے سنا تو فرمایا: "قسم ہے اس رب کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! اس شخص نے اللہ سے اس کے اس اسم اعظم کے وسیلے سے مانگا ہے کہ جب بھی اس کے ذریعہ دعا کی گئی ہے اس نے وہ دعا قبول کی ہے، اور جب بھی اس کے ذریعہ کوئی چیز مانگی گئی ہے اس نے دی ہے"۔

جب ہم ان اقوال میں غور کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ ان کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے، کیونکہ جتنے بھی اقوال ہیں سب میں لفظ جلالہ موجود ہے۔

اسی لئے ابن القیم اور دوسرے سلف نے لفظ جلالہ ہی کو راجح کہا ہے یعنی اسم اعظم سے مراد لفظ جلالہ (اللہ) ہے۔

اور مصنف رحمہ اللہ نے اسی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔

جب یہ ثابت کر دیا کہ اسم اعظم سے مراد لفظ جلالہ ہے تو پھر اسی جملے کی طرف واپس آگئے کہ لوگوں کے توحید ربوبیت پر ایمان لانے سے وہ اسلام میں داخل نہیں ہو جائیں گے اور یہ ایمان انہیں کوئی فائدہ بھی نہیں دے گا، اسلئے کہ انہوں نے اسکا لازمی ایمان لایا ہی نہیں یعنی توحید الوہیت، پھر اسکے بعد ان آیتوں کو نقل کیا ہے جن کے اندر اللہ کی نشانیاں اور مخلوقات کا ذکر ہے، جو اسکی قدرت کاملہ پر دلالت کرتی ہیں، اور جب بھی کوئی جملہ ذکر کیا اسکے بعد ضرور یہ کہا کہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟

مصنف نے ان آیتوں کو کیوں نقل کیا؟ کیونکہ آپ کو معلوم ہے کہ وہ اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ اللہ ان نشانیوں کو، ان مخلوقات کو: آسمانوں کو، زمینوں کو، باغات کو، انسان کو، لیل ونہار کو، شمس وقمر کو سب کو اسی کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے، پھر اسکے بعد کہا کہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی معبود ہے؟ چنانچہ جب ان سے پوچھا جاتا کہ ان چیزوں کو پیدا کرنے والا کون ہے؟ تو وہ کہتے کہ اللہ ہے۔

اگر یہ تسلیم کرتے ہو کہ اللہ نے ہی ان تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے تو پھر کیا یہ جائز ہے کہ اسکے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک کرو؟ اسی لئے اللہ نے فرمایا: {يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ[21] الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ} ترجمہ: اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمھیں پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے تھے، تاکہ تم بچ جاؤ۔ [21] جس نے تمھارے لیے زمین کو ایک بچھونا اور آسمان کو ایک چھت بنایا اور آسمان سے کچھ پانی اتارا، پھر اس کے ساتھ کئی طرح کے پھل تمھاری روزی کے لیے پیدا کیے، پس اللہ کے لیے کسی قسم کے شریک نہ بناؤ، جب کہ تم جانتے ہو۔

مکی سورتوں میں اکثر اللہ تعالی کچھ کونی نشانیوں کا ذکر کر کے ان سے کافروں کے خلاف استدلال کرتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے کیونکہ وہی ان ساری نعمتوں کا نچھاور کرنے والا ہے، وہی ان چیزوں کا خالق ہے، اور جو منعم اور خالق ہو وہی عبادت کے لائق بھی ہے۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وبالجملة فهو تعالى يحتج على منكري الإلهيّة بإثباتهم الربوبيّة.

والملك: هو الآمر الناهي الذي لا يخلق خلقًا بمقتضى ربوبيّته ويتركهم سدى معطلين لا يؤمرون ولا ينهون، ولا يثابون ولا يعاقبون، فإن الملك هو الآمر الناهي، المعطي المانع، الضار النافع، المثيب المعاقب.

ولذلك جاءت الاستعاذة في سورة الناس وسورة الفلق بالأسماء الحسنى الثلاثة: الربّ والملك والإله. فإنه لما قال: {قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ} كان فيه إثبات أنه خالقهم وفاطرهم. فبقي أن يقال: لمّا خلقهم هل كلّفهم وأمرهم ونهاهم؟، قيل: نعم. فجاء: {مَلِكِ النَّاسِ} . فأثبت الخلق والأمر {أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ} . فلما قيل ذلك، قيل: فإذا كان ربا موجدًا، وملكا مكلفا. فهل يحب ويرغب إليه، ويكون التوجه إليه غاية الخلق والأمر. قيل: {إِلَٰهِ النَّاسِ} أي: مألوههم ومحبوبهم. الذي لا يتوجّه العبد المخلوق المكلّف العابد إلا له، فجاءت الإلهيّة خاتمة وغاية، وما قبلها كالتوطئة لها.

ترجمہ: منجملہ اللہ تعالی منکرین الوہیت کے خلاف توحید ربوبیت سے استدلال کرتا ہے۔

اور بادشاہ وہی ہے جو حکم بھی دیتا ہو اور روکتا بھی ہو، جو صرف مخلوقات کو اس لئے نہیں پیدا کرے گا کہ انہیں صرف پالے اور ان کی پرورش کرے اور یوں ہی انہیں بے مقصد چھوڑ دے، انہیں نہ حکم دیا جائے اور نہ روکا جائے، نہ انہیں ثواب دیا جائے اور نہ عذاب، بلکہ بادشاہ حکم بھی دیتا ہے اور روکتا بھی ہے، عطا بھی کرتا ہے اور منع بھی کرتا ہے، نقصان بھی پہونچاتا ہے اور نفع بھی، اجر بھی دیتا ہے اور عذاب بھی۔

اسی لئے سورہ ناس اور سورہ فلق کے اندر استعاذہ تینوں ناموں کے ساتھ آیا ہے: رب، ملک یعنی بادشاہ اور الٰہ یعنی معبود، کیونکہ جب اللہ نے کہا: (کہہ دیں کہ میں لوگوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں) تو اس سے ان کے خالق کا اثبات ہوا، پھر پیدائش کے بعد کہا گیا: کیا انہیں ان کے رب نے کچھ مکلف کیا، انہیں کچھ حکم دیا اور روکا؟ تو کہا گیا: جی ہاں، اور آگے یہ آیت آئی: (لوگوں کے بادشاہ کی)، سو اس سے خلق وامر دونوں ثابت ہو گئے، ارشاد باری ہے: (سنو! پیدائش اور فیصلہ سب اسی کے لئے ہے)، پھر کہا گیا کہ جب ایک رب ہے جو موجد ہے، بادشاہ ہے، مکلف بنانے والا ہے، تو کیا اس سے محبت کرنے، اسکی طرف رغبت کرنے اور خلق وامر کے مقصد کو اسی کیلئے خاص کرنے کا بھی حکم ہے؟ تو اس کے بعد کہا گیا: (لوگوں کے معبود کی) یعنی جو انکا معبود ومحبوب ہو گا جسکی طرف اسکی مخلوق اسکے مکلف بندے عبادت میں متوجہ ہوں گے، اس طرح الوہیت اپنے ماقبل کیلئے بطور تمہید کے خاتمہ، غایت اور مقصد ہے۔

الشرح:

مصنف رحمہ اللہ نے سورہ ناس کے ذریعے یہاں پر جس خوبصورت اور عظیم ترتیب سے بیان کیا ہے کہ پہلے ربوبیت سے شروع کیا گیا، اور اسماء وصفات سے جو کائنات کے اندر تصرف کرنے پر دلالت کرتی ہے، پھر عبودیت اور الوہیت کے استحقاق پر دلالت کرنے والی ہے، تاکہ یہ ثابت کریں کہ اللہ جب تمام لوگوں کا رب ہے کہ جس نے انہیں اپنی نعمتوں سے نوازا، ان کی پرورش کی، انہیں پیدا کیا، انہیں روزی دی، انہیں جلاتا اور مارتا ہے پھر انہیں قبر سے اٹھائے گا، اور جب وہی ان کا بادشاہ اور ان کے اندر تنہا وہی تصرف کرنے والا ہے، تو پھر وہی تنہا عبادت کا مستحق بھی ہے، اسی لئے آخر میں کہا: (الٰہ الناس) یعنی لوگوں کے معبود کی۔ چنانچہ وہی ان کا رب ہے، وہی انکا مالک اور بادشاہ ہے اور وہی تنہا انکا معبود بھی ہے۔

رب اور مالک و بادشاہ ہونے سے یہ لازم آتا ہے کہ وہی معبود بھی ہو، عبادت کو اسی کیلئے خاص کیا جائے، اور اسکے اندر مشرکین کے خلاف یہ حجت بھی ہے کہ جب وہ اللہ کیلئے ربوبیت کا اقرار کرتے ہیں تو پھر انہیں لازمی طور پر الوہیت کا بھی اقرار کرنا چاہئے، گویا کہہ رہے ہیں کہ اے وہ لوگو! جب تم یہ اعتراف کرتے ہو کہ تمہارا وہ رب ہے اور ساری چیزوں کا رب کا، وہی تم کو پیدا کرتا ہے اور وہی روزی دیتا ہے، اور وہی تمہارا مالک اور تمہارے اندر تنہا تصرف کرنے والا ہے، تو پھر تم اسی کی عبادت

بھی کروا سکے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وهاتان السورتان أعظم عوذة فى القرآن، وجاءت الاستعاذة بهما وقت الحاجة إلى ذلك، وهو حين سحر النبى صلى الله عليه وسلم، وخيّل إليه أنه يفعل الشيء صلى الله عليه وسلم وما فعله، وأقام على ذلك أربعين يوما، كما فى الصحيح.

وكانت عقد السّحر إحدى عشرة عقدة، فأنزل الله المعوّذتين إحدى عشرة آية، فانحلّت بكلّ آيةٍ عقدةٍ.

وتعلقت الاستعاذة فى أوائل القرآن باسمه الإله، وهو المعبود وحده، لاجتماع صفات الكمال فيه. ومناجاة العبد لهذا الإله الكامل، ذى الأسماء الحسنى والصفات العليا، المرغوب إليه؛ فى أن يعيذ عبده الذى يناجيه بكلامه من الشيطان الحائل بينه وبين مناجاة ربّه.

ثم استحب التعليق باسم الإله فى جميع المواطن الذى يقال فيها: "أعوذ بالله من الشيطان الرّجيم"، لأن اسم الله - تعالى - هو الغاية للأسماء، ولهذا كان كل اسم بعده لا يتعرف إلاّ به، فتقول: الله هو السّلام، المؤمن، المهيمن، فالجلالة تعرّف غيرها، وغيرها لا يعرفها.

ترجمہ: قرآن کریم کے اندر پناہ مانگنے کے اعتبار سے یہ دونوں سورتیں سب سے عظیم ہیں، اور پناہ مانگنے کیلئے یہ دونوں سورتیں بوقت ضرورت نازل ہوئی ہیں، اور وہ اس وقت جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو کر دیا گیا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خیال ہونے لگتا تھا کہ آپ کچھ کر رہے ہیں مگر کچھ نہیں کر رہے ہوتے، اور

اسی حال میں آپ چالیس دنوں تک رہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔

جادو کی گانٹھیں کل گیارہ تھیں، اسی لئے اللہ تعالی نے معوذتین کے اندر کل گیارہ آیتیں نازل فرمائیں، اور سارے گانٹھ کھل گئے۔

اور اوائل قرآن میں استعاذہ کا تعلق اللہ سے جوڑا گیا ہے، جو کہ تنہا معبود ہے؛ کیونکہ اس کے اندر کمال کے تمام صفات موجود ہیں، چنانچہ بندے کو چاہئے کہ وہ اسی کامل معبود سے مناجات کرے جو اپنے اسماء وصفات میں کامل ہے، اور وہ بندہ جو اپنے رب سے مناجات کر رہا ہے اس شیطان سے پناہ مانگے جو اسکے اور اسکے رب سے مناجات کرنے کے درمیان حائل ہے۔

پھر اللہ کے نام کو تمام جگہوں سے جوڑ دیا گیا جہاں جہاں بھی شیطان رجیم سے پناہ مانگا جاتا ہے، تو اس وقت کہا جاتا ہے: (میں شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں)؛ اسلئے کہ لفظ جلالہ ہی تمام اسماء کی غایت اور مقصد ہے۔

اور اسی لئے اس کے بعد جتنے بھی اسماء ہیں سب اسی سے متعارف ہیں، چنانچہ آپ کہیں گے: اللہ ہی سلام ہے، وہی مومن، مھیمن ہے، سو لفظ جلالہ (اللہ) سے دوسرے اسماء جانے جاتے ہیں، دوسروں کے ذریعے اسے نہیں جانا جاتا۔

الشرح:

مصنف رحمہ اللہ یہاں بھی معوذتین کے مدلول ومفہوم کی وضاحت کر رہے ہیں، کہ اللہ تعالی نے دونوں سورتوں (قل اعوذ برب الفلق/قل اعوذ برب الناس) کو اپنے نبی ﷺ پر نازل کیا، اور انکے ذریعے پناہ مانگنے کا حکم دیا، اور یہ کہ آپ ان دونوں کے ذریعے پناہ مانگیں اس وقت جب آپ پر ایک یہودی لبید بن اعصم اور اسکی لڑکیوں نے جادو کر دیا تھا، جیسا کہ صحیحین میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَائِشَةَ ، قالت: سَحَرَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَهُودِيٌّ مِنْ يَهُودِ بَنِي زُرَيْقٍ يُقَالُ

لَهُ لَبِيدُ بْنُ الْأَعْصَمِ، قَالَتْ: حَتَّى كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَفْعَلُ الشَّيْءَ وَمَا يَفْعَلُهُ، حَتَّى إِذَا كَانَ ذَاتَ يَوْمٍ أَوْ ذَاتَ لَيْلَةٍ دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ دَعَا ثُمَّ دَعَا، ثُمَّ قَالَ يَا عَائِشَةُ: " أَشَعَرْتِ أَنَّ اللَّهَ أَفْتَانِي فِيمَا اسْتَفْتَيْتُهُ فِيهِ؟ "، جَاءَنِي رَجُلَانِ، فَقَعَدَ أَحَدُهُمَا عِنْدَ رَأْسِي وَالْآخَرُ عِنْدَ رِجْلَيَّ، فَقَالَ: الَّذِي عِنْدَ رَأْسِي لِلَّذِي عِنْدَ رِجْلَيَّ أَوِ الَّذِي عِنْدَ رِجْلَيَّ لِلَّذِي عِنْدَ رَأْسِي مَا وَجَعُ الرَّجُلِ، قَالَ: مَطْبُوبٌ، قَالَ: مَنْ طَبَّهُ؟، قَالَ: لَبِيدُ بْنُ الْأَعْصَمِ، قَالَ: فِي أَيِّ شَيْءٍ؟، قَالَ: فِي مُشْطٍ وَمُشَاطَةٍ، قَالَ: وَجُفِّ طَلْعَةِ ذَكَرٍ، قَالَ: فَأَيْنَ هُوَ؟، قَالَ: فِي بِئْرِ ذِي أَرْوَانَ، قَالَتْ: فَأَتَاهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أُنَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، ثُمَّ قَالَ يَا عَائِشَةُ: " وَاللَّهِ لَكَأَنَّ مَاءَهَا نُقَاعَةُ الْحِنَّاءِ، وَلَكَأَنَّ نَخْلَهَا رُءُوسُ الشَّيَاطِينِ "، قَالَتْ: فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَفَلَا أَحْرَقْتَهُ؟، قَالَ: " لَا، أَمَّا أَنَا فَقَدْ عَافَانِي اللَّهُ، وَكَرِهْتُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى النَّاسِ شَرًّا، فَأَمَرْتُ بِهَا فَدُفِنَتْ "

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بنی زریق کے ایک یہودی نے جادو کیا جس کو لبید بن اعصم کہتے تھے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال آتا کہ میں یہ کام کر رہا ہوں اور نہ کرتے ہوتے وہ کام۔ ایک دن یا ایک رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی، پھر دعا کی، پھر دعا کی، پھر فرمایا: "عائشہ! تجھ کو معلوم ہوا اللہ جل جلالہ نے مجھ کو بتلا دیا جو میں نے اس سے پوچھا۔ میرے پاس دو آدمی آئے ایک میرے سر کے پاس بیٹھا۔ اور دوسرا پاؤں کے پاس (وہ دونوں فرشتے تھے) جو سر کے پاس بیٹھا تھا، اس نے دوسرے سے کہا: اس شخص کو کیا بیماری ہے؟ وہ بولا: اس پر جادو ہوا ہے؟ اس نے کہا کس نے جادو کیا ہے؟ وہ بولا: لبید بن اعصم نے۔ پھر اس نے کہا: کس چیز میں جادو کیا ہے۔ وہ بولا، کنگھی میں اور ان کے بالوں میں جو کنگھی سے جھڑے اور نر کھجور کے غلاف میں، اس نے کہا: یہ کہاں رکھا ہے؟ وہ بولا ذی اروان کے کنوئیں میں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند اصحاب کے ساتھ اس کنوئیں پر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "عائشہ! اللہ کی قسم اس کنوئیں کا پانی ایسا تھا جیسے مہندی کا زلال اور وہاں کے درخت کھجور کے ایسے تھے جیسے شیطانوں کے سر۔" میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے اس کو جلا کیوں نہیں دیا (یعنی وہ جو بال وغیرہ نکلے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھ کو تو اللہ نے اچھا کر دیا اب مجھے برا معلوم ہوا لوگوں میں فساد بھڑکانا۔ میں نے جو حکم دیا وہ گاڑ دیا گیا۔"

بعض عقل پرست اس واقعے کا انکار کرتے ہیں یہ دعویٰ کرتے ہوئے کہ یہ آپ ﷺ کی عصمت کے خلاف ہے، جبکہ

یہ آپ ﷺ کی عصمت پر بہت بڑی دلیل ہے، کیونکہ اللہ نے آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے اس جادو کے بارے میں خبر دی کہ اس جادو کو کس نے کیا، کہاں کیا گیا اور کیسے اسے رکھا گیا، اور پھر آپ ﷺ اس سے شفا ملی اور جادو باطل ہوا، یہ سب آپ ﷺ کی عصمت پر دلالت کرتا ہے، اور یہ کسی صورت میں آپ کی عصمت سے متعارض نہیں ہے۔

پھر ان پر بطور رد کے یہ کہا جائے گا کہ آپ ﷺ کے ساتھ اس جادو کا بھی اثر ہوا اور آپ کو جو بھی خیال آتا تھا ان سب کا تعلق دنیوی تصرفات سے تھا، جیسے کہ اپنی بیوی کے پاس آنا، اسکا وحی اور شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس کا اثر آپ کی رسالت میں نہیں ہوا تھا۔

چنانچہ یہ مانا جائے گا کہ آپ ﷺ پر جادو کیا گیا، اور اس میں کوئی بعید نہیں ہے، کیونکہ آپ ﷺ ایک بشر تھے، اور آپ کو وہی ساری چیزیں لاحق ہوسکتی ہیں جو ایک بشر کو لاحق ہوتی ہیں، سوائے ان امور میں جن کا تعلق وحی و رسالت سے ہے، اسلئے کہ یہ سب انسانی اختیار میں نہیں ہے، اسکے علاوہ باقی دنیوی امور میں ممکن ہے، اور ماضی میں ایسا ہوا کہ بعض انبیاء کو قتل کر دیا گیا، جیسے یحی اور زکریا علیہما السلام، اور عیسی علیہ السلام کو قتل نہیں کیا گیا اور نہ ہی سولی دی گئی ہے بلکہ آسمان پر اٹھا لیا گیا ہے،، بلکہ اگر دیکھیں تو نبی اکرم ﷺ شہید ہو کر فوت ہوئے ہیں کیونکہ جس زینب بنت حارث یہودیہ عورت نے آپ ﷺ کو زہر دیا تھا اسی کے اثر سے آپ ﷺ کی وفات ہوئی ہے، اور یہ بھی عصمت سے متعارض نہیں ہے، کیونکہ اس کا بھی تعلق وحی و رسالت سے نہیں ہے۔

پھر مصنف رحمہ اللہ نے لفظ جلالہ کے ذریعے استعاذہ کی اہمیت بیان کی، اور یہ استعاذہ یعنی (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) بہت سارے مناسبات میں ہمارے لئے مشروع ہے:

* قرآن پاک کی تلاوت کے وقت: ارشاد باری تعالی ہے: {فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ} ترجمہ: پس جب تو قرآن پڑھے تو مردود شیطان سے اللہ کی پناہ طلب کر۔

* شیطان کی طرف سے کچوکے لگائے جانے پر: ارشاد باری ہے: {وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ} ترجمہ: اور اگر کبھی شیطان کی طرف سے کوئی اکساہٹ تجھے ابھار ہی دے تو اللہ کی پناہ طلب کر، بلاشبہ وہی سب کچھ سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

* غصے کے وقت: ایک آدمی کا چہرہ غصے سے لال پیلا ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس کے بارے میں کہا کہ اگر وہ یہ پڑھ لیتا تو اسکا غصہ ٹھنڈا ہو جاتا جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ صُرَدٍ، قَالَ: " اسْتَبَّ رَجُلَانِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَعَلَ أَحَدُهُمَا

تَحْمَرُّ عَيْنَاهُ وَتَنْتَفِخُ أَوْدَاجُهُ. قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَأَعْرِفُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ الَّذِي يَجِدُ: أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. فَقَالَ الرَّجُلُ: وَهَلْ تَرَى بِي مِنْ جُنُونٍ؟ قَالَ ابْنُ الْعَلَاءِ: فَقَالَ: وَهَلْ تَرَى، وَلَمْ يَذْكُرِ الرَّجُلَ.

ترجمہ: سیدنا سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، دو شخصوں نے گالی گلوچ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے، ایک کی آنکھیں لال ہوگئیں اور گلے کی رگیں پھول گئیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مجھ کو ایک کلمہ معلوم ہے اگر یہ اس کو کہے تو اس کا غصہ جاتا رہے۔ وہ کلمہ یہ ہے: (أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ)، وہ شخص یہ سن کر بولا: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں دیوانہ ہوں؟ (حقیقت میں دیوانہ تھا جب تو نیک بات نہ سنی۔ نووی رحمہ اللہ نے کہا: شاید وہ منافق ہوگا یا بیوقوف سخت گنوار ہوگا وہ یہی سمجھا کہ (أَعُوذُ بِاللَّهِ) صرف جنون ہی کا علاج ہے۔)۔

* اسی طرح اس وقت بھی پڑھا جائے گا جب آدمی کوئی پراگندہ اور مکروہ خواب دیکھے جیسا کہ اسکا طریقہ ایک حدیث میں بیان ہوا ہے:

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ: " الرُّؤْيَا مِنَ اللَّهِ، وَالْحُلْمُ مِنَ الشَّيْطَانِ، فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَنْفُثْ عَنْ يَسَارِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَلْيَسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنْ شَرِّهَا فَإِنَّهَا لَا تَضُرُّهُ ".

ترجمہ: سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اچھے خواب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں، اور برے خواب شیطان کی طرف سے، لہٰذا جب تم میں سے کوئی ناپسندیدہ خواب دیکھے تو تین بار اپنے بائیں طرف تھوکے اور اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگے، ایسا کرنے پر وہ اسے نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے"۔

اسی لئے ہمیں حکم ہے کہ ہم شیاطین سے اللہ کی پناہ مانگیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: {وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ [97] وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ} ترجمہ: اور تو کہہ اے میرے رب! میں شیطانوں کی اکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ [97] اور اے میرے رب! میں اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آموجود ہوں۔

اور اس طرح سے اس باب میں اور بہت سی آیتیں اور حدیثیں وارد ہیں۔

❁❁❁

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والذين أشركوا به تعالى في الربوبيّة منهم من أثبت معه خالقًا آخر، وإن لم يقولوا: إنه إله مكافئ له، وهم المشركون ومن ضاهاهم من القدريّة.

وربوبيّته سبحانه للعالم الربوبيّة الكاملة المطلقة الشاملة تبطل أقوالهم، لأنها تقتضي ربوبيّته لجميع ما فيه من الذوات والصفات والحركات والأفعال.

وحقيقة قول القدرية المجوسية: أنه تعالى ليس ربا لأفعال الحيوان ولا تتناولها ربوبيّته، إذ كيف يتناول ما لا يدخل تحت قدرته ومشيئته وخلقه.

ترجمہ: اور جن لوگوں نے ربوبیت کے ساتھ شرک کیا، ان میں کچھ ایسے ہیں جو اللہ کے ساتھ دوسرے خالق کو مانتے ہیں، گرچہ وہ یہ نہ کہیں کہ وہ اللہ کے مقابلے ایک ہمسر معبود ہے، وہ مشرکین میں سے ہیں اور جن کا تعلق قدریہ سے ہے۔

اور اس کائنات کیلئے اللہ تعالی کی ربوبیت کامل ہے، مطلق اور شامل ہے، جس سے ان کے اقوال کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ اللہ کی ربوبیت اس کائنات میں جتنی بھی چیزیں ہیں ذات، صفات، حرکات اور افعال ہر اعتبار سے سب کو شامل ہے۔

اور مجوسی قدریہ کے قول کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ حیوانوں کے افعال کا رب نہیں ہے اور نہ ہی انہیں اللہ کی ربوبیت شامل ہے، آخر ایسے امور کو شامل کیسے ہوسکتا ہے جو اسکی قدرت، مشیئت اور اسکی تخلیق کے ماتحت نہ ہوں۔

الشرح:

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ تقدیر کے ایک مسئلے پر گفتگو کر رہے ہیں، اور وہ یہ کہ مشرکین میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے ساتھ ایک معبود کو شریک کرتے ہیں، اور کچھ ایسے ہیں جو ایک خالق کو شریک کرتے ہیں، جن کا یہ گمان ہے کہ وہ بھی اللہ کی طرح تخلیق کرتا ہے، اور یہ قدریہ ہیں، اور ان سے پہلے مجوس ایسا عقیدہ رکھتے تھے، جیسا کہ مصنف رحمہ اللہ کے کلام میں اشارہ موجود ہے، اسلئے کہ مجوس نے دو خالق کو ثابت کیا ہے: ایک نور کا اور دوسرا تاریکی کا، اور انہوں نے یہ گمان کیا کہ یہی دونوں ان کے اور اللہ کے درمیان واسطہ ہیں، اور قدریہ بھی مجوس کے مشابہ ہیں کہ انہوں نے بھی دو خالق کو ثابت کیا ہے اسی لئے انہیں اس امت کا مجوس کہا گیا ہے، جیسا کہ موقوف حدیث سے یہ ثابت ہے، مرفوع حدیثیں بھی ہیں مگر ان میں کلام ہے، البتہ موقوف حدیث کئی صحابہ سے ثابت ہے، جو مرفوع سے قریب تر ہے؛ اسلئے کہ اسکا تعلق ان امور سے ہے جن میں اجتہاد ممکن نہیں، یعنی قدریہ اس امت کے مجوس ہیں۔

انہیں مجوس کہا گیا کیونکہ یہ عقیدے میں مجوسیوں کے مشابہ ہیں؛ اسلئے کہ مجوس نے دو خالق کو ثابت کیا ہے اسی طرح قدریہ نے بھی دو خالق کو ثابت کیا ہے بایں طور کہ بندوں کے افعال سے اللہ کی قدرت کو سلب کر دیا اور کہا کہ بندے خود اپنے افعال کے خالق ہیں، اس طرح انہوں نے دو خالق کو ثابت کیا ایک اللہ اور دوسرا بندہ، حالانکہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا:
{وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ} ترجمہ: حالانکہ اللہ ہی نے تمھیں پیدا کیا اور اسے بھی جو تم کرتے ہو۔

یہ مخلوق میں سب سے برے ہیں، ان میں کچھ ایسے ہیں جو مطلق علم کا انکار کرتے ہیں، اور کچھ ایسے ہیں جو قدرت کا انکار کرتے ہیں، اور کچھ ایسے ہیں جو چیزوں کے واقع ہونے سے پہلے کے علم کا انکار کرتے ہیں، اس طرح ان کے اندر انکار کے درجات ہیں، اور سب کے سب گمراہ ہیں، اور سب منحرف ہیں۔

اور اہل سنت والجماعہ کا جو مذہب ہے وہ یہ کہ اللہ بندوں کا خالق ہے اور ان کے افعال کا بھی خالق ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ} ترجمہ: اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی ایک ہے، نہایت زبردست ہے۔ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ} ترجمہ: اللہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ} ترجمہ: حالانکہ اللہ ہی نے تمھیں پیدا کیا اور اسے بھی جو تم کرتے ہو۔

پتہ چلا کہ اللہ بندوں کا بھی خالق ہے اور ان کے افعال کا بھی خالق ہے، وہی ہر خیر وشر کو مقدر کرتا ہے، کیونکہ:

پہلا درجہ: علم: وہ انہیں جانتا ہے، ازل سے اور جو کچھ ہو رہا ہے، اور جو کچھ نہیں تھا کہ اگر وہ ہوتا تو کیسے ہوتا۔

دوسرادرجہ: تقدیر: ان سب کو اس نے ازل سے ہی مقدر کر رکھا ہے۔

تیسرا درجہ: کتابت: ان سب کو اس نے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔

چوتھا درجہ: مشیئت: اللہ نے جیسا چاہا انہیں اسی طرح مقدر کیا ہے، اور اس نے چاہا کہ وہ ایک معین وقت میں واقع ہوں۔

ان درجات کی جانکاری ضروری ہے: یعنی علم وکتابت اور مشیئت وخلق، چیزوں کا علم ان کے وقوع ہونے سے قبل ہی، پھر انہیں مقدر کرنا، اور آسمان وزمین کی پیدائش سے پچاس ہزار سال قبل ہی نہیں روَلوح محفوظ میں لکھ لینا، پھر اور اس نے چاہا کہ وہ ایک معین وقت میں واقع ہوں، چنانچہ پھر انہیں پیدا کیا جس طرح اس نے مقدر کیا تھا۔

بہر حال یہاں پر ضروری یہی ہے کہ ہم تقدیر کے مراتب اور اسکے درجات کی جانکاری رکھیں۔

اور قدریہ جو اس باب میں بھٹک گئے ہیں اس کی وجہ یہ ہیکہ انہوں نے خلق اور امر کے درمیان خلط ملط کر دیا ہے، یعنی انہوں نے خلق اور امر کے درمیان تفریق نہیں کی ہے۔

چنانچہ منکر تقدیر قدریہ کہتے ہیں: اللہ نے بندوں کے افعال کو مقدر نہیں کیا ہے، اور نہ ہی اس نے خیر وشر کی تخلیق کی ہے، نہ ہی انہیں مقدر کیا ہے، اور نہ ہی انہیں پیدا کیا ہے، بندے ہی اپنے افعال کے خالق ہیں، کچھ تو علم تک کا انکار کرتے ہیں، اور کچھ کہتے ہیں کہ جب چیزیں واقع ہو جاتی ہیں تو اللہ جانتا ہے، اللہ ان سب کے بکواس سے بری اور بالاتر ہے۔

اور جبری قدریہ انکے برعکس ہیں جنہوں نے خلق ہی کو امر سمجھ لیا ہے، چنانچہ انہوں نے ہر اس چیز کو جسے اللہ نے مقدر کیا اور پیدا کیا اسے مامور بہ سمجھ لیا ہے، یعنی انہوں نے یہ عقیدہ بنالیا کہ اللہ نے شر کا بھی حکم دیا ہے۔

اہل سنت والجماعہ کہتے ہیں: اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے، مگر کچھ چیزیں ایسی ہیں جنہیں اللہ نے تو پیدا کیا ہے مگر ان کا حکم نہیں دیا ہے، بلکہ ان سے روکا ہے اور آگاہ کیا ہے، اور وہ معاصی ہیں، شرک اور اس طرح کی دوسری چیزیں ہیں، کیونکہ اللہ ان سے راضی نہیں ہے اور نہ ہی یہ عند اللہ محبوب ہیں، اسی لئے اللہ نے انکا حکم نہیں دیا ہے مگر یہ ایمان لانا ضروری ہے کہ اللہ ہی نے انہیں پیدا کیا ہے اور انہیں مقدر کیا ہے۔

یہیں پر ارادہ کی دو قسمیں کی گئی ہیں:

* ارادہ کونیہ قدریہ: یہ وہ ارادہ ہے جو خلق اور مشیئت عامہ کو شامل ہے، یعنی اللہ جو چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔

* ارادہ دینیہ شرعیہ امریہ: یہ وہ ارادہ ہے جس کا اس نے حکم دیا ہے اور جسے اس نے پسند کیا اور اس سے راضی ہے۔

مگر منکرین تقدیر قدریہ نے ہر چیز کی نفی کر دی اور کہا: اللہ نے بندوں کے افعال کو مقدر نہیں کیا ہے، اس طرح انہوں نے خلق اور امر دونوں کا ایک ساتھ انکار کر دیا۔

اور جبری قدریہ نے خلق کو بعینہ امر بنا دیا، یعنی انہوں نے اللہ کی ہر مخلوق کو اسکا محبوب بنا دیا کہ وہ اس سے راضی ہے، اس طرح انہوں نے دونوں کے درمیان خلط ملط کر دیا۔

اسی لئے قدریہ کی پہلی قسم کو اس امت کا مجوس کہا گیا، اور یہ مخلوق میں سب سے برے ہیں؛ اسلئے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ ایک اور خالق بنالیا، بایں طور کہ انہوں نے بندے کی طرف یہ منسوب کر دیا کہ اسی نے اپنے فعل کو پیدا کیا ہے اور اسے وجود بخشا ہے، اسی وجہ سے انہیں مجوس کہا گیا کیونکہ انہوں نے اپنے اس عقیدے سے دو خالق کو ثابت کر دیا۔

❁❁❁

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وشرك الأمم كله نوعان: شرك في الإلهيّة، وشرك في الربوبيّة

فالشرك في الإلهيّة والعبادة: هو الغالب على أهل الإشراك، وهو شرك عبّاد الأصنام، وعبّاد الملائكة، وعبّاد الجنّ، وعبّاد المشايخ والصالحين الأحياء والأموات، الذين قالوا: {مَا نَعْبُدُهُمْ إِلاّ لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى}، ويشفعوا لنا عنده، وينالنا بسبب قربهم من الله وكرامته لهم قرب وكرامة، كما هو المعهود في الدنيا من حصول الكرامة والزلفى لمن يخدم أعوان الملك وأقاربه وخاصته.

والكتب الإلهيّة كلها من أولها إلى آخرها تبطل هذا المذهب وتردّه، وتقبّح أهله، وتنص على أنهم أعداء الله - تعالى -. وجميع الرسل - صلوات الله عليهم - متفقون على ذلك، من أولهم إلى آخرهم، وما أهلك الله - تعالى - "من أهلك" من الأمم إلاّ بسبب هذا الشرك، ومن أجله.

وأصله: الشرك في محبّة الله، قال تعالى: {يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبّاً لِلَّهِ}. فأخبر سبحانه وتعالى أنه من أحبّ مع الله شيئًا غيره كما يحبّه فقد اتّخذ ندًّا من دونه. وهذا على أصح القولين في الآية: أنهم يحبونهم كما يحبون الله، وهذا هو العدل المذكور في قوله تعالى: {ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ}. والمعنى على أصح القولين: أنهم يعدلون به غيره في العبادة، فيسوون بينه وبين غيره في الحبّ والعبادة.

ترجمہ: تمام قوموں کی شرک کی دو قسمیں ہیں: ایک شرک الوہیت اور دوسرے شرک ربوبیت۔

شرک الوہیت ہی اکثر مشرکوں کے یہاں پایا گیا ہے، اور یہ بت پرستوں کی شرک ہے، اسی طرح ان سارے لوگوں کی شرک ہے جو فرشتوں، جنوں اور اولیاء وصالین ومشائخ کی پرستش کرتے ہیں خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ جو کہتے ہیں: (ہم ان کی عبادت اسلئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں۔ اور اسکے پاس ہماری شفاعت کردیں، اور عند اللہ انکی قربت وکرامت کی وجہ سے ہمیں بھی اللہ کا قرب نصیب ہوجائے، جس طرح کہ دنیا کے اندر بادشاہوں کے دربار میں خدمت گزاروں کے تعلق سے معروف ہے کہ ان کے وسیلے سے بادشاہ کی قربت حاصل کی جاتی ہے۔

اور تمام آسمانی کتابیں شروع سے آخر تک اس مذہب کو باطل کرتی ہیں اور اسے رد کرتی ہیں، نیز اہل شرک کو برا کہتی ہیں اور یہ صراحت کرتی ہیں کہ یہ اللہ کے دشمن ہیں، اور تمام رسول شروع سے آخر تک اس بات پر متفق ہیں، اور اللہ نے جتنی بھی قوموں کو ہلاک کیا ہے انہیں اسی شرک کی وجہ سے ہلاک کیا ہے۔

اور اصل شرک اللہ کی محبت میں ہے، ارشاد باری ہے: (اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو غیر اللہ میں سے کچھ شریک بنالیتے ہیں، وہ ان سے اللہ کی محبت جیسی محبت کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان لائے، اللہ سے محبت میں کہیں زیادہ ہیں)، یہاں پر اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ جو اللہ کے ساتھ دوسرے سے محبت کرتا ہے جیسا کہ اس سے محبت کرتا ہے تو گویا اس نے اللہ کا اسے ہمسر بنالیا، اور یہ دو قول میں سے ایک زیادہ راجح قول ہے کہ وہ لوگ ان سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے محبت کرتے ہیں، اور اسی عدل اور برابری کا ذکر اس آیت میں ہے: (پھر جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر ٹھہراتے ہیں)، اور یہاں بھی راجح قول یہی ہے کہ وہ عبادت میں دوسروں کو اللہ کے برابر ٹھہراتے ہیں، یعنی محبت اور عبادت میں غیر اللہ کو اللہ کے برابر کرتے ہیں۔

الشرح:

شرک ربوبیت اور شرک الوہیت کی تقسیم دراصل وہ شرک ہے جو پچھلی قوموں میں واقع ہوا ہے، اور شرک الوہیت سب سے زیادہ واقع ہوا ہے، اور اسکی بہت سی مثالیں گزر چکی ہیں، اور یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے اسکی کئی مثالیں بیان کی ہیں جیسے بتوں کی پرستش، خواہ وہ انسان یا کسی دوسری شکل پر تراشیدہ ہوں، فرشتوں کی پرستش، کواکب کی پرستش جیسا کہ صابئہ کرتے تھے، جنوں کی پرستش، اسی طرح قبوں اور قبروں کی پرستش، اور اسی طرح مشائخ اور ولیوں کی پرستش جیسا کہ موجودہ دور میں یہی غالب ہے۔

یہ شرک بہت ہی سنگین مسئلہ ہے اسی وجہ سے اللہ نے کتابوں کو اتارا اور رسولوں کو مبعوث کیا، اور اسی وجہ سے انبیاء اور قوموں کے درمیان جھگڑے ہوئے، اور یہی شرک محبت ہے اسی لئے اللہ نے فرمایا ہے: (یحبونهم كحب الله): وہ ان سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرتے ہیں۔ اور اسکا ایک دوسرا معنی یہ ہیکہ وہ اپنے معبودوں سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی محبت مومنین اللہ سے کرتے ہیں۔ اور شاید پہلا معنی زیادہ راجح ہے جیسا کہ مصنف نے اس جانب اشارہ بھی کیا ہے، جبکہ دونوں معنی تفسیر کی کتابوں میں وارد ہیں، اور دونوں میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے، کیونکہ دونوں صورتوں میں وہ اپنے معبودوں سے ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے ہونی چاہئے، یعنی وہ ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کرتے ہیں، یا ویسی ہی محبت کرتے ہیں جیسی محبت مومنین اللہ سے کرتے ہیں، بلکہ مومنین ان سے زیادہ ہی محبت کرتے ہیں جیسا کہ فرمایا: (والذين آمنوا أشد حباً لله): یعنی مومنین اللہ سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح کافر اپنے معبودوں سے یا اللہ سے محبت کرتے ہیں اسکے مقابلے میں مومنین اللہ سے زیادہ محبت کرتے ہیں؛ اسلئے کہ انکی محبت انکے مختلف معبودوں میں بٹ جاتی ہے اور اس طرح اللہ سے انکی محبت خالص نہیں رہتی، بلکہ اس میں شرک پایا جاتا ہے، اور یہ شرک کی سب سے بڑی قسم ہے، اسلئے کہ وہ محبت جس کے اندر خوف ورجاء اور تعظیم پائی جاتی ہے وہ صرف اللہ ہی کیلئے جائز ہے، اب اگر اسے کسی دوسرے کی طرف پھیرتا ہے تو یہ کفر اور شرک ہوگا۔

اور بلاشبہ آج جو لوگ قبر پرستی اور اولیاء پرستی میں مبتلا ہیں اور اللہ کے ساتھ ان سے بھی دل جوڑے ہوئے ہیں وہ اسی قبیل سے ہے، اس لئے آج اس ملک کے سوا کوئی ایسا ملک نہیں پاؤ گے جہاں ایسی کوئی قبر نہ ہو جس کی پرستش نہ کی جاتی ہو، اسکا طواف نہ کیا جاتا ہو، وہاں نذرونیاز نہ چڑھایا جاتا ہو، وہاں ذبیحے نہ ذبح کئے جاتے ہوں، اور وہاں پر صندوق نہ رکھے ہوئے

ہوں جہاں مجاور رہا کرتے ہیں، وہاں پر خوشبو نہ سلگایا جاتا ہو، اور صاحب قبر کو پکارا نہ جاتا ہو، اس سے وسیلہ نہ طلب کیا جاتا ہو، اور کہا جاتا ہو: اے فلاں! میری مدد کر، یہاں تک کہ ان لوگوں نے یہ حدیث بھی گڑھ ڈالی: (إذا أعيتكم الأمور فعليكم بأصحاب القبور): جب تمہارے معاملات سخت ہوجائیں تو قبر والوں کے پاس جاؤ۔

اور انہیں میں سے کسی نے کہا کہ اگر میں اپنی راز دریا میں ڈال دوں تو وہ ریت میں بدل جائے اور اگر مردے پر ڈال دوں تو وہ زندہ ہوجائے۔ اور اسی طرح ان کے بہت سے خرافات اور شرکیات ہیں جو پچھلی قوموں سے بھی زیادہ سخت اور خطرناک ہیں۔

مگر یہ لوگ یہ کھوکھلی بات کہتے رہتے ہیں کہ یہ شرک نہیں ہے جسے تم شرک سمجھتے ہو بلکہ یہ وسیلہ اور تقرب الٰہی ہے، یہاں شرک مقصود نہیں ہے، لیکن اگر آپ ان لوگوں سے پوچھو گے جو قبروں کا طواف کرتے ہیں اور ان کیلئے نذر و نیاز چڑھاتے ہیں کہ تم کس کی پرستش کرتے ہو؟ تو وہ یہ ضرور کہیں گے کہ ہم اللہ کی پرستش کرتے ہیں، اور وہ بھی یہ کہیں گے کہ شرک تو کب کا ختم ہو چکا ہے، اور انہیں کیا معلوم کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے جیسا کہ سنن ترمذی میں وارد ہے:

عَنْ ثَوْبَانَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَلْحَقَ قَبَائِلُ مِنْ أُمَّتِي بِالْمُشْرِكِينَ، وَحَتَّى يَعْبُدُوا الْأَوْثَانَ، وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي أُمَّتِي ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ، وَأَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي ".

ترجمہ: سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی یہاں تک کہ میری امت کے کچھ قبیلے مشرکین سے مل جائیں، اور بتوں کی پرستش کریں، اور میری امت میں عنقریب تیس جھوٹے (دعویدار) نکلیں گے، ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے، حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی (دوسرا) نبی نہیں ہوگا"۔

اور مسند احمد کے وارد ہوا ہے: (كَأَنِّي بِنِسَاءِ بَنِي فِهْرٍ يَطُفْنَ بِالْخَزْرَجِ تَصْطَكُّ أَلْيَاتُهُنَّ مُشْرِكَاتٍ)
ترجمہ: میں اس وقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں جب بنو فہر کی مشرک عورتیں خزرج کے لوگوں سے طواف کریں گی اور ان کی سرین حرکت کرتے ہوں گے۔

اس حدیث کے اندر یہ اشارہ ہے کہ ایک وقت آئے گا کہ ذوالخلصہ نامی بت کے پاس لوگوں کی بھیڑ لگ جائے گی، اور یہ بت زہران کے علاقے میں قبیلہ دوس کے اندر پچاس ساٹھ سال پہلے موجود تھا جہاں قبیلہ دوس کی عورتیں اسکی پرستش کر رہی تھیں جیسے اسکی پرستش زمانہ جاہلیت میں ہوتی تھی، مگر ملک عبدالعزیز کے زمانے میں اسے گرا دیا گیا، جسکی ایک لمبی

مدت سے پرستش ہو رہی تھی، مگر اسکے بعد اب لوگ صرف اللہ کی پوجا کرنے لگے، پھر نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں اسکا خاتمہ ہوگیا، پھر کچھ مدت کے بعد پھر دوبارہ لوگ اسکی پرستش کرنا شروع کر دی، اور وہاں دوس کی عورتیں جا کر بھیڑ لگانے لگیں، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے اس کی پیشین گوئی فرمائی تھی۔

اس لئے جو کہتے ہیں کہ اس امت میں ابھی شرک نہیں ہوا ہے اور یہ جو کر رہے ہیں وہ شرک نہیں ہے، ان سے ہم کہیں گے کہ یہ تمہارا قبروں کی پرستش پہلے کے مشرکوں سے بڑا شرک ہے، کیونکہ وہ لوگ ان بتوں کے پاس خوشحالی کے وقت میں جاتے تھے، اور سخت مصیبت کے وقت صرف اللہ کو پکارتے تھے، مگر یہ لوگ خوشی ومصیبت ہر حال میں ان قبروں کے پاس جاتے ہیں بلکہ سخت مصیبتوں میں بھی انہیں مردوں کے پاس جاتے ہیں اور ان سے اپنی ضرورتیں مانگتے ہیں اور مصیبت سے چھٹکارا پانے کی درخواست کرتے ہیں، حتی کہ اولاد بھی ان سے مانگتے ہیں۔

اللہ کی قسم! ہم نے بہت سارے ملکوں میں اپنی کانوں سے سنا ہے جو قبروں پر جا کر اولاد مانگتے ہیں، وہاں استغاثہ کرتے ہیں، شفاعت طلب کرتے ہیں، روزی تک مانگتے ہیں، اور یہ ساری امت کو خبر ہے، علماء و دعاۃ سب جانتے ہیں مگر یہ تو انہیں عوام سے خوف ہے یا پھر وہ انکی چاپلوسی میں خاموش رہتے ہیں۔

اور تعجب ان پر ہوتا ہے جو دعوت کے میدان میں ہیں اور وہاں جا کر بھی لوگوں کو دین خالص کی طرف دعوت نہیں دیتے، بلکہ انہیں سیاست کی طرف بلاتے ہیں، اقتصاد میں اصلاح کی بات کرتے ہیں، مگر توحید میں اصلاح کی بات نہیں کرتے، اس ملک کے سوا تقریبا ہر ملک میں قبروں پر طواف ہوتا ہے، کوئی ایسا مزار نہیں ہوگا جس پر قبہ نہ ہو، جسکی قسم نہ کھائی جاتی ہو، جسے متبرک نہ مانا جاتا ہو، بلکہ بعض قبریں تو ایسی ہیں جنکا سجدہ ہوتا ہے، قبروں پر رکوع کیا جاتا ہے، بلکہ کہیں کہیں قبر والے کی تعظیم میں جھکا جاتا ہے اور اسکے لئے رکوع اور سجدہ کیا جاتا ہے، اور صوفیوں کے یہاں تو زندہ شیوخ کے ساتھ یہ سب کیا جاتا ہے۔

اور یہی وہ شرک ہے جو واقع ہو چکا ہے جیسا کہ اللہ کے رسول نے خبر دی ہے، بلکہ پہلے کے مقابلے زیادہ سخت حالت میں واقع ہوا ہے، اللہ ہی سیدھے راستے کی طرف ہدایت دینے والا ہے۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وكذلك قول المشركين فى النار لأصنامهم: {تَاللَّهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ إِذْ نُسَوِّيكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ}، ومعلوم قطعًا أن هذه التسوية لم تكن بينهم وبين الله فى كونه ربّهم وخالقهم، فإنهم كانوا كما أخبر الله عنهم مقرّين بأن الله - تعالى - وحده هو ربّهم وخالقهم، وأن الأرض ومن فيها لله وحده، وأنه ربّ السّموات السّبع وربّ العرش العظيم، وأنه سبحانه وتعالى هو الذى بيده ملكوت كل شيء، وهو يجير ولا يجار عليه۔

وإنما كانت هذه التسوية بينهم وبين الله - تعالى - فى المحبّة والعبادة، فمن أحبّ غير الله - تعالى - وخافه ورجاه، وذلّ له كما يحبّ الله - تعالى - ويخافه ويرجوه؛ فهذا هو الشرك الذى لا يغفره الله، فكيف بمن كان غير الله آثر عنده وأحبّ إليه، وأخوف عنده، وهو فى مرضاته أشد سعيًا منه فى مرضاة الله؟. فإذا كان المسوّى بين الله وبين غيره فى ذلك مشركًا، فما الظن بهذا؟، فعياذًا بالله من أن ينسلخ القلب من التّوحيد والإسلام كانسلاخ الحيّة من قشرها، وهو يظن أنه مسلم موحّد، فهذا أحد أنواع الشرك.

ترجمہ: اسی طرح مشرکین دوزخ میں اپنے بتوں سے کہیں گے: (اللہ کی قسم! بے شک ہم یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔ [97] جب ہم تمھیں جہانوں کے رب کے برابر ٹھہراتے تھے)، اور قطعی طور پر یہ معلوم ہے کہ وہ اللہ رب العالمین اور اپنے دیگر معبودوں کے درمیان برابری خالق اور رب ہونے کے اعتبار

سے نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ یہ اقرار کرتے تھے کہ اللہ ہی تنہا انکا خالق اور رب ہے، زمین وآسمان ہر جگہ اللہ ہی ہے، اور وہی آسمانوں اور عرش عظیم کا رب ہے، اور اسی کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے، ارشاد باری ہے: (اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں پناہ نہیں دی جاتی)۔

یہ برابری دراصل اللہ اور انکے معبودوں کے درمیان محبت اور عبادت میں تھی۔ چنانچہ جو غیر اللہ سے محبت کرے گا، اس سے خوف کرے گا، اس سے امید لگائے گا اسی طرح جس طرح وہ اللہ سے محبت کرتا ہے، اس سے ڈرتا ہے اور امید لگاتا ہے، تو یہی وہ شرک ہے جسے اللہ معاف نہیں کرے گا، پھر اس کا کیا حال ہوگا جس کے نزدیک غیر اللہ زیادہ محبوب ہو جائے، اللہ کے مقابلے اس سے وہ زیادہ ڈرنے لگے اور اسی سے زیادہ امیدیں لگانے لگے؟ چنانچہ جب برابری کی وجہ سے بندہ مشرک ہو جاتا ہے تو اسکا کیا حال ہوگا جو غیر اللہ سے زیادہ امید لگاتا ہے؟ اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ کہیں دل توحید و اسلام سے اسی طرح نکل نہ جائے جس طرح سانپ اپنی کینچلی سے نکل جاتا ہے، اس کے باوجود یہ سمجھتا ہے کہ یہ مسلمان اور موحد ہے۔ سو یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے۔

الشرح:

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ جس شرک کی وضاحت کر رہے ہیں وہ شرک الوہیت ہے، اور یہ شرک کی سب سے بڑی قسم ہے؛ اسلئے کہ اس میں ایک مشرک غیر اللہ کی تعظیم اللہ کے مقابلے زیادہ کرنے لگتا ہے، اسی لئے یہ واضح کیا گیا کہ یہ مشرکین رب العالمین کے ساتھ غیر اللہ کو برابر ٹھہراتے ہیں، ارشاد باری ہے: (تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ [97] إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ) ترجمہ: اللہ کی قسم! بے شک ہم یقیناً کھلی گمراہی میں تھے۔ [97] جب ہم تمھیں جہانوں کے رب کے برابر ٹھہراتے تھے۔

یہاں پر برابری کا سبب کیا ہے؟ کیا ان لوگوں نے غیر اللہ کو رب کہا؟ کیا ان لوگوں نے غیر اللہ کو اپنا خالق مانا؟ کیا ان لوگوں نے غیر اللہ کو اپنا رازق مانا؟ کیا ان لوگوں نے کہا کہ یہ زندگی اور موت کے مالک ہیں؟ جواب: نہیں، بلکہ ان

لوگوں نے انکے لئے جو بھی نذر و نیاز اور چڑھاوا چڑھایا، ذبیحہ کیا، ان سے استغاثہ و استعانہ کیا، ان سے امیدیں لگائیں، انکے لئے قربانیاں پیش کیں، انہیں پکارا اور ان کا وسیلہ پکڑا نیز ان سے شفاعت طلب کی۔

اور یہی سب سے بڑا شرک ہے جسے اللہ کبھی معاف نہیں کرے گا مگر یہ کہ توبہ کرے، اسلئے ہمیں دھوکے میں نہیں آنا چاہئے اور کہہ دینا چاہئے کہ یہ سب معمولی بات ہے، اسے شرک نہیں کہیں گے، انکی نیت اچھی ہے، سوال یہ ہیکہ اللہ نے پھر ان مشرکوں کو معذور کیوں نہ سمجھا جن کے بارے میں خود اللہ نے یہ خبر دی ہے: {وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى} ترجمہ: اور وہ لوگ جنہوں نے اس کے سوا اور حمایتی بنا رکھے ہیں (وہ کہتے ہیں) ہم ان کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لیے کہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، اچھی طرح قریب کرنا۔

آخر اللہ تعالی نے انہیں انکی حالت پر کیوں نہیں چھوڑ دیا اور ان کے پاس رسولوں کو کیوں بھیجا؟ کیونکہ وہ شرک میں مبتلا تھے، اور انہیں توحید پر لانے کی ضرورت تھی اور یہ کہ وہ سارے عبادت کے اعمال کو صرف اللہ کی طرف پھیر دیں، اگر ایسا نہیں کرتے تو وہ مشرک ہیں، ارشاد باری تعالی ہے: {وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ[5] وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ} ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ کے سوا انھیں پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک اس کی دعا قبول نہیں کریں گے اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں۔ [5] اور جب سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت سے منکر ہوں گے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والأدلة الدالة على أنه تعالى يجب أن يكون وحده هو المألوه يبطل هذا الشرك، ويدحض حجج أهله، وهي أكثر من أن يحيط بها إلاّ الله، بل كل ما خلقه الله - تعالى - فهو آية شاهدة بتوحيده، وكذلك كل ما أمر به، فخلقه وأمره، وما فطر عليه عباده وركبه فيهم من القوى؛ شاهد بأنه الله الذي لا إله إلاّ هو، وأن كل معبود سواه باطل، وأنه هو الحق المبين، تقدس وتعالى.

ووا عجبا كيف يعصى الإله ... أم كيف يجحده الجاحد

ولله في كل تحريكةٍ ... وتسكينةٍ أبدًا شاهد

وفي كل شيءٍ له آيةٌ ... تدل على أنه واحد

ترجمہ: وہ ساری دلیلیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ ہی کو تنہا معبود ہونا چاہئے اس سے یہ شرک اور اہل شرک کی دلیلیں باطل ہو جاتی ہیں، اور شرک کے خلاف اس قدر دلیلیں ہیں جن کا شمار بھی ممکن نہیں ہے، انہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے، بلکہ اللہ نے اس قدر نشانیاں پیدا کی ہیں کہ وہ سب اللہ کی وحدانیت پر شاہد ہیں، اسی طرح اللہ نے جتنی چیزوں کو پیدا کیا اور انہیں جو حکم دیا اور اپنے بندوں کے اندر جو قوتیں ودیعت کر رکھی ہیں وہ سب اس بات پر شاہد ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، اور اس کے سوا جسکی بھی پرستش ہوتی ہے وہ باطل ہے، صرف اللہ ہی عبادت کا مستحق ہے وہی حق ہے۔ شاعر کہتا ہے:

تعجب ہے! وہ کیسے اللہ کی نافرمانی کرتا ہے یا ایک منکر کیسے اسکا انکار کرتا ہے!

اللہ کیلئے تو ہر حرکت اور ہر سکون کے اندر شاہد موجود ہے۔

اور ہر چیز کے اندر اسکے لئے نشانی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ تنہا ہے۔

الشرح:

یہ دراصل اثبات اور دلیل ہے ان مذکورہ باتوں پر جن میں یہ کہا گیا کہ جب اللہ تعالی ہی نے تمام بڑی نشانیوں کو وجود بخشا ہے، اسی نے انسانوں کو، آسمان وزمین کو، پہاڑوں اور شجر وحجر کو، شمس وقمر کو اور دیگر تمام مخلوقات کو پیدا کیا ہے، بلکہ تمام ذرات کو پیدا کیا ہے تو یہ عظیم نشانی ہے اللہ کی وحدانیت پر، اسی لئے آخر میں چند ابیات پر اپنی بات ختم کی ہے اور آخر میں بطور استشہاد کے یہ شعر کہا:

وفي كل شيءٍ له آيةٌ ... تدل على أنه واحد

اور ہر چیز کے اندر اسکے لئے نشانی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ تنہا ہے

ارشاد باری تعالی ہے: {وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ} ترجمہ: اور آسمان ہی میں تمھارا رزق ہے اور وہ بھی جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو۔ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِلْمُوقِنِينَ[20] وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ[21] وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ} ترجمہ: اور زمین میں یقین کرنے والوں کے لیے کئی نشانیاں ہیں۔ [20] اور تمھارے نفسوں میں بھی، تو کیا تم نہیں دیکھتے؟ [21] اور آسمان ہی میں تمھارا رزق ہے اور وہ بھی جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ[17] وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ[18] وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ[19] وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ[20] فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ} ترجمہ: تو کیا وہ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ وہ کیسے پیدا کیے گئے۔ [17] اور آسمان کی طرف کہ وہ کیسے بلند کیا گیا۔ [18] اور پہاڑوں کی طرف کہ وہ کیسے نصب کیے گئے۔ [19] اور زمین کی طرف کہ وہ کیسے بچھائی گئی۔ [20] پس تو نصیحت کر، تو صرف نصیحت کرنے والا ہے۔

پتہ چلا کہ سارا کائنات اور اسکا ذرہ ذرہ اور اسکے حرکات وسکنات اللہ کی وحدانیت پر عظیم نشانی ہیں، اور یہ کہ وہی تنہا عبادت کا مستحق ہے، اسکے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والنوع الثانی من الشرك: الشرك به تعالى فی الربوبيّة، كشرك من جعل معه خالقا آخر، كالمجوس وغيرهم، الذين يقولون: بأن للعالم ربّين:

أحدهما خالق الخير، يقولون له بلسان الفارسيّة "يزدان".

والآخر: خالق الشر، ويقولون له بلسانهم: "أهرمن".

وكالفلاسفة ومن تبعهم الذين يقولون: بأنه لم يصدر عنه إلاّ واحد بسيط، وإن مصدر المخلوقات كلها عن العقول والنفوس، وإن مصدر هذا العالم عن العقل الفعّال هو ربّ كل ما تحته ومدبّره.

وهذا شرّ من شرك عبّاد الأصنام والمجوس والنّصارى، وهو أخبث شرك فی العالم، إذ يتضمن من التعطيل وجحد الإلهيّة والربوبيّة واستناد الخلق إلى غيره سبحانه وتعالى ما لم يتضمنه شرك أمة من الأمم.

ترجمہ: شرک کی دوسری قسم: شرک ربوبیت جیسے کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خالق ماننا مجوس وغیرہ کی طرح جو کہتے ہیں کہ اس کائنات کے دو رب ہیں:

ایک خیر کا خالق، اور اسے یہ مجوس فارسی زبان میں ''یزدان'' کہتے ہیں۔

دوسرا شر کا خالق، اور اسے یہ مجوس فارسی زبان میں ''اہرمن'' کہتے ہیں۔

اور جیسے فلاسفہ وغیرہ جو کہتے ہیں کہ اس سے صرف ایک ہی چیز صادر ہوئی ہے، اور باقی دیگر مخلوقات کا مصدر عقول اور نفوس ہیں، اور اس کائنات کا مصدر عقل فعال ہے، چنانچہ ان کے نزدیک وہی سب کا رب اور مدبر ہے۔

اور یہ بت پرستوں، مجوسیوں اور نصاری سے بھی زیادہ برا شرک ہے، بلکہ دنیا میں سب سے خبیث

شرک یہی فلاسفہ کا شرک ہے، کیونکہ اس میں تعطیل، انکار الوہیت و ربوبیت کے ساتھ ساتھ تخلیق کی نسبت بھی دوسرے کی طرف کی گئی ہے، اور ایسا شرک کسی بھی قوم نے نہیں کیا ہے۔

الشرح:

دوسری قسم: شرک ربوبیت، شرک الوہیت کے مقابلے میں شرک ربوبیت بہت کم ہے، کیونکہ کفار بھی عام طور پر یہ مانتے ہیں کہ اللہ ہی ہر چیز کا رب اور مالک ہے، وہ صرف توحید عبادت کا انکار کرتے ہیں، ہاں کچھ لوگوں کے یہاں شرک ربوبیت بھی پایا جاتا ہے جیسے مجوس، کیونکہ یہ دو خالق کو مانتے ہیں، ایک خیر (نور) کا خالق اور دوسرا شر (تاریکی) کا خالق جیسا کہ اس جانب اشارہ کیا گیا۔

مجوسیوں میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ خیر کا خالق یزدان ہے اور اس سے یہ اللہ کو مراد لیتے ہیں، اور شر کا خالق اہرمن ہے، اس طرح یہ دو خالق کو مانتے ہیں، اور اسی لئے قدریہ کو اس امت کا مجوس کہا گیا ہے۔

اسی طرح فلاسفہ ہیں جو کہتے ہیں: پوری کائنات عقل فعال سے بنی ہے، یہ عقل فعال کیا ہے؟ خواہ اسے یہ مخلوق مانتے ہوں یا خالق، دونوں حالت میں یہ کفر ہے اور توحید ربوبیت کا انکار ہے، کیونکہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے، اور یہ کفر کی سب سے قبیح قسم ہے؛ بلکہ بت پرستوں کا حال کچھ ان سے بہتر ہے گرچہ سب کافر ہیں، مگر جیسا کہ کہا جاتا ہے: (بعض الشر أهون من بعض) یعنی بعض برائیاں بعض برائیوں سے ہلکی ہوتی ہیں۔

اسلئے کہ یہ لوگ کلی طور پر رب کا انکار کرتے ہیں، اور عقل فعال کو یہ اس کائنات کا موجد مانتے ہیں، ساتھ ہی یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایسا کوئی رب نہیں ہے جسے پکارا جاسکے، جس سے بات کی جاسکے، جو رحم کرتا ہو، جو روزی دیتا ہو، جو جنت و دوزخ میں ڈالتا ہو، یہ سب خیالی چیزیں ہیں جن سے انسانوں کی اصلاح مقصود ہے، اللہ ان کے بکواس سے بری اور بالاتر ہے۔

اسی لئے انہیں سب سے بری مخلوق کہا گیا ہے، یعنی یہ فلاسفہ جو کہتے ہیں کہ جنت اور دوزخ سب خیالی چیزیں ہیں، اسی طرح کی باتیں یہ بہت سے دینی امور کے بارے میں بھی کہتے ہیں، اس طرح یہ منہج حق سے سب سے زیادہ دور ہیں۔

❁❁❁

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وشرك القدريّة مختصر من هذا، وباب يدخل منه إليه، ولهذا شبّههم الصّحابة -رضي الله عنهم- بالمجوس، كما ثبت عن ابن عمر وابن عبّاس -رضي الله عنهم-. وقد روى أهل السنن فيهم ذلك مرفوعًا: أنهم مجوس هذه الأمة.

وكثيرًا ما يجتمع الشركان في العبد وينفرد أحدهما عن الآخر. والقرآن الكريم بل الكتب المنزلة من عند الله - تعالى - كلها مصرّحةً بالرد على أهل هذا الإشراك، كقوله تعالى: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾، فإنه ينفي شرك المحبّة والإلهيّة. وقوله: ﴿وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ فإنه ينفي شرك الخلق والربوبيّة.

فتضمّنت هذه الآية تجريد التّوحيد لربّ العالمين في العبادة، وأنه لا يجوز إشراك غيره معه، لا في الأفعال ولا في الألفاظ ولا في الإرادات.

ترجمہ: قدریہ کا شرک اسی کا اختصار اور خلاصہ ہے، اور اسی باب سے اس میں داخل ہوسکتے ہیں، اسی لئے صحابہ نے انہیں مجوس کہا ہے جیسا کہ ابن عمر، اور ابن عباس سے ثابت ہے، اور اہل سنن نے ان کے بارے میں اس حدیث کو مرفوعاً روایت کیا ہے کہ وہ اس امت کے مجوس ہیں۔

اور اکثر بندے کے اندر یہ دونوں قسم کا شرک جمع ہو جاتا ہے، اور کبھی دونوں ایک دوسرے سے منفرد ہوتے ہیں۔ اور قرآن کریم بلکہ تمام آسمانی کتابیں صراحت کے ساتھ اس طرح کے مشرکین پر رد کرتی ہیں جیسے کہ اللہ تعالی کا قول: (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں)، یہاں پر شرک محبت اور شرک الوہیت دونوں کی نفی ہے، اور اسی طرح اللہ کا قول: (اور ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں)، یہاں پر شرک تخلیق اور شرک ربوبیت دونوں کی نفی ہے۔

اس طرح یہ آیت عبادت کے اندر رب العالمین کیلئے توحید کو خالص کرتی ہے، اور یہ کہ اسکے ساتھ کسی کو

بھی شریک کرنا جائز نہیں ہے نہ ہی افعال میں اور نہ ہی الفاظ یعنی اقوال میں اور نہ ہی ارادوں میں یعنی دلوں کے اندر اعتقادات میں۔

الشرح:

یہاں یہ تاکید ہے کہ شرک ان دونوں قسموں سے باہر نہیں نکل سکتا یعنی شرک ربوبیت اور شرک الوہیت، اسی لئے اللہ تعالی نے اسکی تردید کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ جو ان دونوں شرک سے نکلنا چاہتا ہو اسے چاہیئے کہ وہ اللہ تعالی کے اس قول میں غور کرے: (إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ) ترجمہ: ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔اس میں پہلے جملے سے شرک الوہیت پر رد ہے اور دوسرے جملے سے شرک ربوبیت پر رد ہے؛ اسلئے کہ استعانت کے اندر وہ تمام نعمتیں داخل ہیں جنہیں اللہ ہم پر کرتا ہے، چنانچہ جب آپ کہتے ہیں: (إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ) تو یہ بندے اور اسکے رب کے درمیان ہوتا ہے جیسا کہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے، چنانچہ پہلا جملہ رب کیلئے ہے اور دوسرا جملہ بندے کیلئے ہے۔

اسلئے ہم پر ضروری ہے کہ ہم اس آیت پر غور کریں اور صرف تلاوت کرکے گزر نہ جائیں، کیونکہ قرآن میں غور وفکر کرنا واجب ہے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا} ترجمہ: تو کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا کچھ دلوں پر ان کے قفل پڑے ہوئے ہیں؟

اسی لئے ابوعبدالرحمن سلمی کہتے ہیں: جو صحابہ ہمیں قرآن پڑھاتے تھے جیسے ابی بن کعب، زید بن ثابت اور عثمان بن عفان وہ دس آیتوں سے زیادہ نہیں پڑھاتے جب تک کہ ہم انہیں سیکھ کر ان پر عمل نہ کرلیتے، اس طرح ہم نے علم اور عمل دونوں کو ایک ساتھ سیکھا ہے۔

اور چونکہ اس آیت کے اندر توحید کی دونوں قسمیں پائی جاتی ہیں یعنی توحید الوہیت اور توحید ربوبیت اسی لئے مصنف رحمہ اللہ نے اسی آیت کریمہ سے مثال دی ہے۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

فالشرك به فی الأفعال، كالسجود لغيره سبحانه وتعالى، والطواف بغير بيته المحرّم، وحلق الرأس عبوديّةً وخضوعًا لغيره، وتقبيل الأحجار غير الحجر الأسود الذی هو يمينه فی الأرض، وتقبيل القبور واستلامها والسجود لها.

وقد لعن النبی صلى الله عليه وسلم من اتّخذ قبور الأنبياء والصالحين مساجد، فكيف من اتّخذ القبور أوثانًا تعبد من دون الله؟ {إِيَّاكَ نَعْبُدُ}.

وفی الصحيح عنه صلّى الله عليه وآله وسلّم أنه قال: "لعن الله اليهود والنصارى، اتّخذوا قبور أنبيائهم مساجد" يحذّر ما صنعوا.

وفيه عنه -أيضا-: "إن من شرار النّاس من تدركهم السّاعة وهم أحياء، والذين يتّخذون القبور مساجد".

وفيه - أيضا - عنه صلّى الله عليه وآله وسلّم: "إن من كان قبلكم كانوا يتّخذون القبور مساجد، ألا فلا تتّخذوا القبور مساجد، فإنّی أنهاكم عن ذلك.

ترجمہ: شرک افعال کی مثال غیر اللہ کا سجدہ کرنا اور بیت اللہ کے سوا کسی دوسری جگہ کا طواف کرنا، عبادت سمجھ کر سر منڈوانا، غیر اللہ کیلئے خشوع وخضوع کرنا، حجر اسود کے سوا کسی دوسرے پتھر کو بوسہ دینا، قبروں کو بوسہ دینا، ان کا استلام کرنا اور انکے لئے سجدہ کرنا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں پر لعنت کی ہے جو انبیاء وصالحین کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لئے ہیں، جہاں وہ اللہ کیلئے جا کر نماز پڑھتے ہیں، پھر ان کا کیا حال ہوگا جو قبروں کو ہی بت بنا کر انکی پرستش کرتے ہیں؟ اس نے اللہ کے اس قول کا معنی ہی نہیں سمجھا: (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں)۔

اور صحیح حدیث میں یہ ثابت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ

انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈراتے تھے کہ کہیں اپنے لوگ بھی ایسا نہ کریں۔

اور صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے بدترین لوگ وہ ہوں گے جو اپنی زندگی میں قیامت کا زمانہ پائیں گے یا وہ جو قبرستان کو سجدہ گاہ بنالیں۔

اور صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم خبردار رہو تم سے پہلے لوگ اپنے پیغمبروں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجد بنالیتے تھے کہیں تم قبروں کو مسجد نہ بنانا میں تم کو اس بات سے منع کرتا ہوں۔

الشرح:

یہاں پر مصنف مذکورہ آیت کے مخالف چیزوں کو ثابت کر رہے ہیں اور ان کا تعلق اہل قبور سے ہے جن کیلئے لوگ نذر ونیاز چڑھاتے ہیں، ذبیحے کرتے ہیں، قبروں کا طواف کرتے ہیں، اور وہاں غیر اللہ کو پکارتے ہیں؛ کیونکہ یہی چیزیں اس وقت یعنی علامہ مقریزی کے دور میں عام تھیں، چنانچہ آپ کے زمانے میں قبروں پر قبے عام تھے جن کی پرستش کی جاتی تھی، اور جس کی ابتداء فاطمی حکومت سے ہوئی تھی، جسے عبیدی یہودی یا مجوسی یا باطنی حکومت کہتے ہیں، جو اسماعیلی فرقے پر عمل پیرا تھی، اور یہ عبید اللہ بن میمون قداح کے پیروکار تھے، کہا جاتا ہے کہ یہ ایک یہودی تھا، اسے مجوسی بھی کہا جاتا ہے، پھر اس نے جھوٹ میں خود کو اہل بیت سے منسوب کرلیا، پھر اسی کے دور سے قبروں اور قبوں کا فتنہ شروع ہوا ہے، ایسا لگتا تھا کہ لوگوں نے اس تعلق سے نبی اکرم ﷺ سے وارد نہی کو سنا ہی نہیں تھا۔

اس تعلق سے مصنف رحمہ اللہ نے کئی حدیثیں پیش کی ہیں:

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، أَنَّ عَائِشَةَ، وَعَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ، قَالَا: لَمَّا نُزِلَ بِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيصَةً لَهُ عَلَى وَجْهِهِ، فَإِذَا اغْتَمَّ، كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ، فَقَالَ: وَهُوَ كَذَلِكَ، " لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْيَهُودِ، وَالنَّصَارَى، اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ، يُحَذِّرُ مِثْلَ مَا صَنَعُوا ".

ترجمہ: عبیداللہ بن عبداللہ سے روایت ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور عبداللہ بن سیدنا عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر اپنے منہ پر ڈالنا شروع کی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھبراتے تو چادر کو منہ پر سے ہٹاتے اور فرماتے: "یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈراتے تھے کہ کہیں اپنے لوگ بھی ایسا نہ کریں۔

عَنْ جُنْدَبٌ، قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَبْلَ أَنْ يَمُوتَ بِخَمْسٍ، وَهُوَ يَقُولُ: " إِنِّي أَبْرَأُ إِلَى اللَّهِ، أَنْ يَكُونَ لِي مِنْكُمْ خَلِيلٌ، فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى، قَدِ اتَّخَذَنِي خَلِيلًا، كَمَا اتَّخَذَ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ أُمَّتِي خَلِيلًا، لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، أَلَا وَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، كَانُوا يَتَّخِذُونَ قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ وَصَالِحِيهِمْ مَسَاجِدَ، أَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُورَ مَسَاجِدَ، إِنِّي أَنْهَاكُمْ عَنْ ذَلِكَ ".

ترجمہ: سیدنا جندب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وفات سے پانچ روز پہلے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: "میں بیزار ہوں اس بات سے کہ کسی کو تم میں سے اپنا دوست بناؤں سوا اللہ کے کیونکہ اللہ نے مجھے دوست بنایا ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کو دوست بنایا تھا۔ اور جو میں اپنی امت میں سے کسی کو دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر کو دوست بناتا۔ تم خبردار رہو تم سے پہلے لوگ اپنے پیغمبروں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجد بنا لیتے تھے کہیں تم قبروں کو مسجد نہ بنانا میں تم کو اس بات سے منع کرتا ہوں۔"

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنَّ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ مَنْ تُدْرِكُهُ السَّاعَةُ وَهُمْ أَحْيَاءٌ وَمَنْ يَتَّخِذُ الْقُبُورَ مَسَاجِدَ۔

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے سب سے بدترین لوگ وہ ہوں گے جو اپنی زندگی میں قیامت کا زمانہ پائیں گے یا وہ جو قبرستان کو سجدہ گاہ بنالیں۔

اور اس فتنے میں لوگ آج تک مبتلا ہیں، اور شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی دعوت کے ظہور سے پہلے یہ ملک بھی اسی فتنے میں مبتلا تھا، مگر امام محمد بن سعود کی مدد سے اس فتنے کو جڑ سے ختم کر دیا گیا، چنانچہ اس وقت لوگ یہاں نجد وحجاز اور مشرقی تمام علاقوں میں قبروں کی پرستش کرتے تھے، مگر اللہ تعالی نے حکومت توحید کے ذریعے ان سارے مزارات اور قبوں کو ختم کر دیا جس سے سارا شرک وکفر مٹ گیا۔

اس تعلق سے نبی اکرم ﷺ کی صریح ہدایت موجود ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي الْهَيَّاجِ الْأَسَدِيِّ، قَالَ: قَالَ لِي عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ: " أَلَا أَبْعَثُكَ عَلَى مَا بَعَثَنِي عَلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهُ، وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهُ ".

ترجمہ: ابوالھیاج اسدی رحمہ اللہ نے کہا: مجھ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو بھیجتا ہوں اس کے لئے مجھ کو بھیجا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ نہ چھوڑ کوئی تصویر مگر مٹا دے اس کو اور نہ چھوڑ کوئی بلند قبر مگر اس کو زمین کے برابر کر دے۔

یہاں مقصود یہ ہیکہ اللہ تعالی نے اپنے رسول ﷺ کی زبانی اللہ کو چھوڑ کر قبروں اور قبر والوں سے دل جوڑنے سے سختی سے روکا ہے، وہ قبریں جو صنم خانوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، اسی لئے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بعض حدیثوں کو بیان کرنے کے بعد کہتی ہیں: آپ ﷺ ان کے کرتوتوں سے آگاہ کر رہے ہیں، یعنی کہیں تم لوگ بھی قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنالو۔

اگر کوئی کہے کہ پھر نبی اکرم ﷺ کی قبر کے بارے میں کیا کہو گے جو کہ مسجد کے اندر موجود ہے؟

جواب: یہ کام نہ تو نبی اکرم ﷺ نے کیا ہے اور نہ ہی آپ ﷺ کے صحابہ نے کیا ہے، بلکہ یہ کام بہت بعد میں ولید بن عبدالملک نے کیا ہے، مسجد کے اندر توسیع کی ضرورت پڑی تو قبر کو بھی اندر داخل کر دیا گیا، ساتھ ہی امہات المومنین کے سارے حجرے بھی مسجد کے اندر آگئے، حالانکہ اس وقت جو بعض صحابہ اور تابعین موجود تھے انہوں نے معارضہ بھی کیا، مگر ان کی بات نہیں سنی گئی، اور بعد میں جو خلفاء آئے انہوں نے اسے ویسے ہی باقی رکھا، مگر سب نے یہ پوری کوشش کی کہ قبر رسول کو مسجد کے بیچ میں نہ آنے دیا جائے، اس کیلئے آج تک جنوب میں توسیع نہیں کی گئی۔ اس طرح قبر نبوی کو مسجد سے جوڑنا ایک مجبوری تھی اور وہ ایک طرح سے مسجد سے الگ تھلگ بھی ہے، اور پوری کوشش کی گئی ہے کہ وہ حجرہ مسجد سے الگ ہی رہے، اسکے لئے حجرے کو تکونے جیسی دیوار سے گھیر دیا گیا ہے تاکہ قبلہ کے سامنے نہ پڑے۔

اسلئے اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا، دو وجہوں سے:

پہلی وجہ: اسکا حکم نہ تو نبی اکرم ﷺ نے دیا ہے اور نہ ہی آپ نے کیا ہے اور نہ ہی اسکا اقرار کیا ہے۔

دوسری وجہ: ولید کو اس تصرف پر نصیحت کر دی گئی تھی۔

تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بالذات قبر کو مسجد میں داخل کرنا مقصد نہیں تھا بلکہ مسجد کی توسیع کرنا مقصد تھا۔

اور چوتھی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ سلف نے قبر کی طرف جنوب میں مسجد کی توسیع نہیں کی تاکہ قبر مسجد کے کنارے ہی رہے، مسجد کے اندر نہ آنے پائے، اور آج تک وہی حالت ہے، یہاں تک کہ سعودی عرب کی طرف سے تاریخ میں سب سے بڑی توسیع کے وقت بھی جنوب کی طرف مسجد کو نہیں بڑھایا گیا، اور اس وقت بھی یہی کوشش کی گئی کہ قبر نبوی مسجد کے کنارے

ہی رہے، بلکہ سعودی عرب نے قبر نبوی کی طرف ایسی رکاوٹیں بنادی ہیں تاکہ قبر پرست وہاں جا کر قبر نبوی کا طواف نہ کرسکیں اور اسے قبلہ بنا کر اسکے پیچھے نماز نہ پڑھ سکیں اور نہ قبر کا سجدہ کرسکیں، حالانکہ اس سے پہلے قبر پرست طواف بھی کرتے تھے اور سجدہ بھی کرتے تھے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وفی مسند الإمام أحمد وصحیح ابن حبّان عنه صلّی الله علیه وآله وسلّم: "لعن الله زوّارات القبور، والمتّخذین علیها المساجد والسرج".

وقال: "اشتدّ غضب الله علی قوم اتّخذوا قبور أنبیاءهم مساجد".

وقال: "إن من کان قبلکم کانوا إذا مات فیهم الرّجل الصّالح بنوا علی قبره مسجدًا، وصوّروا فیه تلك الصّور، أولئك شرار الخلق عند الله".

والنّاس فی هذا الباب -أعنی: زیارة القبور- علی ثلاثة أقسام:

-قوم یزورون الموتی فیدعون لهم. وهذه هی الزّیارة الشرعیّة.

- وقوم یزورونهم یدعون بهم، فهؤلاء هم المشرکون فی الألوهیّة والمحبّة.

-وقوم یزورونهم فیدعونهم أنفسهم، وقد قال النبی صلّی الله علیه وآله وسلّم: "اللهم لا تجعل قبری وثنا یعبد"، وهؤلاء هم المشرکون فی الربوبیّة.

وقد حمی النبیّ صلی الله علیه وسلم جانب التّوحید أعظم حمایة، تحقیقًا لقوله تعالی: ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾، حتی نهی عن الصّلاة فی هذین الوقتین لکونه ذریعةً إلی التّشبیه بعبّاد الشّمس الذین یسجدون لها فی هاتین الحالتین.

وسد الذّریعة بأن منع من الصّلاة بعد العصر والصّبح لاتصال هذین الوقتین بالوقتین اللذین یسجد المشرکون فیهما للشّمس.

وأمّا السّجود لغیر الله فقد قال علیه الصّلاة والسّلام: "لا ینبغی لأحد أن یسجد لأحد إلاّ لله".

و "لا ينبغي" في كلام الله ورسوله صلى الله عليه وسلم إنما يستعمل للذي هو في غاية الامتناع، كقوله تعالى: {وَمَا يَنۢبَغِي لِلرَّحۡمَٰنِ أَن يَتَّخِذَ وَلَدًا} ، وقوله تعالى: {وَمَا عَلَّمۡنَٰهُ ٱلشِّعۡرَ وَمَا يَنۢبَغِي لَهُۥٓ} ، وقوله تعالى: {وَمَا تَنَزَّلَتۡ بِهِ ٱلشَّيَٰطِينُ وَمَا يَنۢبَغِي لَهُمۡ} ، وقوله تعالى: {مَا كَانَ يَنۢبَغِي لَنَآ أَن نَّتَّخِذَ مِن دُونِكَ مِنۡ أَوۡلِيَآءَ} .

ترجمہ: مسند احمد اور صحیح ابن حبان میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ نے قبرستان جا کر (غیر شرعی کام کرنے والی) عورتوں پر لعنت فرمائی ہے اور ان لوگوں پر بھی جو قبروں پر مسجدیں بناتے اور ان پر چراغاں کرتے ہیں۔

اور آپ ﷺ نے مزید فرمایا: (اللہ کی غضبنا کی ان لوگوں پر سخت ہوگئی جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنالیا)۔

اور آپ ﷺ نے مزید فرمایا: (ان لوگوں کا یہی حال تھا۔ جب ان میں کوئی نیک آدمی مرجاتا تو وہ اس کی قبر پر مسجد بناتے اور وہاں صورتیں بناتے، یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے سامنے سب سے بدتر ہوں گے)۔

زیارت قبور کے تعلق سے لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

- کچھ لوگ مردوں کی زیارت کرتے ہیں اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں، یہی شرعی زیارت ہے۔

- کچھ لوگ مردوں کی زیارت کرتے ہیں اور ان کے واسطے سے اپنے لئے دعاء کرتے ہیں، تو یہ وہ لوگ ہیں جو الوہیت اور محبت میں شرک کرتے ہیں۔

- کچھ لوگ مردوں کی زیارت کرتے ہیں اور انہیں کو پکارتے ہیں، اور اللہ کے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: (الٰہی! میری قبر کو ایسا بت نہ بنادینا کہ اسکی پرستش کی جائے، یہ وہ لوگ ہیں جو ربوبیت

میں شرک کرتے ہیں۔

اور نبی اکرم ﷺ نے توحید کی پوری طرح حفاظت کردی ہے اللہ کے اس قول پر عمل کرتے ہوئے: (میں صرف تیری ہی عبادت کرتا ہوں)، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ان دو وقتوں میں نماز پڑھنے سے منع کردیا تاکہ ان لوگوں کی مشابہت نہ ہو جو سورج کی پرستش کرتے ہیں اور ان دونوں وقتوں میں وہ سورج کا سجدہ کرتے ہیں۔

اور اسی طرح سد ذریعے کی خاطر آپ ﷺ نے عصر کے بعد اور اول صبح میں بھی نماز پڑھنے سے منع کردیا کیونکہ یہ دونوں وقت ان دونوں وقتوں سے ملے ہوئے ہیں جن میں مشرکین سورج کیلئے سجدہ کرتے ہیں۔

اور جہاں تک غیر اللہ کیلئے سجدہ کرنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: (کسی کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ سوائے اللہ کے کسی کا سجدہ کرے)، اور (مناسب نہیں ہے) کا جملہ جب اللہ اور اسکے رسول کے کلام میں استعمال ہوتا ہے تو اس سے انتہا درجے کی ممانعت مراد ہوتی ہے، جیسے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: (اور رحمن کیلئے مناسب نہیں ہے کہ وہ لڑکا بنائے)، اور مزید ارشاد ہے: (اور ہم نے اسے نہ تو شعر سکھایا ہے اور نہ ہی اسکے لئے یہ مناسب ہے)، اور مزید فرمایا: (اور اسے نہ تو شیاطین لیکر اترے ہیں اور نہ ہی انکے لئے یہ مناسب ہے)، اور مزید فرمایا: (اور نہ ہی ہمارے لئے یہ مناسب ہے کہ تجھے چھوڑ کر دوسروں کو ہم اپنا دوست بنالیں)۔

الشرح:

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے درج ذیل حدیث پر گفتگو کی ہے:

عَنِ أبي هريرة قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَعَنَ اللَّهُ زَوَّارَاتِ الْقُبُورِ

وَالْمُتَّخِذِينَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ.

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبرستان جا کر (غیر شرعی کام کرنے والی) عورتوں پر لعنت فرمائی ہے اور ان لوگوں پر بھی جو قبروں پر مسجدیں بناتے اور ان پر چراغاں کرتے ہیں۔

اس حدیث کے الفاظ سب سے زیادہ صحیح ہیں، اور یہ حدیث سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور اسکی ایک سند ابن عباس سے بھی مروی ہے مگر اس میں (زائرات) کا لفظ ہے، جو کہ ضعیف ہے، اس حدیث سے دو مسئلے متعلق ہیں:

پہلا مسئلہ: زیارت قبور کا حکم۔

دوسرا مسئلہ: وہ تقسیم جسکا ذکر یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے کیا ہے۔

پہلا مسئلہ: زیارت قبور کا حکم:

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ قبر کی زیارت کرنا مردوں کے حق میں مستحب ہے، البتہ عورتوں کے حق میں اختلاف ہے، مجموعی طور پر کل تین اقوال ہیں:

- مطلق طور پر منع ہے۔
- مطلق طور پر جائز ہے۔
- تفصیل ہے: عورتوں کیلئے اس وقت جائز ہے جب فتنوں کے محفوظ رہے اور زیادہ زیارت نہ کرے جیسا کہ حدیث میں زیادہ زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کیا گیا ہے۔

جن لوگوں نے مطلق طور پر منع کیا ہے ان کے نزدیک زیادہ اور کم میں کوئی فرق نہیں ہے، کہتے ہیں کہ الفاظ دونوں طرح سے وارد ہوئے ہیں گرچہ (زائرات) والی سند پر کلام کیا گیا ہے، اور اسی طرح اس روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں جن میں عورتوں کو جنازے کے ساتھ جانے سے روکا گیا ہے، اب ایسی صورت میں قبروں کی زیارت بدرجہ اولی منع ہوگی۔

اور جن لوگوں نے مطلق طور پر جائز قرار دیا ہے انہوں نے دو روایتوں سے استدلال کیا ہے:

پہلی روایت:

عَنْ بُرَيْدَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " كنتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ أَلَا فَزُورُوهَا فإنها تذكر الآخرة.

ترجمہ: سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں تم کو منع کرتا تھا قبروں کی زیارت سے تو تم اب زیارت کیا کرو؛ کیونکہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

یہاں پر خطاب گرچہ مردوں کو ہے مگر غلبہ کے طور پر اس میں عورتیں بھی داخل ہیں؛ کیونکہ اکثر خطاب صرف مردوں کو ہوتا ہے اور ضمناً اس میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں چنانچہ یہاں بھی (فزوروھا) کی عمومیت میں شامل ہوں گی۔

دوسری روایت:

المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر کی قبر کی زیارت کی تو آپ سے عبداللہ بن ابی ملیکہ نے سوال کیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت سے منع نہیں کیا ہے؟ تو آپ نے کہا: پہلے منع کیا تھا پھر اجازت دیدی ہے۔

ان تینوں اقوال پر غور کرنے کے بعد مجھے لگتا ہے کہ عورتوں کو جو لوگ مطلق طور پر منع کر رہے ہیں وہی زیادہ راجح اور اولی ہے، اور اسکے چند اسباب ہیں:

- حدیث کے اندر لعنت کے ذریعے ممانعت عام ہے، پھر ہم کسی ضعیف روایت میں ایک لفظ کی وجہ سے کیسے عورتوں کے ایک خاص گروہ پر منحصر کر سکتے ہیں؟

- (زائرات) کا لفظ گرچہ ضعیف ہے مگر وہ پہلی حدیث کیلئے شاہد ہے، اور اسی معنی میں ہے۔

- عورتوں کو جنازے کے پیچھے جانے سے منع کیا گیا ہے، پھر وہ قبروں کی زیارت سے بدرجہ اولی روکی جائیں گی۔

- وہاں اختلاط کا خطرہ ہے بطور خاص فتنوں کے دور میں۔

- سد ذریعہ کے طور پر منع کیا جائے گا کیونکہ وہ جزع فزع کرنے والی زیادہ ہوتی ہیں۔

اسلئے مجھے سب سے راجح یہی لگتا ہے کہ عورتوں کو زیارت قبور سے مطلق طور پر منع کیا جائے۔

اور مصنف رحمہ اللہ نے یہاں پر زیارت قبر کے تعلق سے لوگوں کی تین قسمیں کی ہیں:

پہلی قسم:

کچھ لوگ زیارت کرنے جاتے ہیں تاکہ میت کیلئے مغفرت کی دعا کریں، تو یہ مردوں کے حق میں مشروع ہے، بشرطیکہ سفر کر کے نہ گیا ہو، اور نہ ہی ایک شہر سے دوسرے شہر کسی قبر کی زیارت کے مقصد سے گیا ہو، اور بعض ملکوں میں کچھ لوگ ایسا کرتے ہیں کہ جب وہ حج کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو پہلے اپنے سلسلے کے شیخ کی قبر کے پاس سفر کر کے جاتے ہیں اور وہاں تبرک حاصل کرتے ہیں اور قبر والے سے گفتگو کر کے حج کی اجازت لیتے ہیں، اور یہ بہت بڑی گمراہی ہے، اور اگر اسے پکارتا ہے تو یہ شرک اکبر ہے؛ اسلئے کہ زیارت قبر کا دو مقصد ہے:

پہلا مقصد: میت کیلئے دعاء کرنا اور اسے سلام کرنا۔

دوسرا مقصد: وہاں جا کر آخرت کی یاد کرنا اور عبرت پکڑنا۔

اور دعاء میں ہم اسی دعاء پر اکتفا کریں گے جو حدیث میں وارد ہوئی ہے، میت پر فاتحہ وغیرہ نہیں پڑھیں گے، اور نہ ہی انکی طرف ہم اپنے ہاتھوں کو اٹھائیں گے، نہ ہی قبروں پر کپڑے وغیرہ ڈالیں گے اور نہ ہی اسے بوسہ دیں گے، بلکہ وہاں جا کر یہ دعاء پڑھیں گے: (السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَيَرْحَمُ اللهُ الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنَّا والمُستَأْخِرِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَلَاحِقُونَ) ترجمہ: سلام ہے ایماندار گھروالوں پر، اور مسلمانوں پر اللہ رحمت کرے ہم سے آگے جانے والوں پر اور پیچھے جانے والوں پر اور ہم، اللہ نے چاہا تو تم سے ملنے والے ہیں۔

یہ دعاء پڑھ کر وہاں سے واپس آجائیں گے۔

دوسری قسم:

ان کا وسیلہ پکڑنا اور ان کے وسیلے سے دعاء کرنا، اور اس میں دو چیزوں کا احتمال ہے:

اگر مجرد وسیلہ مراد ہے تو یہ حرام اور بدعت ہے۔

اور اگر اس سے مراد ان سے دل جوڑنا اور انہیں پکارنا ہے، گرچہ توسل کے الفاظ کے ذریعے ہو مگر عقیدہ یہ ہو کہ وہ اللہ سے قریب کردے گا، تو یہ شرک ہے۔

تیسری قسم:

بلا واسطہ انہیں پکارنا، اور ان سے شفاعت طلب کرنا، جیسا کہ آج کے زمانے میں اکثر لوگ کرتے ہیں، وہاں جا کر اپنی ضرورتوں کو مانگتے ہیں، مدد طلب کرتے ہیں، وہاں جا کر اپنے معاملات میں اجازت لیتے ہیں، ان سے ایسی چیزوں کو مانگتے ہیں جن پر سوائے اللہ کے کوئی قدرت نہیں رکھتا، اور اللہ کو چھوڑ کر اسی میت کو پکارتے ہیں، جو کہ کبھی انکی پکار نہیں سن سکتا؛ بلکہ یہ شرک ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَنْ لَا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ[5] وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ} ترجمہ: اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو اللہ کے سوا انھیں پکارتا ہے جو قیامت کے دن تک اس کی دعا قبول نہیں کریں گے اور وہ ان کے پکارنے سے بے خبر ہیں۔ [5] اور جب سب لوگ اکٹھے کیے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی عبادت سے منکر ہوں گے۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ[13] إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا

يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ} ترجمہ: اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے مالک نہیں۔ اگر تم انھیں پکارو تو وہ تمھاری پکار نہیں سنیں گے اور اگر وہ سن لیں تو تمھاری درخواست قبول نہیں کریں گے اور قیامت کے دن تمھارے شرک کا انکار کر دیں گے اور تجھے ایک پوری خبر رکھنے والے کی طرح کوئی خبر نہیں دے گا۔

یہ آیت چار مقامات کو شامل ہے:

پہلا مقام:

مطلق طور پر وہ کسی چیز کے مالک نہیں ہیں، اور اسکے لئے یہاں پر کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کا ذکر کیا گیا ہے اسکی حقارت کی طرف اشارہ کرنے کیلئے۔ چنانچہ وہ کسی معمولی چیز کے بھی مالک نہیں ہیں اگر انہیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو سب سے پہلے وہ خود کو اس گڑھے نکال لیتے، مگر انہیں کچھ بھی اختیار نہیں ہے اور جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ دوسرے کو کیا دے سکتا ہے۔

دوسرا مقام:

وہ کسی کی پکار نہیں سنتے، جیسا کہ قرآن میں وارد ہوا ہے: {وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَنْ فِي الْقُبُورِ} ترجمہ: اور تو ہرگز اسے سنانے والا نہیں جو قبروں میں ہے۔

تیسرا مقام:

اگر یہ فرض کرلیں کہ وہ سنتے ہیں تو پھر وہ جواب نہیں دے سکتے؛ اسلئے کہ پکار کا جواب صرف اللہ تعالی دیتا ہے۔

چوتھا مقام:

وہ قیامت کے دن ان سے اپنی براءت کا اظہار کریں گے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {رَبَّنَا هَؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمْ كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ} ترجمہ: اے ہمارے رب! یہ ہیں وہ لوگ جنھیں ہم نے گمراہ کیا، ہم نے انھیں اسی طرح گمراہ کیا جیسے ہم گمراہ ہوئے، ہم تیرے سامنے بری ہونے کا اعلان کرتے ہیں، یہ ہماری تو عبادت نہیں کرتے تھے۔

واللہ اعلم، وصلی اللہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ۔

بسم الله الرحمن الرحيم

المجلس الثالث

ومن الشرك بالله - تعالى - المباين لقوله تعالى: {إِيَّاكَ نَعْبُدُ} الشرك به في اللفظ كالحلف بغيره، كما رواه الإمام أحمد وأبو داود عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال: "من حلف بغير الله فقد أشرك" صحّحه الحاكم وابن حبّان.

قال ابن حبّان: أخبرنا الحسن وسفيان، ثنا عبد الله بن عمر الجعفي، ثنا عبد الرّحمن بن سليمان، عن الحسن بن عبد الله النخعي، عن سعيد بن عبيدة قال: كنت عند ابن عمر - رضى الله عنهما، فحلف رجل بالكعبة، فقال ابن عمر - رضى الله عنهما -: "ويحك، لا تفعل، فإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "من حلف بغير الله فقد أشرك"".

ومن الإشراك قول القائل لأحد من النّاس: ما شاء الله وشئت، كما ثبت عن النبيّ صلى الله عليه وسلم أنه قال له رجل: ما شاء الله وشئت. فقال: "أجعلتني لله ندًا؟، قل ما شاء الله وحده". هذا مع أن الله - تعالى - قد أثبت للعبد مشيئة، كقوله تعالى: {لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ}، فكيف بمن يقول: أنا متوكّل على الله وعليك، وأنا في حسب الله وحسبك، وما لي إلاّ الله وأنت، وهذا من الله ومنك، وهذا من بركات الله وبركاتك، والله لي في السماء وأنت لي في الأرض؟؟،

وزن بين هذه الألفاظ الصادرة من غالب النّاس اليوم وبين ما نهى عنه من: ما شاء الله وشئت، ثم انظر أيّها أفحش؟، يتبيّن لك أن قائلها أولى بالبعد

من ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾، وبالجواب من النبي صلى الله عليه وسلم لقائل تلك الكلمة، وأنه إذا كان قد جعل رسول الله صلى الله عليه وسلم ندًا فهذا قد جعل من لا يدانيه لله ندًا.

ترجمہ: اور شرک باللہ میں سے جو (ایاک نعبد) سے بالکل متعارض ہے زبانی شرک بھی ہے جیسے غیر اللہ کی قسم کھانا، جیسا کہ امام احمد اور ابو داود نے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: (جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا)، اسے امام حاکم اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

امام ابن حبان نے اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ سعد بن عبیدہ نے کہا کہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا کہ ایک آدمی نے کعبہ کی قسم کھائی تو ابن عمر نے کہا: تیری بربادی ہو! ایسا نہ کر؛ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔

اور شرک میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی کسی سے کہے: (ماشاء اللہ وشئت) یعنی جو اللہ نے چاہا اور آپ نے چاہا۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کہا: (ماشاء اللہ وشئت) یعنی جو اللہ نے چاہا اور آپ نے چاہا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے مجھے اللہ کے برابر بنا دیا؟ صرف یہ کہو: (ما شا اللہ وحدہ) یعنی جو صرف اللہ چاہے۔

حالانکہ اللہ تعالی نے بندے کیلئے مشیئت کو ثابت کیا ہے جیسے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: (اس شخص کیلئے ہے جو تم میں سے سیدھی راہ پر چلنا چاہے)، پھر کیا حال ہوگا اس کا جو کہتا ہے کہ میرا بھروسہ اللہ پر اور تم پر ہے، اور میرے لئے اللہ اور آپ کافی ہیں، اور کون ہے میرا سوائے اللہ کے اور آپ کے، اور یہ اللہ کی طرف سے ہے اور آپ کی طرف سے، اور یہ اللہ کی برکتوں سے اور آپ کی برکتوں سے ہے، میرے آسمان میں اللہ ہے اور زمین پر آپ ہیں۔

یہ مذکورہ جملے جو عام طور سے لوگ کہتے رہتے ہیں ان میں اور وہ جملہ (جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں)

جس سے اللہ نے منع کیا ہے دونوں میں موازنہ کریں پھر دیکھیں دونوں میں کون زیادہ بھیانک اور سنگین ہے، آپ کو پتہ چلے گا کہ مذکورہ جملوں کا کہنے والا (ایاک نعبد) سے زیادہ دور دکھائی دے گا، اور اسی طرح اس جواب کے مقابلے میں جو آپ ﷺ نے اس جملہ کے کہنے والے آدمی کو دیا تھا، کیونکہ اگر اس آدمی نے اللہ کے رسول اور نبی ﷺ کو اللہ کا ہمسر اور برابر بنا دیا تھا تو یہ ایسے شخص کو اللہ کا ہمسر بنا رہا ہے جو رسول ﷺ کے برابر بھی نہیں ہے۔

الشرح:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله رب العالمين، وصلى الله وسلم وبارك على نبينا محمد، وعلى آله واصحابه أجمعين.

مصنف رحمہ اللہ نے یہاں پر غیر اللہ کی قسم کھانے اور اس طرح کے دیگر شرکیہ الفاظ کا جو موضوع چھیڑا ہے اس کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ وقت کی ضرورت ہے؛ کیونکہ یہ معاشرے میں بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے، لوگ شعوری اور لاشعوری میں ایسے جملے بولتے رہتے ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ نے سب سے پہلے غیر اللہ کی قسم کھانے کا حکم بیان کیا ہے اور یہ بتلایا کہ یہ شرک ہے جو اللہ کے قول (ایاک نعبد) سے متعارض ہے، اور اس میں علماء کے کئی اقوال ہیں جنہیں آگے چل کر بیان کروں گا، مگر ابھی ان حدیثوں کو نقل کروں گا جن کی طرف مصنف رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے، اور ساتھ کچھ دیگر حدیثوں کو بھی نقل کروں گا۔

سب سے پہلے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ ہیں: (جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے شرک کیا)، اور آپ ہی سے ایک دوسری روایت میں الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہیں: (جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر کیا)، اور یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں، ممکن ہے راوی کی طرف شک ہو، اسی لئے کبھی (کفر) تو کبھی (أشرک) کہا، اور یہ صحیح ہے کہ جس نے شرک کیا اس نے کفر کیا۔

اس تعلق سے یہ حدیث بھی مروی ہے:

عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ. قَالَ عُمَرُ: فَوَاللَّهِ مَا حَلَفْتُ بِهَا مُنْذُ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْهَا ذَاكِرًا وَلَا آثِرًا ".

ترجمہ: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے تم کو باپ دادوں کی قسم کھانے سے۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: قسم اللہ کی! میں نے نہیں قسم کھائی باپ دادا کی جب سے میں نے یہ سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ اپنی طرف سے نہ دوسرے کی طرف سے۔

اسی سے متعلق وہ روایت بھی ہے جس میں ہے کہ ایک صحابی نے ایک یہودی سے کہا کہ تم لوگ کہتے ہو عزیر کی قسم! مسیح کی قسم تو یہودی نے کہا: تم لوگ کہتے ہو: کعبہ کی قسم! اور تم لوگ کہتے ہو: جو اللہ چاہے اور محمد چاہے، تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگ ایسا نہ کہو، روایت سنن نسائی میں کچھ اس طرح ہے:

عَنْ قُتَيْلَةَ امْرَأَةٍ مِنْ جُهَيْنَةَ، أَنَّ يَهُودِيًّا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّكُمْ تُنَدِّدُونَ، وَإِنَّكُمْ تُشْرِكُونَ، تَقُولُونَ: مَا شَاءَ اللَّهُ وَشِئْتَ، وَتَقُولُونَ: وَالْكَعْبَةِ. فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِذَا أَرَادُوا أَنْ يَحْلِفُوا أَنْ يَقُولُوا: وَرَبِّ الْكَعْبَةِ، وَيَقُولُونَ: مَا شَاءَ اللَّهُ، ثُمَّ شِئْتَ ".

قبیلہ جہینہ کی ایک عورت قتیلہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک یہودی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر کہا: تم لوگ (غیر اللہ کو اللہ کے ساتھ) شریک ٹھہراتے اور شرک کرتے ہو، تم کہتے ہو: جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں، اور تم کہتے ہو: کعبے کی قسم! تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ جب وہ قسم کھانا چاہیں تو کہیں: "کعبے کے رب کی قسم!" اور کہیں: "جو اللہ چاہے پھر آپ جو چاہیں"۔

(معلوم ہوا کہ اچھی بات کی رہنمائی کوئی بھی کرے تو اسے قبول کرنا چاہیئے، خصوصا جب اس کا تعلق توحید و شرک کے مسائل سے ہو تو اسے بدرجہ اولیٰ قبول کرنا چاہیئے۔ مترجم)

اسی طرح کی یہ روایت بھی ہے:

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " أَنَّهُ أَدْرَكَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فِي رَكْبٍ وَعُمَرُ يَحْلِفُ بِأَبِيهِ، فَنَادَاهُمْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا إِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ يَنْهَاكُمْ أَنْ تَحْلِفُوا بِآبَائِكُمْ، فَمَنْ كَانَ حَالِفًا، فَلْيَحْلِفْ بِاللَّهِ أَوْ لِيَصْمُتْ ".

ترجمہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پایا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو چند سواروں میں اور وہ قسم کھارہے تھے اپنے باپ کی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا ان کو اور فرمایا: "خبردار رہو اللہ تعالیٰ منع کرتا ہے تم کو اپنے باپ دادا کی قسم کھانے سے۔ پھر جو کوئی تم میں سے قسم کھانا چاہے وہ اللہ تعالیٰ کی قسم کھائے یا چپ رہے۔" (یعنی قسم ہی نہ کھائے ضرورت کیا ہے)۔

اسی طرح ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: (میں اللہ کی جھوٹی قسم کھاؤں یہ میرے لئے زیادہ محبوب ہے اس سے کہ میں غیر اللہ کی سچی قسم کھاؤں)، اسلئے کہ اللہ کی جھوٹی قسم کھانا معصیت ہے اور غیر اللہ کی قسم کھانا شرک ہے، اور ظاہر ہے کہ شرک کے مقابلے میں معصیت ہلکا ہے۔

اور اسی حکم میں وہ بھی داخل ہوجائے گا جسکی طرف مصنف نے بعض مثالوں سے اشارہ کیا ہے جیسے کہ وہ کہتے ہیں: (جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں)، یا (اگر اللہ نہ ہوتا اور آپ نہ ہوتے)، اور جیسے کہ آج کل کہا جاتا ہے: (میں اللہ کی اور آپ کی حفاظت میں ہوں)، یا ان کے علاوہ دوسرے شرکیہ الفاظ، کیونکہ واو تشریک کا فائدہ دیتا ہے، یعنی مطلق جمع کا فائدہ دیتا ہے، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ایک آدمی کو یہ کہتے ہوئے سنا: (جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں) تو کہا: تم مجھے اللہ کے برابر کردیا)، یعنی اسکا مثیل اور نظیر بنادیا، اور ایک دوسری روایت میں ہے: (تم نے مجھے اللہ کے برابر کردیا؟ صرف یہ کہو کہ جو اللہ چاہے۔

سو یہ سارے الفاظ شرکیہ ہیں اور ان میں دو امور کا احتمال ہے:

ممکن ہے شرک اکبر ہو اگر اسکا یہ عقیدہ ہو کہ جس کی وہ قسم کھارہا ہے وہ اللہ کے درجے میں ہے، یا اسے بھی وہی قدرت حاصل ہے جو اللہ کو حاصل ہے، یا جو یہ کہہ رہا ہے کہ جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں، اس کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ جسے اللہ کے برابر ٹھہرا رہا ہے اسے اللہ کے برابر قدرت والا سمجھ رہا ہو، بہرحال ان صورتوں میں شرک اکبر ہوگا جو دائرہ اسلام سے نکال دے گا اور مخلد فی النار کا سبب بنے گا۔

لیکن اگر قسم کھانے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ سارے امور اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اور جس کی قسم کھارہا ہے وہ اللہ کا مقابلہ نہیں کرسکتا، اور نہ ہی وہ ایسی کسی چیز پر قادر ہے جس پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں ہوسکتا، بلکہ اس نے یہ قسم یونہی عادت اور عرف کے اعتبار سے کھائی ہے، تو یہ شرک اصغر ہوگا، اور یہ معلوم رہے کہ شرک اکبر کے بعد یہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے، کیونکہ یہ شرک اکبر تک پہونچا سکتا ہے۔

اس طرح اس مسئلے میں تفصیل ہے:

- اگر اسکا یہ اعتقاد ہو کہ جس کی وہ قسم کھارہا ہے یا جسے اللہ کے ساتھ حرف واو کے ذریعے شریک کررہا ہے وہ بھی ایسی

چیزوں پر قادر رہے جن پر صرف اللہ قادر رہے، تو یہ شرک اکبر ہے، اللہ اسے کبھی معاف نہیں کرسکتا۔

- اور اگر اسکا اعتقاد یہ ہیکہ ساری چیزیں اللہ کے ہاتھ میں، اور وہ جسکی قسم کھا رہا ہے وہ اللہ کے درجے میں نہیں ہے، اور نہ ہی ایسی چیزوں پر وہ قادر رہے جن پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں ہوسکتا، بلکہ اس نے یہ قسم یونہی عادت اور عرف کے اعتبار سے کھائی ہے، تو یہ شرک اصغر ہوگا، اور یہ معلوم رہے کہ شرک اکبر کے بعد یہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے، کیونکہ یہ شرک اکبر تک پہونچا سکتا ہے۔

اور اسی طرح کے الفاظ آج کل لوگوں کے اندر عام ہیں جیسے کہ لوگ کہتے ہیں: (میری اور آپ کی زندگی کی قسم!)، (میری امانت کی قسم)، (کعبے کی قسم)، اور جیسا کہ بعض لوگ حجاز میں کہتے ہیں: (گنبد حضراء کی زندگی کی قسم)، (میرے شرف اور کعبہ کی قسم)، اور اس طرح کے دوسرے شرکیہ جملے جو لوگوں میں عام ہیں، اگر قسم کھانے والا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جس کی وہ قسم کھا رہا ہے وہ اللہ کی طرح تعظیم کے لائق ہے یا اسے بھی کائنات میں کچھ تصرف حاصل ہے، تو یہ شرک ہوگا، معاملہ بہت سنگین ہوجائے گا۔

بہر صورت اگر ایسا کہیں ہوتا ہے تو یہ بعینہ شرک ہے جسکے خاتمے کیلئے رسولوں کو مبعوث کیا گیا اور جسکی وجہ سے کتابوں کو اتارا گیا، اس لئے ایسی چیزوں سے بچنا اور لوگوں کو آگاہ کرنا بالخصوص عورتوں کو آگاہ کرنا ضروری ہے، اس لئے کہ انہیں اس طرح کے دروس اور مواعظ بہت مشکل سے پہونچتے ہیں۔

اسی طرح کا معاملہ زہد، نیتوں، حلال، عیال، امانت، شرف، زندگی اور نعمت کی قسم کھانا بھی ہے، یہ سب شرک ہے، چنانچہ کوئی نبی مرسل ہو یا کوئی مقرب فرشتہ ہو ہم کسی کی بھی قسم نہیں کھا سکتے، ان سب سے دور رہنا ضروری ہے کہ یہ شرک اکبر بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ تفصیل گزری ہے، اور کم از کم شرک اصغر ہوگا، اسلئے ضروری ہے کہ ہم اس سے دور رہیں، اور دوسروں کو آگاہ کریں، اور کسی کو کہتے ہوئے سنیں تو اس پر نکیر کریں۔

یہاں مصنف نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر کوئی قسم کھاتا ہے کہ (میں اللہ اور تمہاری قسم کھاتا ہوں) یہ ہلکا ہے اسکے یہ کہنے سے: (جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں)، اور بندے کی مشیت ہوتی ہے پھر بھی اس پر سخت نکیر کی گئی مگر جس کی کوئی مشیئت ہی نہیں ہوتی اگر کوئی اسکی قسم کھاتا ہے تو معاملہ کس قدر سنگین ہوگا، جیسے نباتات، حجر وشجر اور کعبہ، گنبد خضراء اور مزارات وغیرہ۔

چنانچہ اگر عادت اور عرف ہی کے مطابق اگر سماج میں ایسی چیزیں پائی جاتی ہیں تو ہمیں اس سے آگاہ رہنا چاہئے اور دوسروں کو بھی آگاہ کرنا چاہیئے، کیونکہ یہ بہت ہی سنگین ہے، اللہ کی توحید سے متعارض اور مخالف ہے، بلکہ اس سے بالکلیہ منافی

ہے،اور اگر اسے شرک اصغر کی قسموں میں مانیں گے تو کم از کم کمال توحید کے منافی ہے۔

❁❁❁

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وبالجملة فالعبادة المذكورة في قوله تعالى: {إِيَّاكَ نَعْبُدُ} هي السّجود، والتوكّل، والإنابة، والتّقوى، والخشية، والتّوبة، والنّذور، والحلف، والتّسبيح، والتّكبير، والتّهليل، والتّحميد، والاستغفار، وحلق الرأس خضوعا وتعبّدًا، والدعاء، كل ذلك محض حق الله - تعالى -.

وفي مسند الإمام أحمد: أن رجلاً أتي به إلى النبي صلّى الله عليه وعلى آله وسلّم قد أذنب ذنبا، فلما وقف بين يديه قال: اللهم إني أتوب إليك ولا أتوب إلى محمّد، فقال صلى الله عليه وسلم: "عرف الحق لأهله". وأخرجه الحاكم من حديث الحسن عن الأسود بن سريع وقال: "حديث صحيح".

ترجمہ: منجملہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ عبادت جس کا ذکر اللہ کے قول: (ایاک نعبد) میں اور نبی اکرم ﷺ کے جواب میں ہے وہ سجدہ، توکل، انابت ورجوع، تقوی، خشیت، توبہ، نذر، قسم کھانا، تسبیح، تکبیر، تہلیل، تحمید، استغفار، عبادت سمجھ کر سر منڈوانا، مدد کیلئے پکارنا، یہ سب عبادت میں شامل ہے اور صرف اور صرف اللہ کا حق ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص کو نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا جس نے کوئی گناہ کیا تھا، اسے آپ ﷺ کے سامنے کھڑا کیا گیا تو وہ کہنے لگا کہ اے اللہ میں آپ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں محمد سے توبہ نہیں کرتا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے حقدار کا حق پہچان لیا۔

الشرح:

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے عبادت کی بعض قسموں کی طرف اشارہ کیا ہے، کیونکہ اللہ کے قول: (ایاک نعبد) کے جو

عبادتیں شامل ہیں انکا شمار نہیں کیا جاسکتا، اسی لئے مصنف نے یہاں پر جو بھی ذکر کیا ہے وہ چند مثالیں ہیں، اور اسی لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے عبادت کی تعریف میں کہا ہے کہ وہ سارے باطنی اور ظاہری اعمال واقوال کا مجموعہ جن سے اللہ راضی اور خوش ہو اور انہیں پسند کرے۔

چنانچہ جو بھی اس تعریف میں آئے گا وہ عبادت کے تحت داخل ہو جائے گا، جیسے نماز، روزہ، زکاۃ، خشیت، انابت، استعانہ، استغاثہ، سجود، رکوع، خضوع، خشوع، رجاء، استعاذہ، وغیرہ وغیرہ، حتی کہ حرکات میں بھی جیسے جھکنا، سر نیچے کرنا اور زمین پر پیشانی رکھنا وغیرہ، جیسا کہ بعض لوگ بڑوں کے سامنے یا اپنے شیوخ اور پیروں کے سامنے کرتے ہیں، ان کے سامنے سجدہ اور رکوع کرتے ہیں، یہ سب بہت ہی سنگین ہے جن میں اکثر صوفی طبقہ ملوث ہے جنہوں نے بھولی عوام کو اپنی جال میں اور شرک جیسے فتنے میں پھنسا رکھا ہے۔

اور بعض ملکوں میں کچھ لوگ جو اپنی نسبت دعوت سے کرتے ہیں اور دعوت دین کیلئے نکلتے بھی ہیں، انہیں ہم نے دیکھا ہے کہ وہ اپنے مشائخ کے سامنے رکوع کرتے ہیں جیسے اللہ کیلئے رکوع کیا جاتا ہے، اور ایسی حرکتیں کرتے ہیں جو بالکل ناجائز ہیں، آپ بھی اگر جائیں گے تو یہ سنگین شرکیہ اعمال دیکھیں گے، بعض تو ایسے ہوتے ہیں جو کچھوے کی طرح رینگتے ہوئے اپنے شیخ کے پیر میں گرتے ہیں، اور بعض جب اپنے شیخ کی خدمت میں پہونچتے ہیں تو رکوع کرتے ہیں، حتی کہ ایک بار ہم نے ایسے ہی ایک ملک میں علمی دورہ کیا تو انہیں صوفیوں میں سے کچھ لوگ ہم سے ملنے آئے تو ہمارے سامنے بھی جھکنے لگے تو ہم نے انہیں ڈانٹا اور انکی ملامت کی اور سمجھایا کہ یہ بالکل جائز نہیں ہے، یہ صرف اللہ کیلئے جائز ہے، پھر جب ہم نے ان سے سوال کیا تو بتلایا کہ ہمارے شیوخ نے ہمیں ایسے ہی سکھایا ہے، چنانچہ ہم نے پایا کہ یہ صوفی سلسلوں والے وہ لوگ جو اپنی نسبت دعوت دین سے کرتے ہیں منہج سلف سے سب سے زیادہ دور ہیں۔

ایک مسلمان اپنا سر صرف اللہ کے سامنے جھکاتا ہے، وہ سجدہ صرف اللہ کیلئے کرتا ہے، وہ مدد صرف اللہ سے مانگتا ہے، وہ پناہ صرف اللہ کی مانگتا ہے، وہ اپنی ضرورتوں کو صرف اللہ کے سامنے رکھتا ہے، اور جو اللہ سے اعراض کرتا ہے تو اللہ اسکا معاملہ اسی کے حوالے کر دیتا ہے جس سے وہ اپنا دل جوڑتا ہے، والعیاذ باللہ، اور اگر اللہ کسی کا ساتھ چھوڑ دے اور دوسرے کے حوالے کر دے تو کون ہے جو اسے پناہ دے سکتا ہے!

اسی لئے صحیح حدیث میں یہ ثابت ہے:

عَنْ عِيسَى بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُكَيْمٍ أَبِي مَعْبَدٍ الْجُهَنِيِّ أَعُودُهُ وَبِهِ حُمْرَةٌ، فَقُلْنَا: أَلَا تُعَلِّقُ شَيْئًا، قَالَ: الْمَوْتُ أَقْرَبُ مِنْ ذَلِكَ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَنْ

تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ"۔

ترجمہ: عیسیٰ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عکیم ابومعبد جھنی کے ہاں ان کی عیادت کرنے گیا، ان کو (حمرۃ) کا مرض تھا، ہم نے کہا: کوئی تعویذ وغیرہ کیوں نہیں لٹکا لیتے ہیں؟ انہوں نے کہا: موت اس سے زیادہ قریب ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کوئی چیز لٹکائی وہ اسی کے سپرد کر دیا گیا"۔(۱)

(حمرہ) ایک قسم کا وبائی مرض ہے جس کی وجہ سے بخار آتا ہے، اور بدن پر سرخ دانے پڑ جاتے ہیں۔

خواہ کوئی اپنا تعلق کسی بت سے بنائے یا مجسمے سے، یا کوئی تعویذ لٹکائے یا کوئی کوئی دوسری چیز، یا کوئی اپنا تعلق کسی شیخ سے جوڑے یا کسی انسان سے، خواہ وہ کوئی بھی مخلوق ہو، اگر یہ تعلق عبادت جیسی ہے تو اللہ کے ساتھ شرک ہوگا، اسی کو عبادت کہتے ہیں اور عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں، چنانچہ عبودیت میں جو اللہ کا مقابلہ کرے اور لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف دعوت دے جیسا کہ صوفی سلسلوں کے شیوخ کرتے ہیں، کہ ان کے لئے رکوع وسجدہ کرتے ہیں مگر بسا اوقات وہ جمعہ وجماعت کیلئے مسجدوں میں حاضری نہیں دیتے مگر خانقاہوں میں اپنے پیروں کیلئے حاضری ضرور دیتے ہیں، ان کا جو پیر ہوتا ہے وہ اپنے حجرے میں بیٹھا رہتا ہے وہ کبھی جمعہ وجماعت میں شامل نہیں ہوتا مگر اسکے مرید آکر اس کے سامنے سجدہ اور رکوع کرتے ہیں، اسکا ہاتھ پیر چومتے ہیں۔

صوفی مشائخ اور اس طرح کے بھٹکے ہوئے دیگر تمام طواغیت کا یہ رویہ رہا ہے چنانچہ انعام الحسن نامی یہ خبیث بھی ایک طاغوت ہے جس کا لوگ سجدہ اور رکوع کرتے ہیں اور گمراہ سلسلوں پر آکر اس سے بیعت کرتے ہیں، ان میں مشہور سلسلے چشتی، نقشبندی، قادری اور سہروردی ہے، یہ سلسلے ہمارے یہاں بھی بعض لوگوں میں پہونچ چکے ہیں، اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

چنانچہ ایک مسلمان جو چاہتا ہے کہ اسکا عمل اللہ کیلئے خالص ہو اس پر واجب ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی سے اپنا تعلق نہ جوڑے گرچہ وہ کوئی مقرب فرشتہ یا نبی مرسل ہی کیوں نہ ہو، اسلئے کہ وہ کسی بھی چیز کے مالک نہیں ہیں، خود آخری پیغمبر رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ حدیث پڑھیں:

۱- جو چیزیں کتاب وسنت سے ثابت نہیں ہیں وہ حرام ہیں، چنانچہ تعویذ گنڈا اور جادو منتر وغیرہ اسی طرح حرام کے قبیل سے ہیں، تعویذ میں آیات قرآنی کا ہونا اس کے جواز کی دلیل نہیں بن سکتی، کیونکہ حدیث میں مطلق لٹکانے کو ناپسند کیا گیا ہے، یہ حکم عام ہے اس کے لیے کوئی دوسری چیز مخصص نہیں ہے۔ بلکہ ایک حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے کوئی تعویذ، گنڈا یا کوئی منکا وغیرہ لٹکایا اُس نے شرک کیا"۔

عَنِ أبي هريرة، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ أُنْزِلَ عَلَيْهِ وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ سورة الشعراء آية 214: " يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ، اشْتَرُوا أَنْفُسَكُمْ مِنَ اللَّهِ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، يَا بَنِي عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، لَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، يَا عَبَّاسَ بْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، لَا أُغْنِي عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُولِ اللَّهِ، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا، يَا فَاطِمَةُ بِنْتَ رَسُولِ اللَّهِ، سَلِينِي بِمَا شِئْتِ، لَا أُغْنِي عَنْكِ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب یہ آیت اتری (وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الأَقْرَبِينَ) ”ڈرا تو اپنے نزدیک کے ناتے والوں کو۔“ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے قریش کے لوگو! تم اپنی جانوں کو اللہ سے مول لو (نیک اعمال کے بدلے) میں اللہ کے سامنے تمہارے کچھ کام نہیں آ سکتا۔ اے عبدالمطلب کے! بیٹو! میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا اللہ کے سامنے۔ اے عباس بیٹے عبدالمطلب کے! میں تیرے کچھ کام نہیں آسکتا اللہ کے سامنے۔ اے صفیہ پھوپھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی! میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا اللہ کے سامنے۔ اے فاطمہ بیٹی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی! تو میرے مال میں سے جو چاہے مانگ لے مگر اللہ کے سامنے میں تیرے کچھ کام نہیں آسکتا۔“

یہ کون ہیں؟ یہ سید الاولین والآخرین ہیں، پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو آپ ﷺ سے کم تر ہیں، اور ان کے چوکھٹ پر جا کر سر جھکاتے ہیں؟!

بہت سے لوگوں کو یہ چیز ہلکی معلوم ہوتی ہے مگر یہ بہت بڑا گناہ ہے اور شرک ہے، اگر آدمی کی اس پر موت آجائے تو اسکی بخشش نہ ہو۔ اللہ ہم سب کو شرک سے بچائے۔

❁❁❁

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وأما الشرك فى الإرادات والنيّات: فذلك البحر الذى لا ساحل له، وقل من ينجو منه، فمن نوى بعمله غير وجه الله - تعالى - فلم يقم بحقيقة قوله: {إِيَّاكَ نَعْبُدُ}، فإن {إِيَّاكَ نَعْبُدُ} هى الحنيفيّة ملّة إبراهيم التى أمر الله بها عباده كلهم، ولا يقبل من أحد غيرها، وهى حقيقة الإسلام: {وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الإِسْلامِ دِيناً فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ}، فاستمسك بهذا الأصل، ورد ما أخرجه المبتدعة والمشركون إليه تتحقق معنى الكلمة الإلهيّة.

فإن قيل: المشرك إنما قصد تعظيم جناب الله - تعالى -، وأنه لعظمته لا ينبغى الدخول عليه إلاّ بالوسائط والشفعاء، كحال الملوك، فالمشرك لم يقصد الاستهانة بجناب الربوبيّة، وإنما قصد تعظيمه، وقال: {إِيَّاكَ نَعْبُدُ}، وإنما أعبد هذه الوسائط لتقربنى إليه، وتدخل بى عليه، فهو الغاية، وهذه وسائل، فلم كان هذا القدر موجبا لسخط الله - تعالى - وغضبه، مخلداً فى النار، وموجبا لسفك دماء أصحابه، واستباحة حريمهم وأموالهم؟، وهل يجوز فى العقل أن يشرع الله - تعالى - لعباده التقرّب إليه بالشفعاء والوسائط، فيكون تحريم هذا إنما استفيد بالشرع فقط، أم ذلك قبيح فى الشرع والعقل، يمنع أن تأتى به شريعة من الشرائع، وما السر فى كونه لا يغفر من بين الذنوب، كما قال تعالى: {إِنَّ اللَّهَ لا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ}؟؟.

ترجمہ: اور جہاں تک ارادوں اور نیتوں میں شرک کا تعلق ہے تو یہ ایک دریا ہے جس کا کوئی ساحل

نہیں، اوراس سے کم ہی لوگ بچتے ہوں گے، چنانچہ جس نے اپنے کسی عمل میں اللہ کی رضا نہیں چاہی اس نے اللہ کے اس قول کو پورا نہیں کیا: (ایاک نعبد)، کیونکہ (ایاک نعبد) ہی ملت ابراہیمی ہے، جس کا حکم اللہ نے اپنے تمام بندوں کو دیا ہے، اس کے سوا کوئی دین مقبول نہیں، یہی اسلام کی حقیقت ہے، ارشاد باری ہے: (اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہوگا)۔

ایک مسلمان اسی دین پر مضبوطی سے عمل پیرا ہوتا ہے، اور بدعتیوں اور مشرکوں نے جو چیزیں ایجاد کررکھی ہیں انہیں رد کردیتا ہے، تو وہی الوہیت کا حقیقی معنی ثابت کرتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ ایک مشرک بھی اللہ کی تعظیم کرتا ہے، اور وہ سمجھتا ہے کہ اللہ کی عظمت کی وجہ سے اس تک وسائل اور واسطوں کے ذریعے ہی پہونچا جاسکتا ہے، جیسے کہ بادشاہوں تک پہونچا جاتا ہے، چنانچہ ایک مشرک جناب توحید خواہ وہ ربوبیت ہو یا الوہیت اسکی توہین نہیں کرتا بلکہ اسکا مقصد اللہ کی تعظیم ہوتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ یہ واسطے اور وسیلے انہیں اللہ کے قریب کردیں گے، اور یہی قربت انکا اصل مقصد ہوتا ہے، باقی دیگر وسائل ہیں، پھر یہ چیز اللہ کے نزدیک ناراضگی کا باعث کیوں ہے، اور اسکی وجہ سے دوزخ میں جانے کا سبب کیوں بنا؟ اس کی وجہ سے جان ومال کو حلال کیوں کیا گیا؟ کیا عقلاً یہ چیز جائز ہے کہ اللہ اپنے بندوں کیلئے یہ مشروع کرے کہ وہ اس سے قریب ہونے کیلئے کسی غیر اللہ کو واسطہ یا وسیلہ بنائیں؟ کیا یہ صرف شرعاً حرام ہے یا شرعاً اور عقلاً دونوں قبیح ہے؟ اور کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالی سارے گناہ کو معاف کردیتا ہے سوائے شرک کے؟ جیسا کہ ارشاد باری ہے: (بیشک اللہ یہ نہیں معاف کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اسکے سوا جس کو چاہے گا معاف کردے گا)۔

الشرح:

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے سب سے پہلے یہ بیان کیا کہ شرک میں سب سے عظیم قسموں میں نیتوں اور ارادوں میں شرک کرنا ہے، اسلئے کہ یہ سب قلبی اعمال ہیں جن پر صرف اللہ ہی مطلع ہوسکتا ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا ہے: {وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ} ترجمہ: اوران میں سے اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، مگر اس حال میں کہ وہ شریک بنانے والے ہوتے ہیں۔

اسلئے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کررہا ہو اور ساتھ ہی دل میں غیر اللہ کو بھی شریک کرے، چنانچہ وہ بظاہر یہ کہتا ہو کہ میں تیری ہی عبادت کرتا ہوں، اور تجھ ہی سے مدد مانگتا ہوں، مگر ساتھ میں وہ غیر اللہ سے مدد بھی مانگے، اور غیر اللہ سے دل بھی لگائے، اور یہ ثابت ہے کہ نیت ہی اصل بنیاد ہے، بلکہ یہی کسی عمل کے صحیح ہونے میں شرط ہے، اگر نیت صحیح ہے تو عمل صحیح ہوگا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:: إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى أَجْسَادِكُمْ وَلَا إِلَى صُوَرِكُمْ، وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ، وَأَشَارَ بِأَصَابِعِهِ إِلَى صَدْرِهِ.

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نہ تمہارے جسموں کو اور نہ تمہاری صورتوں کو دیکھے گا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھے گا اور اشارہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں سے اپنے سینے مبارک کی طرف۔

اور اللہ تعالی نے نیتوں اور انہیں غیر اللہ کی طرف پھیرنے کی سنگینی کو واضح کرتے ہوئے فرمایا: {مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا [18] وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا} ترجمہ: جو شخص اس جلدی والی (دنیا) کا ارادہ رکھتا ہو ہم اس کو اس میں جلدی دے دیں گے جو چاہیں گے، جس کے لیے چاہیں گے، پھر ہم نے اس کے لیے جہنم بنا رکھی ہے، اس میں داخل ہوگا، مذمت کیا ہوا، دھتکارا ہوا۔ [18] اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور اس کے لیے کوشش کی، جو اس کے لائق کوشش ہے، جب کہ وہ مومن ہو تو یہی لوگ ہیں جن کی کوشش ہمیشہ سے قدر کی ہوئی ہے۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ} ترجمہ: جو کوئی آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اس کے لیے اس کی کھیتی میں اضافہ کریں گے اور جو کوئی دنیا کی کھیتی چاہتا ہے اسے ہم اس میں سے کچھ دے دیں گے اور آخرت میں اس کے لیے کوئی حصہ نہیں۔

اور اس کے علاوہ بھی اس باب میں بہت ساری آیتیں ہیں۔ اور حدیثیں بھی اس باب میں بہت ہیں انہیں میں سے یہ حدیث بھی ہے:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّةِ، وَإِنَّمَا لِامْرِئٍ مَا نَوَى، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَتَزَوَّجُهَا، فَهِجْرَتُهُ إِلَى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ ".

ترجمہ: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”عملوں کا اعتبار نیت سے ہے اور آدمی کے واسطے وہی ہے جو اس نے نیت کی، پھر جس کی ہجرت اللہ اور رسول کے واسطے ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور رسول ہی کے لیے ہے اور جس کی ہجرت دنیا کمانے یا کسی عورت کے بیاہنے کے لیے ہے تو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہے“

اور یہ ان عظیم حدیثوں میں سے ایک ہے جن پر دین کی صحت کی بنیاد ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا ہے: {وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ} ترجمہ: اور جو اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والوں سے ہوگا۔

یہ قلبی اعمال زیادہ ہی سنگین ہوتے ہیں، ریاکاری یہیں سے پیدا ہوتی ہے، اور اس کے علاوہ بھی بہت سارے گناہ یہیں سے جنم لیتے ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ نے جب نیتوں اور ارادوں کے اندر شرک کی سنگینی کو واضح کر دیا تو اس پر مرتب ایک سوال کی طرف اشارہ کیا تو اکثر لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوسکتا ہے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ نیت ہی معتبر ہے پھر ہم اس سے کیا کہیں گے جو کسی بت کی پرستش کرتا ہے یا شیوخ و اولیاء اور قبروں میں پڑے مردوں کی پرستش کرتا ہے صرف اسلئے کہ وہ اسے اللہ تک پہونچادیں، وہ انہیں صرف واسطہ اور وسیلہ بناتا ہے، وہ کہتا ہے کہ میری نیت میں اللہ کی عبادت ہے، میں صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں، اور میں جانتا ہوں کہ میرا خالق رازق، مالک اور متصرف سب اللہ ہے، اور یہ ممکن ہی نہیں کہ میں غیر اللہ کی عبادت کروں، میرا مقصد ان بتوں کی پرستش نہیں ہے، بلکہ میں انہیں واسطہ بنانے کیلئے ان کی خدمت میں حاضری دیتا ہوں۔

پھر اسے کیسے کہا جائے کہ یہ مشرک ہے؟ وہ جہنمی ہے اور اللہ اسے معاف نہیں کرے گا؟ آخر اللہ نے اس کیلئے سخت عذاب کی دھمکی کیوں دی ہے؟ حالانکہ وہ بظاہر لوگوں سے کہتا ہے کہ وہ عبادت صرف اللہ کی کرتا ہے اور ان سب کو وہ صرف واسطہ اور وسیلہ مانتا ہے؟

اسکا کیا جواب ہوسکتا ہے؟ اسکی تفصیل مصنف رحمہ اللہ نے خود اگلی عبارت میں واضح کر دی ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

قلنا: الشرك شركان:

شرك يتعلق بذات المعبود وأسمائه وصفاته وأفعاله.

وشرك في عبادته ومعاملته، وإن كان صاحبه يعتقد أنه سبحانه وتعالى لا شريك له في ذاته ولا في صفاته.

وأما الشرك الثاني وهو الذي فرغنا من الكلام فيه، وأشرنا إليه الآن، وسنشبع الكلام فيه إن شاء الله -تعالى-.

أما الشرك الأول: فهو نوعان:

أحدهما: شرك التعطيل، وهو أقبح أنواع الشرك، كشرك فرعون في قوله: {وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ} ؟، وقال: {يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحاً لَعَلِّي أَبْلُغُ الأَسْبَابَ أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لأَظُنُّهُ كَاذِباً}.

والشرك والتّعطيل متلازمان، فكل مشرك معطّل، وكل معطّل مشرك، لكن الشرك لا يستلزم أصل التّعطيل، بل قد يكون المشرك مقراً بالخالق سبحانه وتعالى وصفاته ولكنه معطّله حق التّوحيد.

ترجمہ: ہم نے کہا: شرک کی دو قسمیں ہیں:

ایک شرک وہ ہے جس کا تعلق اللہ کی ذات، اسکے اسماء وصفات اور اسکے افعال سے ہے۔

اور دوسرے وہ جس کا تعلق اسکی عبادت، اسکے معاملے سے ہے، گرچہ شرک کرنے والا یہ اعتقاد رکھے کہ اللہ کی ذات اور اسکی صفات میں اسکا کوئی شریک نہیں ہے۔

جہاں تک دوسرے شرک کا تعلق ہے تو ہم اس پر گفتگو کر کے فارغ ہو چکے ہیں اور ابھی اسکی طرف

اشارہ کیا، اوران شاء اللہ اس پر تفصیلی گفتگو ہوگی۔

اور جہاں تک پہلے شرک کا تعلق ہے تو اسکی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: شرک تعطیل، اور یہ سب سے قبیح شرک ہے، جیسے کہ فرعون کا شرک جس نے کہا تھا: (اور رب العالمین کون ہے؟)، اور جس نے کہا تھا: (اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا، تاکہ میں راستوں پر پہنچ جاؤں۔ [36] آسمانوں کے راستوں پر، پس موسیٰ کے معبود کی طرف جھانکوں اور بے شک میں اسے یقیناً جھوٹا گمان کرتا ہوں)۔

اور شرک اور تعطیل دونوں ایک دوسرے کے لازم ملزوم ہیں، چنانچہ ہر مشرک معطل ہے اور ہر معطل مشرک ہے؛ مگر شرک اصل تعطیل کو لازم نہیں ہے، بلکہ ہوسکتا ہے کہ مشرک خالق اور اسکے صفات کا اقرار کرنے والا ہو مگر اسکے حق توحید کا معطل ہو۔

الشرح:

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے ایک سوال کر کے اس کا خوبصورت جواب دیا ہے اور اس پر کئی فروعی سوالات کھڑا کئے ہیں، اور وہ یہ کہ جو غیر اللہ سے دل جوڑتا ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ اس سنگین اور خطرناک مقام تک یعنی خلود فی النار کے مقام تک کیسے پہونچ جاتا ہے، جبکہ وہ صرف اللہ ہی کا قصد کرتا ہے اور وہ اپنے ان افعال سے محض واسطہ اور وسیلہ بنانا چاہتا ہے، پھر یہ واضح کیا کہ شرک کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ شرک جس کا تعلق رب العالمین کی ذات اور اسکے اسماء وصفات سے ہے۔

دوسرا وہ شرک جس کا تعلق اسکی عبادت اور اسے دوسروں کی طرف پھیر دینے سے ہے۔

اور اسی شرک کے بارے میں مصنف رحمہ اللہ نے زیادہ گفتگو کی ہے، یعنی وہ شرک جس کا تعلق اسکی عبادت اور اسے دوسروں کی طرف پھیر دینے سے ہے، اور یہ واضح کیا ہے کہ حقیقت میں جب ایک مشرک یہ سارے اعمال انجام دیتا ہے تو گویا وہ یہ سوچ رہا ہوتا ہے کہ یہ معاملہ اسی کے لئے خاص ہے جسے وہ واسطہ بنا رہا ہوتا ہے، گویا اسے وہ قدرت حاصل ہے جس پر اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے، گویا اس کے معاملے اور اسکی حالت کو اللہ نہیں جانتا، چنانچہ ایک مشرک جس وقت کسی بت کی

پرستش کر رہا ہوتا ہے یا کسی ولی یا شیخ کو پکار رہا ہوتا ہے، وہ حقیقت میں اللہ کا حق دوسرے کو دے رہا ہوتا ہے، کیونکہ وہ زبان حال سے کہہ رہا ہوتا ہے کہ اللہ میری بات نہیں سنتا ہے، وہ میری حالت نہیں جانتا ہے، اسے میرے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہے وہ بغیر واسطہ کے نہیں سن سکتا، والعیاذ باللہ۔

پھر اس کے بعد مصنف رحمہ اللہ نے پہلے شرک یعنی شرک تعطیل کی تفصیل بیان کی ہے، اور یہ واضح کیا کہ تعطیل اصل شرک ہے، گرچہ ہر تعطیل شرک نہیں ہے؛ مگر تعطیل ہی ہے جو سب سے پہلے شرک کے طور پر متعارف ہوا ہے، پھر اسکی مثال فرعون کے اس قول سے دی ہے: {فَقَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَى} ترجمہ: پس اس نے کہا میں تمہارا سب سے اونچا رب ہوں۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ} ترجمہ: فرعون نے کہا اور رب العالمین کیا چیز ہے؟ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ} ترجمہ: اور فرعون نے کہا اے سردارو! میں نے اپنے سوا تمہارے لیے کوئی معبود نہیں جانا، تو اے ہامان! میرے لیے مٹی پر آگ جلا، پھر میرے لیے ایک اونچی عمارت بنا، تاکہ میں موسیٰ کے معبود کی طرف جھانکوں اور بے شک میں یقیناً اسے جھوٹوں میں سے گمان کرتا ہوں۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا هَامَانُ ابْنِ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ[36] أَسْبَابَ السَّمَاوَاتِ فَأَطَّلِعَ إِلَى إِلَهِ مُوسَى وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ كَاذِبًا وَكَذَلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءُ عَمَلِهِ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيلِ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ} ترجمہ: اور فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لیے ایک بلند عمارت بنا، تاکہ میں راستوں پر پہنچ جاؤں۔ [36] آسمانوں کے راستوں پر، پس موسیٰ کے معبود کی طرف جھانکوں اور بے شک میں اسے یقیناً جھوٹا گمان کرتا ہوں۔ اور اس طرح فرعون کے لیے اس کا برا عمل خوش نما بنا دیا گیا اور وہ سیدھی راہ سے روک دیا گیا اور فرعون کی تدبیر تباہی ہی میں تھی۔

اور اسکے علاوہ بھی بہت سے طواغیت ہیں جنہوں نے ربوبیت اور الوہیت کا دعوی کیا ہے، چنانچہ انہوں نے ان چیزوں کو معطل کر دیا جن کا مستحق رب العالمین ہے اور انہیں ان لوگوں نے اپنی طرف منسوب کرلیا یا ان کے پیروکاروں نے انکی طرف منسوب کر دیا۔

اور اس تعطیل کا ایک دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ ایک شخص ممکن ہے اللہ کی ذات، اسکے اسماء وصفات کا اقرار کرتا ہو مگر وہ

ان چیزوں کو معطل کر رہا ہو جن کا اللہ تعالی مستحق ہے تو اس طرح یہ بھی تعطیل کے درجہ تک پہونچ جاتا ہے، پھر جب ایک حال ایسا آتا ہے کہ اسکے دل میں سوائے اصنام وتماثیل کے اور کچھ نہیں رہتا تو اس وقت وہ اپنے رب کو بھول جاتا ہے اور اس وقت وہ ہر خوشی اور مصیبت میں انہیں غیر اللہ کے پاس پناہ لیتا ہے، اور مختلف قربانیوں کے ذریعے انہیں سے تقرب حاصل کرتا ہے پھر اسے صرف یہی معبودات باطلہ ہی دکھائی دیتے ہیں اور اسکا دل انہیں سے لگ جاتا ہے۔

❁ ❁ ❁

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وأصل الشرك وقاعدته التي يرجع إليها: هو التّعطيل، وهو ثلاثة أقسام:

أحدها: تعطيل المصنوع عن صانعه.

الثاني: تعطيل الصّانع عن كماله الثابت له.

الثالث: تعطيل معاملته عمّا يجب على العبد من حقيقة التّوحيد.

ومن هذا شرك أهل الوحدة، ومنه شرك الملاحدة القائلين بقدم العالم وأبديّته، وأن الحوادث بأسرها مستندة إلى أسباب ووسائط اقتضت إيجادها، ويسمّونها العقول والنفوس.

ومنه شرك معطّلة الأسماء والصفات، كالجهمية والقرامطة وغلاة المعتزلة.

ترجمہ: شرک کی اصل اور اسکی بنیاد جسکا وہ مرجع ہے وہ تعطیل ہے، اور اسکی تین قسمیں ہیں:

پہلی قسم: مصنوع کو اسکے صانع سے معطل کرنا۔

دوسری قسم: صانع کو اسکے صفت کمال سے معطل کرنا۔

تیسری قسم: حقیقت توحید سے متعلق جو امور بندے پر واجب ہیں انہیں معطل کرنا۔

اور اسی سے وحدت الوجود والوں کا شرک بھی ہے، اسی طرح اسی سے ان ملحدوں کا شرک بھی ہے جو کائنات کی قدامت اور اسکی ابدیت کے قائل ہیں، اور یہ کہ تمام حوادث کی بنیاد ایسے اسباب اور واسطے ہیں جو ان کے وجود میں آنے کا متقاضی ہوتے ہیں، اور وہ اسی کو عقول اور نفوس کہتے ہیں۔

اور اسی سے معطلہ کا شرک بھی ہے جو اسماء وصفات کو معطل کرتے ہیں جیسے جہمیہ، قرامطہ اور غالی معتزلہ۔

الشرح:

یہاں مصنف رحمہ اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ تعطیل ہی ہر شرک کا اصل اور بنیاد ہے، اور اسکی چند قسمیں ہیں، پھر اسکی چند مثالیں بھی بیان کی ہیں جن میں مذکورہ تینوں قسمیں داخل ہوجاتی ہیں:

-مصنوع کو اسکے صانع سے معطل کرنا؛ جیسے کہ بندوں کے افعال کے تخلیق کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا، اور جیسے کائنات کی تخلیق کی نسبت نور یا تاریکی کی طرف کرنا۔

-خالق باری کو اسکی مخلوق سے معطل کرنا جیسے کہ وجود باری تعالی کا انکار کرنا۔

-رب العالمین سے متعلق جو امور ہیں اور وہ جن امور وعبادات کا مستحق ہے انہیں معطل کردینا، گرچہ یہ دوسری قسم میں داخل ہے مگر اسکے علاوہ بھی اس میں بہت سی چیزیں داخل ہیں۔

پہلے یہ واضح کرتا چلوں کہ (صانع) کے لفظ کو اللہ رب العالمین کیلئے استعمال کرنے کو سلف ناپسند کرتے تھے اسلئے کہ یہ دخیل ہے، البتہ سلف کبھی کبھی مجبوراً ایسے الفاظ کا استعمال کرتے تھے باطل پرستوں اور اپنے مخالفین پر رد کرنے کیلئے، بطور خاص معطلہ پر رد کرنے کیلئے، اسی لئے سلف جب اسماء وصفات کو ثابت کرتے ہیں تو یہ لفظ استعمال نہیں کرتے، مگر جب اپنے مخالفین جیسے فلاسفہ پر رد کرتے ہیں تو ایسے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں۔

اور ان تینوں قسموں کی نمائندگی وہ فلاسفہ کرتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ خالق اور موجد عقل فعال یا نفوس فعالہ ہیں جن کے فیضان سے یہ کائنات وجود میں آئی ہے، اور جو کائنات کی قدامت کے قائل ہیں، یعنی اسکا کوئی آغاز نہیں ہے، اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو اسے ایسا سلسلہ یا حلقہ بتاتے ہیں جو کبھی ختم ہونے والا نہ ہو، اور یہ وہ دہری فلاسفہ ہیں جو بربادی، موت اور ہلاکت کی نسبت زمانے کی طرف کرتے ہیں ارشاد باری ہے: {وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ} ترجمہ: اور انھوں نے کہا ہماری اس دنیا کی زندگی کے سوا کوئی (زندگی) نہیں، ہم (یہیں) جیتے اور مرتے ہیں اور ہمیں زمانے کے سوا کوئی ہلاک نہیں کرتا، حالانکہ انھیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں، وہ محض گمان کررہے ہیں۔

وحدت الوجود کے قائلین میں ابن عربی، ابن الفارض، ابن سبعین، فارابی، حلاج، ابن سینا اور دوسرے ملحدین اور فلاسفہ ہیں، بعض لوگ تو ان فلاسفہ کو اسلامی اسکالرز کہتے ہیں حالانکہ اسلام میں کوئی فلسفہ نہیں ہے، ان کی حالت تو یہاں تک

پہونچ چکی ہے کہ یہ بندے اور رب ذوالجلال میں کوئی فرق ہی نہیں کرتے، چنانچہ انہیں میں سے ایک شخص کہتا ہے: جو کچھ دکھائی دیتا ہے جوعین وجود باری ہے خواہ وہ آسمان وزمین ہو یا شجر وحجر اور پہاڑ ہوں، اوراس سے بھی خطرناک باتیں یہ کہتے ہیں، چنانچہ ابن عربی کہتا ہے کہ رب ذوالجلال اور بندے کے درمیان وحدت کی سب سے عظیم حالت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی انسان اپنی بیوی سے مباشرت کرتا ہے- اللہ ان کے بکواس سے بری اور بالاتر ہے- یہ سارے کفریہ اور ملحدانہ بالکل واضح ہیں انکی تفسیر کی ضرورت نہیں ہے، اس کے لئے شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتابوں اور ابن القیم کی کتاب (النونیہ) کی طرف رجوع کریں، ان پر اچھی طرح کلام کیا ہے، ایک جگہ ابن القیم کہتے ہیں:

یا أمة معبودها موطوؤها ... أين الإله وثغرة الطعان؟

ترجمہ: وہ قوم جسکا معبود اسکی موطوءہ ہو پھر کہاں ہوگا اسکا معبود اور یہ طعن وتشنیع!

پہلی لائن سے یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ ہر وجود میں موجود ہے، بلکہ اللہ عین وجود ہے، اور وہ ہر چیز ہے، اور ہر چیز اللہ ہے، ان کے یہاں خالق اور مخلوق میں کوئی فرق نہیں ہے، اللہ ان کے قبیح سوچ اور ان گھٹیا بکواسات سے بالاتر ہے۔

انہیں میں سے جہمیہ ہیں جو تمام اسماء وصفات کا انکار کرتے ہیں بایں طور کہ انہوں نے خالق کو اسکے تمام صفات اور اسماء سے معطل کر دیا ہے، اور جب کسی ذات کا اسم وصفت نہ ہو تو وہ ذات ہی معدوم اور غیر موجود ہوگی، اسی طرح بعض غالی معتزلہ اور اکثر موولہ بھی ہیں جو اس باب میں آتے ہیں۔ والعیاذ باللہ

یہ الوہیت اور ربوبیت دونوں میں شرک ہے، کیونکہ سب سے اعمال مختلط ہیں، یعنی جنہوں نے تمام اسماء وصفات کا انکار کیا اور جو وحدت الوجود کے قائل ہیں اور ملحد دہری فلاسفہ جو کائنات کی قدامت کے قائل ہیں ان سب نے ان ساری برائیوں کو جمع کرلیا ہے اسلئے ان سب کے اندر ربوبیت اور الوہیت میں شرک پایا جاتا ہے، بلکہ یہ سب توحید کی تینوں قسموں میں شرک کرتے ہیں گویا انہوں نے تمام برائیوں کو اکٹھا کرلیا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

النوع الثانی: شرك التمثيل، وهو شرك من جعل معه إلهًا آخر، كالنصارى فى المسيح، واليهود فى عزير، والمجوس القائلين بإسناد حوادث الخير إلى النور، وحوادث الشر إلى الظلمة۔

وشرك القدرية والمجوسيّة مختصر منه. وهؤلاء أكثر مشركى العالَم، وهم طوائف جمّة۔

منهم من يعبد أجزاء سماوية۔

منهم من يعبد أجزاء أرضية۔

ومن هؤلاء من يزعم أن معبوده أكبر الآلهة۔

ومنهم من يزعم أن إلهه من جملة الآلهة۔

ومنهم من يزعم أنه إذا خصّه بعبادته والتبتّل إليه أقبل إليه واعتنى به، ومنهم من يزعم أن معبوده الأدنى يقربه إلى الأعلى الفوقانى، والفوقانى يقربه إلى من هو فوقه، حتى تقرّبه تلك الآلهة إلى الله - سبحانه وتعالى -. فتارة تكثر الوسائط، وتارة تقل.

فإذا عرفت هذه الطوائف، وعرفت اشتداد نكير الرّسول صلى الله عليه وسلم على من أشرك به تعالى فى الأفعال والأقوال والإرادات كما تقدّم ذكره، انفتح لك باب الجواب عن السّؤال، فنقول:

اعلم أن حقيقة الشرك: تشبيه الخالق بالمخلوق، وتشبيه المخلوق بالخالق.

أمّا الخالق فإن المشرك شبّه المخلوق بالخالق فى خصائص الإلهيّة، وهى التفرّد بملك الضّر والنفع، والعطاء والمنع، فمن علّق ذلك بمخلوق فقد شبهه بالخالق تعالى، وسوّى بين التراب وربّ الأرباب، فأى فجور وذنب أعظم من هذا؟.

واعلم أن من خصائص الإلهيّة: الكمال المطلق من جميع الوجوه، الذى لا نقص فيه بوجه من الوجوه، وذلك يوجب أن تكون العبادة له وحده عقلاً وشرعا وفطرةً، فمن جعل ذلك لغيره فقد شبّه الغير بمن لا شبيه له، ولشدّة قبحه وتضمّنه غاية الظلم أخبر من كتب على نفسه الرّحمة أنه لا يغفره أبدًا.

ومن خصائص الإلهيّة والعبوديّة التى لا تقوم إلاّ على ساق الحب والذّل، فمن أعطاهما لغيره فقد شبّهه بالله - سبحانه وتعالى - فى خالص حقه. وقُبح هذا مستقر فى العقول والفطر، لكن لما غيّرت الشياطين فطر أكثر الخلق، واجتالتهم عن دينهم، وأمرتهم أن يشركوا بالله ما لم ينزل به سلطانًا، كما روى عن الله أعرف الخلق به وبخلقه، عموا عن قبح الشرك حتى ظنّوه حسنًا.

ومن خصائص الإلهيّة: السّجود، فمن سجد لغيره فقد شبّهه به.

ومنها: التوكل، فمن توكل على غيره فقد شبهه به.

ومنها: التوبة، فمن تاب لغيره فقد شبهه به.

ومنها: الحلف باسمه، فمن حلف بغيره فقد شبّهه به.

ومنها: الذّبح له، فمن ذبح لغيره فقد شبّهه به.

ومنها: حلق الرّأس. إلى غير ذلك.

ترجمہ: دوسری قسم شرک تمثیل ہے، اور اسکے اندر اللہ کے ساتھ دوسرے معبود کو شریک کیا جاتا ہے، جیسے نصاری مسیح کو اور یہود عزیر کو اللہ کے ساتھ شریک کرتے ہیں، اور جیسے مجوس خیر کے حوادث کو نور کی طرف اور شر کے حوادث کو ظلمت کی منسوب کرتے ہیں۔

اور مجوسی قدریہ کا شرک اسی کا خلاصہ ہے، اور یہی لوگ دنیا میں سب سے زیادہ شرک کرتے ہیں، اور ان کے بہت سے فرقے اور گروہ ہیں:

کچھ تو آسمانی اجزاء کی پرستش کرتے ہیں۔

کچھ زمینی اجزاء کی پرستش کرتے ہیں۔

کچھ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا معبود سب سے بڑا ہے۔

کچھ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا معبود بھی منجملہ تمام معبودوں میں سے ایک ہے۔

اور کچھ یہ گمان کرتے ہیں کہ جب وہ اسکی خصوصی طور پر عبادت کرتے ہیں اور اسکی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں تو وہ اسکی طرف دھیان دیتا ہے اور اسکا خیال کرتا ہے۔

اور کچھ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کا چھوٹا معبود بڑے معبود سے اسے قریب کرتا ہے، اور بڑا معبود اسے اس سے بھی بڑے معبود کے قریب لے جاتا ہے یہاں تک کہ وہ تمام معبود اسے اللہ تک پہونچا دیتے ہیں، کبھی یہ واسطے زیادہ ہو جاتے ہیں اور کبھی کم ہو جاتے ہیں۔

جب آپ کو ان گروہوں کی حقیقت کا پتہ چلے گا اور یہ معلوم ہوگا کہ اللہ کے رسول ﷺ اس پر اس قدر شدت سے نکیر کیوں کرتے تھے جو اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک کرتا ہے افعال، اقوال اور ارادات و نیات میں جیسا کہ گزر چکا ہے، تو آپ کو اس سوال کا جواب بھی معلوم ہو جائے گا:

چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ شرک کی حقیقت یہ ہیکہ:

* خالق کو مخلوق سے تشبیہ دینا۔

* اور مخلوق کو خالق سے تشبیہ دینا۔

جہاں تک خالق کا تعلق ہے تو ایک مشرک الوہیت کے خصائص میں مخلوق کو خالق سے تشبیہ دیتا ہے، اوراس کے اندر اللہ نفع ونقصان پہونچانے اور عطا کرنے اور روکنے میں منفرد ہے، چنانچہ اگر کوئی ان خصائص کو کسی مخلوق سے جوڑتا ہے تو اس نے گویا اسے خالق سے تشبیہ دی ہے، اوراس طرح اس نے مٹی میں اور رب الارباب میں برابری پیدا کردی ہے، اس سے بھی بڑا گناہ اور جرم کوئی ہوسکتا ہے؟

جان لو کہ الوہیت کی خصائص میں سے تمام وجوہ سے کمال مطلق ہے جس کے اندر کوئی نقص نہیں ہے، جو یہ واجب کرتا ہے کہ عقلاً، شرعاً اور فطرتاً ہر اعتبار سے عبادت اسی کیلئے ہو، اب جو اسے غیر اللہ کی طرف پھیرے گا وہ غیر کو اللہ کے ساتھ تشبیہ دے گا، اسکی شدید قباحت اور انتہا درجے کے ظلم کی وجہ سے اللہ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ اسے کبھی معاف نہیں کرے گا۔

اور الوہیت کی خصوصیتوں میں سے عبودیت بھی ہے جو محبت اور انکساری پر قائم ہے، اب جو ان دونوں کو غیر اللہ کی طرف پھیرے گا وہ اسے خالق سے تشبیہ دے گا اسکے خالص حق میں، اوراسکی قباحت عقل اور فطرت دونوں میں پائی جاتی ہے، لیکن چونکہ شیاطین نے اکثر لوگوں کی فطرت کو بدل دیا ہے اور انکے دین کو اچک لیا ہے اور انہیں اللہ کے ساتھ شرک کرنے پر ابھار دیا ہے اور جسے اللہ کے تعلق سے سب سے زیادہ جاننے والے نے بیان کیا ہے، اسی لئے یہ شرک کی قباحت سے بے خبر اور اندھے ہوگئے حتی کہ اسی کو نیکی سمجھ لیا۔

اور الوہیت کی خصوصیتوں میں سے سجود بھی ہے، چنانچہ جو غیر اللہ کا سجدہ کرے گا تو وہ اس میں اسے تشبیہ دے گا۔

اور اسی میں سے توکل بھی ہے، چنانچہ جو غیر اللہ پر توکل کرے گا وہ اس میں اسکی تشبیہ دے گا۔

اور اسی میں سے توبہ بھی ہے، چنانچہ جو غیر اللہ سے توبہ کرے گا وہ اس میں اسکی تشبیہ دے گا۔

اور اسی میں تعظیم کے طور پر قسم کھانا بھی ہے، چنانچہ جو غیر اللہ کی قسم کھائے گا وہ اس میں اسکی تشبیہ دے گا۔

اور اسی میں سے ذبیحہ کرنا بھی ہے، چنانچہ جو غیر اللہ کیلئے ذبیحہ کرے گا وہ اس میں اسکی تشبیہ دے گا۔

اور اسی میں سے سر کا منڈوانا بھی ہے، وغیرہ وغیرہ۔

الشرح:

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ پہلے سوال کا جواب دے رہے ہیں یعنی اللہ کے حق کو غیر اللہ کی طرف پھیرنے کو شرک کیوں مانا گیا؟ باوجود یکہ یہ مشرک یہ اعتراف کرتا ہے کہ اللہ موجود ہے اور کہتا ہے کہ وہ اللہ ہی کی عبادت کرتا ہے البتہ وہ دوسرے معبودوں کو اللہ تک پہونچنے کا وسیلہ مانتا ہے۔

اسکا جواب دینے سے پہلے اس پہلو کو اجاگر کیا کہ کس طرح غیر اللہ کی پرستش ایک سنگین مسئلہ ہے، دہری ملحد فلاسفہ کا مذہب، اور جو لوگ غیر اللہ سے تعلق بناتے ہیں اور تمام گروہوں کی سنگینی اور خطرناکی جو اس باب میں بھٹک چکے ہیں، جن میں وہ بھی ہیں جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اور جو خالق کو مخلوق سے تشبیہ دیتے ہیں، اور جو مخلوق کو خالق سے تشبیہ دیتے ہیں، مثلاً یہودی کہتے ہیں عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، ارشاد باری ہے: {وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ} ترجمہ: اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ یہ ان کا اپنے مونہوں کا کہنا ہے، وہ ان لوگوں کی بات کی مشابہت کر رہے ہیں جنھوں نے ان سے پہلے کفر کیا۔ اللہ انھیں مارے، کدھر بہکائے جا رہے ہیں۔

اور ایک مشرک بوصیری کہتا ہے:

فإن من جودك الدنيا وضرتها ... ومن علومك علم اللوح والقلم

تیرے جود وسخا ہی سے دنیا اور آخرت ہے، اور تیرے علوم ہی سے لوح وقلم کا علم ہے۔

اور اس جیسے دوسرے شرکیہ الفاظ؛ گویا کہ اس نے لوح وقلم کے علوم کو جو کہ صرف اللہ ہی جانتا ہے اسے رسول اللہ ﷺ

کے علم سے ماخوذ بتارہا ہے، اور یہ کہ دنیا اور آخرت سب رسول اللہ ﷺ کے جود وسخا سے ہے، پھر آخر اللہ کیلئے کیا بچا ہے؟! اور پھر اس کی اس بات اور یہودیوں اور عیسائیوں کے اس قول میں کیا فرق ہے جو کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، اور مسیح اللہ کے بیٹے ہیں، یا کہتے ہیں کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے، یا کہتے ہیں کہ اللہ فقیر اور ہم مالدار ہیں؟! یعنی کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ ان لوگوں نے تین معبود بنالیا: باپ، بیٹا اور روح القدس، اور اللہ کو ان تینوں میں سے ایک معبود بنادیا، مگر یہ تو کہتا ہے:

يَا أَكْرَمَ الرُّسُلِ مَا لِي مَن أَلُوذُ بِهِ ... سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الحَادِثِ العَمِمِ

ترجمہ: اے مکرم رسول! میں تیرے سوا کس کی پناہ میں جاؤں اس وقت جب مجھ پر کوئی مصیبت آئے؟!

اس نے تو اللہ کیلئے کچھ چھوڑا ہی نہیں، اس نے سب کچھ رسول ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا۔

اسی طرح جو لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اولیاء کائنات میں تصرف کرتے ہیں جیسا کہ روافض اور صوفی سلسلے کے ماننے والے عقیدہ رکھتے ہیں، اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ ان کے اولیاء ایسی چیزوں پر قادر ہیں جن پر اللہ کے سوا کوئی قادر نہیں ہوسکتا، بلکہ ان کا گمان ہے کہ ان کے اولیاء انبیاء ومرسلین سے بھی زیادہ افضل ہیں، بلکہ بعض صوفی کہتے ہیں کہ ولی ہی کائنات کے اندر تصرف کرتا ہے، بلکہ وہ آسمان وزمین کے اندر تصرف کرتا ہے، اور کوئی ولی اپنی اجازت کے بغیر نہیں مرتا، اور وہ قیامت کے دن آئے گا اور اپنے خیمے کو جہنم کی پشت پر لگائے گا اور اپنے پیروکاروں کو جہنم میں جانے سے بچائے گا، اور اس طرح بہت سی سنگین اور خطرناک باتیں کفر والحاد کی حد تک پہونچ جاتی ہیں، بلکہ جن کی نسبت اللہ کے سوا کسی کی طرف نہیں کرسکتے انکے انکار تک معاملہ پہونچ جاتا ہے۔

اسکے بعد مصنف رحمہ اللہ نے جواب دیا ہے، اور اللہ کے کچھ خصائص بیان کئے ہیں، اور یہ کہ ان کے یہ سارے اعمال کیسے ان خصائص سے متعارض ہیں:

* اللہ کیلئے کمال مطلق ہے؛ یعنی اللہ کی ذات، اسکے اسماء وصفات میں کمال پایا جاتا ہے، چنانچہ جس نے بھی کسی کو اس میں اللہ سے تشبیہ دی یا اسکے اسماء وصفات کا انکار کیا یا اسکے حق کو غیر اللہ کی طرف پھیرا تو اس نے اس کمال کا انکار کیا۔

* تمام عبادتیں اسکے لئے خاص ہیں، خواہ وہ دعاء ہو، عاجزی وانکساری ہو، خوف ورجاء ہو، ذبح ونذر ہو یا قسم کھانا ہو، یہ ساری چیزیں گزر چکی ہیں مگر مصنف نے بہت ہی عظیم اور بہتر طریقے سے دہرایا ہے تاکہ قاری کے ذہن میں راسخ ہوجائے۔

ذبیحہ اللہ کے سوا کسی کیلئے جائز نہیں ہے، ارشاد باری ہے: {قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ[162] لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ} ترجمہ: کہہ دے بے شک میری نماز اور

میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے، جو جہانوں کا رب ہے۔[162] اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی کا حکم دیا گیا ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سب سے پہلا ہوں۔

نذر بھی اللہ کے سوا کسی کیلئے جائز نہیں ہے، ارشاد باری ہے: {وَمَا أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ} ترجمہ: اور تم جو بھی خرچ کرو، کوئی خرچ، یا نذر مانو، کوئی نذر تو بے شک اللہ اسے جانتا ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مدد کرنے والے نہیں۔

استغاثہ بھی اللہ کے سوا کسی کیلئے جائز نہیں ہے، ارشاد باری ہے: {إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ} ترجمہ: جب تم اپنے رب سے مدد مانگ رہے تھے تو اس نے تمھاری دعا قبول کرلی کہ بے شک میں ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ تمھاری مدد کرنے والا ہوں، جو ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ہیں۔

استغاذہ بھی اللہ کے سوا کسی کیلئے جائز نہیں ہے، ارشاد باری ہے: {قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ[1] مَلِكِ النَّاسِ[2] إِلَٰهِ النَّاسِ} ترجمہ: تو کہہ میں پناہ پکڑتا ہوں لوگوں کے رب کی۔[1] لوگوں کے بادشاہ کی۔[2] لوگوں کے معبود کی۔ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ[1] مِن شَرِّ مَا خَلَقَ} ترجمہ: تو کہہ میں مخلوق کے رب کی پناہ پکڑتا ہوں۔[1] اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔ دونوں مکمل سورتیں۔

دعاء، سجود، رکوع، خضوع، خشوع اور انابت ورجوع اور وہ تمام ظاہری و باطنی اعمال واقوال جنہیں اللہ پسند کرتا ہے اور ان سے راضی ہوتا ہے اگر کوئی انہیں غیر اللہ کی طرف پھیرتا ہے تو حقیقت میں وہ ظالم ہے، گرچہ اسے اسکا احساس نہ ہو، اگر آپ اس سے پوچھیں گے تو وہ کہے گا: میں نے تو صرف اللہ ہی کا قصد کیا ہے، سوال یہی ہے کہ اگر آپ صرف اللہ ہی کو قصد کرتے ہیں تو بیچ میں یہ دوسرے کہاں سے آجاتے ہیں، اور ان چیزوں کی نسبت غیر اللہ کی طرف کیوں کی جاتی ہے جن کی نسبت اللہ کے سوا کسی کی طرف کرنا جائز نہیں ہے؟! اور ایسی چیزوں کو کیوں غیر اللہ سے مانگ رہے اور ان سے امید کر رہے ہو جنہیں صرف اللہ ہی سے مانگا جاسکتا ہے اور اسی سے امید کی جاسکتی ہے؟!

پھر آخر اللہ کیلئے آپ نے چھوڑا ہی کیا ہے؟

اسی میں مصنف رحمہ اللہ نے سر منڈوانے کا بھی ذکر کیا ہے، اسلئے کہ مشرکوں کی یہ عادت تھی کہ وہ اپنے معبودوں کے پاس جاکر تقرب کی خاطر اپنے سروں کو منڈواتے تھے، اس اعتبار سے سر منڈوانا عبادت ہے، جبکہ ہمارے یہاں سر منڈوانا عبادت ہے مگر حج وعمرہ میں، مگر یہ لوگ کسی قبر پر مزار پر جاکر سر منڈواتے ہیں جہاں غیر اللہ کی پرستش ہوتی ہے، وہاں جاکری

اس پیر کیلئے یہ بکرے ذبح کرتے ہیں، بیل، اونٹ اور مرغے ذبح کرتے ہیں، اور اپنا سر منڈواتے ہیں، چنانچہ سر منڈوانا ان کے یہاں ایک عبادت ہے، جس طرح ہمارے یہاں حج وعمرہ میں عبادت ہے۔

چنانچہ بدھسٹ، ہندو اور بہت سے لوگ جو خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں سب قبروں، مزاروں اور استھانوں پر جا کر سر منڈواتے ہیں اور اسے عبادت اور تقرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

هذا فی جانب التّشبیه. وأمّا فی جانب التّشبّه: فمن تعاظم وتکبّر، ودعی النّاس إلی إطرائه ورجائه ومخافته؛ فقد تشبّه بالله ونازعه فی ربوبیّته، وهو حقیق بأن یهینه الله غایة الهوان، ویجعله کالذّر تحت أقدام خلقه.

وفی الصحیح عنه صلی الله علیه وسلم أنه قال: "یقول الله عزّ وجل: العظمة إزاری، والکبریاء ردائی، فمن نازعنی فی واحدٍ منهما عذّبته ولا أبالی".

وإذا کان المصوّر الذی یصنع الصور بیده من أشد النّاس عذابًا یوم القیامة لتشبّهه بالله فی مجرّد الصّنعة، فما الظّن بالمشبّه بالله فی الربوبیّة والإلهیّة؟، کما قال صلی الله علیه وسلم: "أشدّ النّاس عذابا یوم القیامة المصوّرون، یقال لهم: أحیوا ما خلقتم".

وفی الصحیح عنه صلی الله علیه وسلم أنه قال: "یقول الله عزّ وجل: ومن أظلم ممن ذهب یخلق کخلقی؟، فلیخلقوا ذرّةً فلیخلقوا شعیرةً". فنبّه بالذّرة والشعیرة علی ما هو أعظم منهما.

وکذلك: من تشبّه به تعالی فی الاسم الذی لا ینبغی إلاّ له، کملك الملوك، وحاکم الحکّام، وقاضی القضاة، ونحوه.

وقد ثبت فی الصحیح عن النبی صلی الله علیه وسلم أنه قال: "إن أخنع الأسماء عند الله رجلٌ تسمّی بشاهان شاه، ملك الملوك، لا مالك إلاّ الله". وفی لفظ: "أغیظ رجلٍ عند الله رجلٌ تسمّی ملك الأملاك".

ترجمہ: یہ تشبیہ کا پہلو تھا، اور جہاں تک تشبہ اور مشابہت کا پہلو ہے تو جو بظاہر بڑا بنے، تکبر کرے

اور لوگوں کو اپنے گھمنڈ، امید اور خوف کی طرف دعوت دے تو گویا اس نے اللہ کے ساتھ مشابہت اختیار کی اور اسکی ربوبیت میں اسکا مقابلہ کیا، چنانچہ وہ اب اس لائق ہے کہ اللہ تعالی اسے بری طرح ذلیل ورسوا کرے یہاں تک کہ قیامت کے دن اسے اپنی مخلوق کے پیر کے نیچے چیونٹی بنا کر روندا دے۔

اور صحیح حدیث کے اندر وارد ہوا کہ ہے اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: عظمت میرا ازار اور تکبر میری چادر ہے، ان میں سے کسی میں بھی اگر کوئی میرا مقابلہ کرے گا تو میں اسے سخت عذاب دوں گا اور مجھے اسکی کوئی پرواہ نہیں ہوگی۔

اور وہ مصور جو اپنے ہاتھ سے تصویریں بناتا ہے مجرد صنعت اور کاریگری میں اللہ کی مشابہت اختیار کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن اللہ اسے سب سے زیادہ عذاب دے گا پھر کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں جو اللہ کی مشابہت اختیار کرے اسکی ربوبیت اور الوہیت میں؟ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: (قیامت کے روز سب سے زیادہ عذاب تصویر بنانے والوں کو ہوگی ان سے کہا جائے گا: جسے تم نے پیدا کیا ہے اسے تم زندہ کرو۔

اور صحیح روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس سے زیادہ کون قصوروار ہوگا جو میری مخلوق کی طرح بنانے کا قصد کرے اچھا بنا دیں ایک چیونٹی یا ایک دانہ گیہوں کا یا جو کا۔ یہاں پر جو اور گیہوں کے دانے سے ان سے بڑی چیزوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اسی طرح وہ شخص بھی ہے جو اللہ کی مشابہت اختیار کرتا ہے ان ناموں میں جو کہ اس کے علاوہ اور کسی کیلئے جائز نہیں ہے جیسے شاہان شاہ، حاکموں کا حاکم اور قاضیوں کا قاضی وغیرہ۔

جیسا کہ صحیح روایتوں میں ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ ذلیل اور برا نام اللہ تعالیٰ کے پاس اس شخص کا ہے جس کو لوگ ملک الملوک یعنی شاہان شاہ کہیں۔ اور ایک ایک روایت میں الفاظ کچھ اس طرح ہیں: سب سے زیادہ غصہ اللہ تعالیٰ کو قیامت کے دن یا سب سے زیادہ ناپاک شخص

اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہوگا جس کو بادشاہوں کا بادشاہ کہا جاتا ہو کوئی مالک نہیں سوائے اللہ کے۔

الشرح:

اوپر جو اکثر باتیں گزری ہیں ان کا تعلق خالق کا مخلوق کے ساتھ تشبیہ سے تھا کیونکہ ان میں خالق کے حق کو مخلوق کی طرف پھیرا گیا تھا۔

اور یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے تشبہ اور مشابہت اختیار کرنے کی بات کی ہے، اور تشبہ کہتے ہیں بڑا بننے کو، تعلی پرستی کو جو کہ تکبر کے درجے تک پہونچ جاتا ہے، اور اسی سے وہ لوگ بھی ہیں جو خود اپنی پرستش کی طرف دعوت دیتے ہیں، جیسے کہ ان صوفی سلسلے والوں کے پیر جو خود کو شارع سمجھتے ہیں یا انہیں شارع سمجھا جاتا ہے ایسا لگتا ہے کہ وہی لوگوں کو اللہ تک پہونچاتے ہیں اور وہ اس سے راضی بھی ہوتے ہیں، جیسے کہ وہ شخص جو اپنی پرستش کی طرف دعوت دے، اسی لئے بعض مرغنی شیوخ کہتے ہیں: جب تم کسی مصیبت اور غم میں مبتلا ہو جاؤ تو مجھے پکارو میں تیزی سے تمہارے پاس پہونچ جاؤں گا۔

سوال یہ ہیکہ مصیبت اور غم کے وقت کسے پکارا جاتا ہے؟ وہ اللہ ہے جسے مصیبت کے وقت پکارا جاتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ} ترجمہ: اور تمھارے رب نے فرمایا مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کروں گا۔ بے شک وہ لوگ جو میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ} ترجمہ: اور جب میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو بے شک میں قریب ہوں، میں پکارنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے، تو لازم ہے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں، تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

یہ سارے صوفی سلسلے کے پیر اور دیگر طواغیت جو لوگوں کو اپنی پرستش کی طرف دعوت دیتے ہیں ان کا مقصد صرف لوگوں کا مال باطل طریقے سے کھانا ہوتا ہے، اسی میں وہ کاہن، جادوگر، شعبدہ باز بھی داخل ہو جائیں گے جو لوگوں کے علاج معالجے اور انکی قسمت سدھارنے کے نام پر لوگوں کو اپنی پرستش کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

اور جب یہ حال ہیکہ اللہ تعالی نے اس شخص پر سخت نکیر کی ہے جو معمولی درجے میں خود کو معبود بننے کی کوشش کرتا ہے

جیسے کہ تصویر بنانے والے، کیونکہ وہ خود کو اس وقت معبود نہیں سمجھتے ہیں مگر ان کا کام وہی ہوتا ہے، پھر بھی اللہ نے انہیں سخت عذاب کی دھمکی دی ہے حتی کہ وہ قیامت کے روز ان چیزوں میں روح پھونکنے کے مکلف کئے جائیں گے جن کی وہ تصویریں بنایا کرتے تھے، اللہ نے ان پر سخت نکیر اور سخت دھمکی اسلئے دی ہے کیونکہ وہ تخلیق میں اللہ کی مشابہت اختیار کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرح ہو جائیں، اور گویا وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ بھی ایسی چیزوں پر قادر ہیں جن پر سوائے اللہ کے کوئی قادر نہیں ہو سکتا۔

اور اس تعلق سے حدیثیں بہت ہیں، انہیں میں سے یہ حدیث بھی ہے:

عَنْ أَبِي زُرْعَةَ ، قال: دَخَلْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِي دَارِ مَرْوَانَ، فَرَأَى فِيهَا تَصَاوِيرَ، فَقَالَ: سمعت رسول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ يَخْلُقُ خَلْقًا كَخَلْقِي فَلْيَخْلُقُوا ذَرَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا حَبَّةً أَوْ لِيَخْلُقُوا شَعِيرَةً ".

ترجمہ: سیدنا ابوزرعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مروان کے گھر میں گیا، وہاں تصویریں تھیں۔سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے:" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اس سے زیادہ کون قصوروار ہوگا جو میری مخلوق کی طرح بنانے کا قصد کرے اچھا بنا دیں ایک چیونٹی یا ایک دانہ گیہوں کا یا جو کا۔

اس کا مفہوم یہ ہیکہ تصویر بنانے والوں نے ایسے گناہ کئے ہیں کہ یہ ان لوگوں کے مقام تک پہونچ چکے ہیں جن کے بارے میں مصنف رحمہ اللہ نے واضح کیا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنی پرستش کی طرف دعوت دیتے ہیں، مگر مصنف رحمہ اللہ ان احادیث کو پیش کر کے کیا چاہتے ہیں؟ آپ یہ چاہتے ہیں کہ جب تصویر بنانے والے جن کا مقصد تخلیق باری کی مشابہت نہیں ہوتی ہے ان کا یہ حال ہے کہ انہیں اس قدر سخت وعید سنائی گئی ہے، پھر ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو بالقصد اللہ کا مقابلہ کرتے ہیں، اور جان بوجھ کر لوگوں کو اپنی پرستش کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

اور اس مناسبت سے اختصار کے ساتھ میں تصویرکشی کے مسئلے پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں، آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ اس وقت لوگ کس قدر تصویروں اور تصویرکشی کے فتنے میں مبتلا ہو چکے ہیں، اور بلاشبہ تصویرکشی اپنے تمام انواع واشکال کے ساتھ حرام ہے، یعنی ذی روح چیزوں کی تصویرکشی، خواہ وہ تراش کر مجسمہ بنایا گیا ہو یا ہاتھ سے تصویرکشی کی گئی ہو یا کسی مشین کی مدد سے تصویر بنائی گئی ہو، جسے فوٹوگرافی کہا جاتا ہے، بلاشبہ یہ بھی حرام ہے اور اس کے جواز پر فتوے تلاش کرنا ایک حیلہ ہے، بلکہ اس میں یہودیوں کی مشابہت ہے کہ جن پر اللہ نے مردار کی چربی حرام کر دی تو انہوں نے اسے نہ کھا کر اسے دوسری چیزوں میں

استعمال کرنے لگے جیسے جلانا، اور لگانا وغیرہ، یا پھر اسکی شکل بدل کر اسے کھانا، اور پھر کہنا کہ یہ چربی نہیں ہے، یہ تیل ہے یا کوئی سیال چیز ہے، حالانکہ اللہ تبارک وتعالی فرماتا ہے: {يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ} ترجمہ: وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور اسے بھی جو سینے چھپاتے ہیں۔

جو لوگ فوٹو گرافی کے جواز کا فتوی دیتے ہیں میں ان سے پوچھتا ہوں کہ ہاتھ سے بنانے اور مشین سے بنانے میں کیا فرق ہے؟ آخر مشین یعنی کیمرے کو کون چلاتا اور گھماتا ہے؟ بلکہ اگر دیکھا جائے تو ہاتھ کے مقابلے کیمرے میں آدمی اپنے ہاتھوں کو زیادہ گھماتا ہے اور اس میں تصویر کھینچنے، فلم نکالنے اور صفائی کر کے اسے آخری شکل دینے میں زیادہ محنت کرتا ہے، بلکہ اس میں زیادہ وقت بھی لگتا ہے، پھر ہاتھ سے بنانے والے کو مصور کہا جائے تو مشین سے بنانے والے کو مصور کیوں نہ کہا جائے؟

اسلئے ہم پر ضروری ہے کہ ہم شرعی امور میں حیلہ نہ کریں، اسلئے خواہ وہ مجسمہ ہو، ہاتھ سے بنایا گیا ہو یا مشین سے بنایا گیا ہو، اگر ذی روح کی تصویریں ہیں تو وہ حرام ہیں، اور فرشتے ایسے گھروں میں داخل نہیں ہوتے جن میں کوئی کتا یا تصویر ہو۔

اور جہاں تک کچھ ضروری تصویروں کی بات ہے جیسے ڈگریوں، پاسپورٹ اور دیگر ضروری کاغذات میں تصویر لگانا تو اس تعلق سے میں کہوں گا کہ یہ (اخف الضررین) قاعدے میں آئے گا اور یہ قاعدہ اہل علم کے یہاں معروف ہے جس کا مطلب ہے کہ دو نقصان میں سے جو ہلکا نقصان ہو اسے برداشت کیا جائے گا، چنانچہ یا تو آپ اپنی مصلحت چھوڑ دیں، اپنے کام کو چھوڑ دیں، اپنی نوکری چھوڑ دیں، ضروری سفر کرنا چھوڑ دیں، اور دنیا سے کٹ کر اپنے گھر میں بیٹھے رہیں، یا اس کا ارتکاب کریں اور معاشرے اور سماج میں رہ کر لوگوں کو دین کی باتیں بتائیں اس اعتراف کے ساتھ یہ معصیت ہے اسی لئے اللہ سے توبہ کریں اور استغفار کرتے رہیں۔

مگر سوال یہ ہیکہ اس میں کہاں تک گنجائش ہے؟ گنجائش اتنی ہی ہے جتنے کی ضرورت ہو جیسے پاسپورٹ یا کسی بہت ہی ضروری کاغذ پر تصویر لگانا، اسکے علاوہ گنجائش نہیں ہے جیسے کہ کوئی باغات میں جا کر تصویر کھینچے تا کہ وہ ایک یادگار بنے، تو یہ سب جائز نہیں ہے، ایک مسلمان کو اس سے دور رہنا چاہئے، اسی کا تعلق اس تشبہ اور مشابہت سے ہے جس سے اللہ نے آگاہ کیا ہے اور جس پر اللہ اور اسکے رسول نے دھمکی دی ہے۔

مگر اس میں اس قدر دھمکی کیوں دی گئی ہے؟ ویسے اہل علم کے درمیان اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اس میں کیا حکمت ہے اس بارے میں زیادہ غور وخوض کرنے کی ضرورت نہیں ہے سوائے اس کے جو ظاہر ہو جائے؛ مگر جب ہم اس میں حکمت دیکھتے ہیں جو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ذی روح والی تصویروں سے انسان فتنوں میں زیادہ مبتلا ہوتا ہے اور یہ دوسری

چیزوں کے مقابلے میں زیادہ دقیق اور زیادہ صنعت گری والی ہوتی ہے، جب اس کے علاوہ کی تصویر کشی میں کوئی اشکال نہیں ہے، تمام اہل علم ان کے جواز پر متفق ہیں۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وبالجملة فالتّشبيه والتّشبّه هو حقيقة الشرك، ولذلك كان من ظن أنه إذا تقرّب إلى غيره بعبادةٍ ما يقرّبه ذلك الغير إليه تعالى فإنه يخطئ، لكونه شبّهه به، وأخذ ما لا ينبغي أن يكون إلاّ له. فالشرك منعه سبحانه وتعالى حقّه، فهذا قبيح عقلاً وشرعًا، ولذلك لم يشرع، ولم يغفر لفاعله.

واعلم أن الذى ظن أن الرّب -سبحانه وتعالى- لا يسمع له، أو لا يستجيب له إلاّ بواسطة تُطلعه على ذلك، أو تسأل ذلك منه؛ فقد ظنّ بالله ظنّ السّوء، فإنه إن ظنّ أنه لا يعلم أو لا يسمع إلاّ بإعلام غيره له وإسماعه؛ فذلك نفى لعلم الله وسمعه وكمال إدراكه، وكفى بذلك ذنبا.

وإن ظنّ أنه يسمع ويرى ولكن يحتاج إلى من يليّنه ويعطّفه عليه، فقد أساء الظّن بأفضال ربّه وبرّه وإحسانه وسعة جوده.

وبالجملة فأعظم الذنوب عند الله -تعالى- إساءة الظّن، ولهذا يتوعّدهم فى كتابه على إساءة الظّن به أعظم وعيد، كما قال تعالى: {الظَّانِّينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيراً}، وقال تعالى عن خليله إبراهيم -عليه السلام: {أَإِفْكاً آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ} أى: فما ظنّكم أن يجازيكم إذا عبدتم معه غيره، وظننتم أنه يحتاج فى الاطلاع على ضرورات عباده، لمن يكون بابا للحوائج إليه، ونحو ذلك.

وهذا بخلاف الملوك، فإنهم محتاجون إلى الوسائط ضرورةً لحاجتهم

وعجزهم وضعفهم، وقصور علمهم عن إدراك حوائج المضطرين.

فأما من لا يشغله سمع عن سمع، وسبقت رحمته غضبه، وكتب على نفسه الرّحمة، فما تصنع الوسائط عنده؟. فمن اتخذ واسطةً بينه وبين الله -تعالى- فقد ظنّ به أقبح الظن، ومستحيل أن يشرعه لعباده، بل ذلك يمتنع في العقول والفطر.

واعلم أن الخضوع والتألّه الذى يجعله العبد لتلك الوسائط قبيح في نفسه، كما قرّرناه، لا سيما إذا كان المجعول له ذلك عبدًا للملك العظيم الرّحيم القريب المجيب، ومملوكا له، كما قال تعالى: {ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلاً مِنْ أَنْفُسِكُمْ هَلْ لَكُمْ مِنْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِنْ شُرَكَاءَ فِي مَا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ كَخِيفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ} أى: إذا كان أحدكم يأنف أن يكون مملوكه شريكه فى رزقه، فكيف تجعلون لى من عبيدى شركاء فيما أنا منفردٌ به، وهو الإلهية التى لا تنبغى لغيرى، ولا تصلح لسواى، فمن زعم ذلك فما قدّرنى حقّ قدرى، ولا عظّمنى حقّ تعظيمى.

وبالجملة فما قدّر الله حقّ قدره من عبد معه من ظنّ أنه يوصل إليه، قال تعالى: {يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَاباً} الآية، إلى أن قال: {مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ} ، وقال تعالى: {وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالأَرْضُ جَمِيعاً قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ} ، فما قدّر القوىّ العزيز حقّ قدره من أشرك معه الضّعيف الذّليل.

ترجمہ: منجملہ طور پر تشبیہ اور تشبہ حقیقت میں شرک ہے، اسی لئے جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ کسی عبادت کے ذریعے غیر اللہ کا تقرب حاصل کرتا ہے تو حقیقت میں اسے اللہ کے ساتھ تشبیہ دیتا ہے، اور اللہ سے وہ حق لے رہا ہوتا ہے جو اسی کیلئے مناسب ہے، چنانچہ شرک یہی ہے کہ اللہ کے حق کو لے کر دوسرے کے حوالے کردیا جائے، اور یہ عقلاً اور شرعاً دونوں قبیح ہے، اسی لئے شرک کرنے والے کی مغفرت نہیں ہے۔

اور جان لیں کہ جو یہ گمان کرے کہ رب تعالی اسکی بات بغیر واسطہ کے نہیں سنتا ہے تو وہ اللہ کے ساتھ بدگمانی میں مبتلا ہے، کیونکہ ایسا گمان کہ وہ نہیں جانتا ہے یا وہ نہیں سنتا ہے جب تک کہ اسے کوئی دوسرا خبر نہ کرے تو اس میں اللہ کے علم اور اسکے قدرت سماع وادراک کی نفی لازم آتی ہے، اور یہی سب سے بڑا گناہ ہونے کیلئے کافی ہے۔

اور اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ سنتا اور دیکھتا تو ہے مگر کسی ایسے واسطے کی ضرورت ہے جو اس تک نرمی اور اچھے انداز میں بات کو پہونچا سکے تو اس میں بھی بدگمانی ہے اور گویا وہ اللہ کے فضل وکرم، اسکے احسان اور اسکی نرمی وشفقت اور اسکے جود وسخا کا انکار ہے۔

منجملہ طور پر اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ اس کے ساتھ بدگمانی ہے، اسی لئے اللہ تعالی نے اپنی کتاب کے اندر اسے سخت دھمکی دی ہے جو اس کے ساتھ بدگمانی کرتا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: (جو اللہ کے بارے میں گمان کرنے والے ہیں، برا گمان، انہیں پر بری گردش ہے اور اللہ ان پر غصے ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے جہنم تیار کی اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے)، اور اللہ تعالی نے مزید اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: (کیا اللہ کو چھوڑ کر گھڑے ہوئے معبودوں کو چاہتے ہو؟[86] تو جہانوں کے رب کے بارے میں تمھارا کیا گمان ہے؟)

پھر کیا خیال ہے کہ وہ تمہارے ساتھ کیا کرے گا جب تم اسکے ساتھ دوسرے کی پرستش کروگے، اور یہ گمان کروگے کہ اسے تمہاری بات سننے کیلئے دوسرے واسطوں کی ضرورت ہے؟!

اور یہ بادشاہوں کے برخلاف ہے؛ کیونکہ انہیں واسطوں کی ضرورت ہے، وہ کمزور ہیں، انہیں علم نہیں ہوتا، وہ نہیں جانتے کہ کسے کیا ضرورت ہے، کون محتاج ہے، کون پریشان ہے، کس کو کیا ضرورت ہے؟!

مگر وہ اللہ جسے ہر کسی کی آواز معلوم ہے، جسکی رحمت اسکے غضب پر سبقت لے جا چکی ہے، جس نے اپنے اوپر رحمت کو واجب کرلیا ہے، پھر اسے واسطوں کی کیا ضرورت؟ اسی لئے جو اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ بناتا ہے وہ اللہ کے ساتھ بدترین بدگمانی کرتا ہے، اور یہ محال ہے کہ اللہ ایسے واسطوں کی اجازت دے، عقل اور فطرت بھی اس کے خلاف ہے۔

اور جان لیں کہ ایک بندہ جب اللہ کیلئے واسطہ بناتا ہے اور ان واسطوں کے سامنے خشوع وخضوع اور انکساری اختیار کرتا ہے تو یہ بذات خود ایک قبیح عمل ہے، کیونکہ یہ واسطہ خود اللہ کا ایک معمولی اور حقیر بندہ ہے، ارشاد باری ہے: (اس نے تمھارے لیے خود تمھی میں سے ایک مثال بیان کی ہے، کیا تمھارے لیے ان (غلاموں) میں سے جن کے مالک تمھارے دائیں ہاتھ ہیں، کوئی بھی اس رزق میں شریک ہیں جو ہم نے تمھیں دیا ہے کہ تم اس میں برابر ہو، ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح تم اپنے آپ سے ڈرتے ہو)۔یعنی جب تم خود یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارا غلام تمہاری روزی میں شامل ہو اور برابری کرے پھر تم میرے بندوں کو کیوں شریک کرتے ہو ان چیزوں میں جن کے اندر میں منفرد ہوں، اور وہ الوہیت ہے جو میرے سوا کسی کیلئے جائز نہیں ہے؟ اور جس نے ایسا سوچا اس نے میرا ویسا قدر نہیں کیا جیسا کرنا چاہیے اور میری تعظیم ویسی نہیں کی جیسی کرنی چاہئے۔

منجملہ اس نے اللہ کی وہ قدر نہیں کی جیسا کرنا چاہئے تھا جس نے اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی پرستش کی اس گمان میں کہ وہ اسے اللہ تک پہونچائے گا، ارشاد باری ہے: (اے لوگو! ایک مثال بیان کی گئی ہے، سو اسے غور سے سنو! بے شک وہ لوگ جنھیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، ہرگز ایک مکھی پیدا نہیں کریں گے،

خواہ وہ اس کے لیے جمع ہو جائیں) یہاں تک کہ فرمایا: (انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جو اس کی قدر کا حق تھا۔ بے شک اللہ یقینا بہت قوت والا ہے، سب پر غالب ہے)، مزید ارشاد باری ہے: (اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جو اس کی قدر کا حق ہے، حالانکہ زمین ساری قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بنا رہے ہیں)۔ اس طرح اس نے اس غالب والے طاقتور ذات کی ویسی قدر نہیں کی جو اس کی قدر کا حق تھا جب اس نے اسکے ساتھ ایک کمزور اور ذلیل و مسکین کو شریک کر دیا۔

الشرح:

یہ ساری عبارتیں صرف ایک ہی چیز کو ثابت کرنے کیلئے نقل کی گئی ہیں جسے مصنف رحمہ اللہ مخاطب کے ذہن میں راسخ کرنا چاہتے ہیں، اور وہ یہ ہیکہ اللہ کے ساتھ مخلوق کو کسی بھی طرح کسی بھی چیز میں تشبیہ دینا یا اسکی مشابہت اختیار کرنا اسکے حق کو غیر اللہ کی طرف پھیرنا ہوگا، اور ایسا کرنا اللہ کے ساتھ بدترین بدگمانی ہوگی، کیونکہ اس نے گویا یہ توقع کرلی کہ اللہ اسکے کسی عمل کو اسی صورت میں قبول کرے گا جب وہ اسکے لئے کسی کو واسطہ بنائے گا، کیونکہ اس نے یہ سوچ لیا ہے کہ اللہ اسکی بات ان واسطوں کے بغیر نہیں سنے گا، یا وہ یہ جانتا ہے کہ اللہ دیکھتا اور سنتا ہے مگر پھر بھی کسی ایسے واسطے کی ضرورت ہے جو اسکی بات نرمی اور لطافت سے رکھ سکے اور پوری طرح اسکی بات اسکے رب تک پہونچا سکے۔

اور یہ اس سبب کی توضیح ہے جس کی وجہ سے ظلم کو سب سے بڑا گناہ بتایا گیا ہے، کیونکہ یہ عبادت اللہ کا حق ہے اور جو اسے غیر اللہ کی طرف پھیر دے تو گویا اس نے بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کیا، اور اسی لئے اسے ظلم کہا گیا اور بہت بڑا ظلم، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ} ترجمہ: بے شک شرک یقینا بہت بڑا ظلم ہے۔

اور اسے مختلف اسالیب کے ذریعے ثابت کیا ہے اور سب اسی معنی کو واضح کرتے ہیں؛ کیونکہ جو اللہ کے حق کو دوسرے کی طرف پھیرتا ہے وہ یا تو اللہ کے ساتھ بدگمانی کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے مشرکوں اور منافقوں کے بارے میں فرمایا ہے: {} ترجمہ: جو اللہ کے بارے میں گمان کرنے والے ہیں، برا گمان، انھی پر بری گردش ہے اور اللہ ان پر غصے ہوا اور اس نے ان پر لعنت کی اور ان کے لیے جہنم تیار کی اور وہ لوٹنے کی بری جگہ ہے۔

یا وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ انکی بات نہیں سنتا ہے اور نہ ہی انہیں دیکھتا ہے، یا وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ انہیں سنتا اور دیکھتا ہے مگر انکی بات اسی وقت سنتا ہے جب واسطے کے ذریعے اس تک پہونچائی جائے جو نرمی سے اسکی بات رکھے اور اسکے حق میں سفارش کرے، حالانکہ یہ معاملہ ایک انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ کا ہے جیسے رعایا کا حاکم کے ساتھ، وہی اس طرح کے امور کا محتاج ہوتے ہیں۔

مگر جہاں تک اللہ کا تعلق ہے تو وہ ہر چیز کو جانتا ہے، اسکی رحمت سب کو وسیع ہے، چنانچہ اب اگر کوئی واسطے کا دعوی کرتا ہے تو وہ اللہ کی وسعت رحمت اور وسعت علم پر طعن کرتا ہے، بلکہ یہ اللہ کے کمال علم، کمال قدرت، کمال رحمت اور کمال صفات پر اعتراض ہے۔

❁❁❁

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أنك إذا تأمّلت جميع طوائف الضّلال والبدع، وجدت أصل ضلالهم راجعًا إلى شيئين:

أحدهما: الظّن بالله ظنّ السّوء۔

والثانی: أنهم لم يقدروا الرّب حقّ قدره۔

فلم يقدره حقّ قدره من ظنّ أنه لم يرسل رسولاً، ولا أنزل كتابًا، بل ترك الخلق سدى، وخلقهم عبثا.

ولا قدره حقّ قدره من نفى عموم قدرته وتعلقها بأفعال عباده، من طاعتهم ومعاصيهم، وأخرجهما عن خلقه وقدرته.

ولا قدر الله حقّ قدره أضداد هؤلاء، الذين قالوا: إنه يعاقب عبده على ما لم يفعله، بل يعاقبه على فعله سبحانه وتعالى، وإذا استحال فى العقول أن يجبر السّيد عبده على فعل ثمّ يعاقبه عليه، فكيف يصدر هذا من أعدل العادلين؟، وقول هؤلاء شرّ من أشباه المجوس القدريّة الأذلين.

ولا قدره حقّ قدره من نفى رحمته ورضاه، ومحبّته وغضبه، وحكمته مطلقا، وحقيقة فعله، لم يجعل له فعلاً اختياريا، بل أفعاله مفعولات منفصلة عنه.

ترجمہ: اور جان لیں کہ اگر آپ تمام گمراہ اور بدعتی گروہوں پر غور کریں گے تو پائیں گے کہ انکی اصل گمراہی کی دو وجہ ہے:

پہلی وجہ: اللہ کے ساتھ بدگمانی۔

دوسری وجہ: انہوں نے اللہ کی اس طرح قدر نہیں کی جو اس کی قدر کا حق تھا۔

چنانچہ اس نے اللہ کی قدر نہیں جو اس کی قدر کا حق تھا جس نے یہ گمان کیا کہ اس نے نہ تو کوئی رسول بھیجا اور نہ ہی کوئی کتاب اتاری، بلکہ لوگوں کو بے مقصد چھوڑ دیا۔

اور اس نے بھی اللہ کی قدر نہیں جو اس کی قدر کا حق تھا جس نے اسکی قدرت عامہ کا انکار کیا اور انہیں بندوں کے اچھے برے تمام افعال سے جوڑ دیا اور انہیں اللہ کی تخلیق اور اسکی قدرت سے نکال دیا۔

اور اس نے بھی اللہ کی قدر نہیں جو اس کی قدر کا حق تھا جنہوں نے ان کے برخلاف کہا کہ اللہ اپنے بندے کو اس پر بھی سزا دے گا جو اس نے نہیں کیا ہے، اور اس پر بھی دے گا جو اللہ نے کیا ہے، اور جب عقلاً یہ محال ہے کہ ایک آقا اپنے غلام کو کسی کام کیلئے مجبور کرے پھر اس پر اسے سزا بھی دے، تو پھر اس ذات سے یہ کیسے ہوسکتا ہے جو سب سے زیادہ عدل کرنے والا ہے؟ اور ان لوگوں کا یہ قول ذلیل مجوس قدریہ کے قول سے بھی زیادہ برا ہے۔

اور اس نے بھی اللہ کی قدر نہیں جو اس کی قدر کا حق تھا جس نے اللہ کی رحمت، اسکی رضا، اسکی غضبناکی، اسکی حکمت مطلقہ اور اسکے فعل کی حقیقت کا انکار کیا، اور اسکے لئے اختیاری فعل ثابت نہیں کیا، بلکہ یہ ثابت کیا کہ اس کے افعال ایسے مفعول ہی حیثیت رکھتے ہیں جو اس سے جدا ہیں۔

الشرح:

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے مسئلے کو مزید واضح کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ اسکا تعلق دو امور سے ہے:

یا تو وہ لوگ اللہ کے ساتھ برا گمان رکھتے ہیں کہ وہ نہ سنتا ہے، نہ جواب دیتا ہے، نہ دیکھتا ہے، نہ علم و ادراک رکھتا ہے اور نہ ہی احاطہ کرتا ہے۔

اور یا تو وہ لوگ عیب لگاتے ہیں اور اسکی وہ قدر نہیں کرتے جو اسکی قدر کا حق ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَاوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ} ترجمہ: اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جو اس کی قدر کا حق ہے، حالانکہ زمین ساری

قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دائیں ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے۔ وہ پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو وہ شریک بنا رہے ہیں۔

پھر مصنف رحمہ اللہ نے ان گروہوں کے بارے میں گفتگو شروع کی ہے جنہوں نے اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جو اسکی قدر کا حق تھا، اور ان میں سب سے پہلا گروہ جس نے اللہ کے حق کو غیر اللہ کے حوالے کر دیا وہ ہے جس نے غیر اللہ کی پرستش کی اور وہ مشرکین اور بت پرست ہیں جنہوں نے اللہ کے حق کو سلب کر کے غیر اللہ کی طرف پھیر دیا ہے۔

پھر اسکے بعد ایک دوسرے گروہ کا ذکر کیا جنہوں نے اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جیسا قدر کرنے کا حق تھا، اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کے اسماء وصفات کا انکار کیا، خواہ وہ جہمیہ اور معتزلہ ہوں یا وہ لوگ جو ان کے منہج پر چلتے ہیں یعنی جو اللہ کے اسماء وصفات کا انکار کرتے ہیں۔

پھر اسکے بعد ایک دوسرے لوگوں کا ذکر کیا جنہوں نے اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جیسا قدر کرنے کا حق تھا، اور یہ وہ لوگ ہیں جو بندوں کے افعال پر اللہ کی قدرت کا انکار کرتے ہیں، اور وہ منکرین تقدیر قدریہ ہیں جنہیں اس امت کا مجوس کہا جاتا ہے، جو کہتے ہیں: اللہ کو چیزوں کے بارے میں علم اس وقت ہوتا ہے جب وہ وجود میں آجاتی ہیں، یا یہ کہ اللہ نے انہیں ازل میں مقدر نہیں کیا ہے، یا یہ کہ بندہ ہی اپنے فعل کا خالق ہے، یعنی خیر اور شر دونوں فعل کا خالق ہے، اور یہ وہی لوگ ہیں جنہیں سلف نے مجوس سے تشبیہ دی ہے؛ اسلئے کہ مجوس دو خالق کو مانتے ہیں: ایک خیر کا خالق جو کہ نور ہے اور دوسرا شر کا خالق جو کہ ظلمت ہے۔

پھر اسکے مقابلے میں ایک دوسرے گروہ کا ذکر کیا جنہوں نے اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جیسا قدر کرنے کا حق تھا، اور یہ وہ جبریہ ہیں جو کہتے ہیں: انسان مجبور محض ہے، اسکی مثال اس شاخ جیسی ہے جسے ہوا جدھر چاہتی ہے ہلاتی ہے، اسکا کوئی تصرف اور اختیار نہیں ہے، بلکہ اسے تصرف مطلق بھی حاصل نہیں ہے، ان کا گمان ہے کہ اللہ نے بندوں کو جن اعمال کا مکلف بنایا ہے انہیں اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور وہی کروا رہا ہے، بندوں کا کوئی اختیار نہیں ہے، گویا وہ اللہ ہی کا فعل ہے، پھر یہ انکار کرتے ہیں کہ اللہ انہیں اس فعل پر سزا دیتا ہے جو کہ اس نے خود کیا ہے حالانکہ وہ اسکا اپنا فعل ہے، آخر اللہ اپنے فعل پر اسے سزا کیوں دے گا، اللہ ان کے بکواسات اور فضول باتوں سے بری اور بالاتر ہے۔

اور یہ لوگ منکرین تقدیر قدریہ سے بھی برے ہیں جو اعمال کو واجب کرتے ہیں، انہیں ساقط نہیں کرتے، جبکہ یہ جبریہ کہتے ہیں کہ بندے کا کوئی اختیار نہیں ہے اور نہ ہی اسکا کوئی تصرف ہے، اس گروہ کو بھی قدریہ کہا جاتا ہے؛ اسلئے کہ قدریہ کی دو قسمیں ہیں: ایک منکرین تقدیر اور دوسرا مجبرین تقدیر۔

اور جہاں تک اہل سنت والجماعہ کا تعلق ہے تو یہ اللہ کیلئے قدرت کاملہ کو ثابت کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ تعالی ہی بندے اور اسکے فعل دونوں کا خالق ہے، اور وہی ہر چیز کو مقدر کرتا ہے، اس کے ساتھ اس نے بندے کو اختیار دیا ہے اور اسکے لئے اس نے ان اسباب کو فراہم بھی کیا ہے جو بندے کو خیر کے کرنے اور شر سے دور رکھنے میں میں معاون ثابت ہوں اور بندے کیلئے مشیئت ثابت کیا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {لِمَن شَاءَ مِنكُمْ أَن يَسْتَقِيمَ} ترجمہ: اس کے لیے جو تم میں سے چاہے کہ سیدھا چلے۔

اور اسی طرح ایک دوسرے گروہ کا ذکر کیا جنہوں نے اللہ سے اختیاری افعال کو سلب کرلیا ہے جیسے کہ راضی ہونا، غضبناک ہونا، ہنسنا اور خوش ہونا، آنا اور اترنا وغیرہ، جنہیں اہل علم صفات اختیاریہ یا صفات فعلیہ کہتے ہیں، جن کا تعلق ارادہ اور مشیئت سے ہوتا ہے، اسکے برخلاف صفات ذاتیہ ہیں جو کہ خالق باری کے لازم ملزوم ہیں جو ازل سے اس کی ذات کے قائم ہیں اور ابد تک رہیں گے۔ اور صفات فعلیہ ہی وہ صفات ہیں جن کا تعلق مشیئت سے ہے کہ اللہ جب چاہتا ہے جو چاہتا ہے جیسے چاہتا ہے کرتا ہے۔

اسکے بعد مصنف رحمہ اللہ نے کہا: ان تمام گروہوں نے اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حکم ہے، ان میں سے کچھ تو کافر ہیں جیسے ملحد فلاسفہ اور مشرکین اور قدیم جہمیہ، اور ان میں کچھ ایسے ہیں جن کے بارے میں توقف کیا گیا ہے جیسے معتزلہ، اور کچھ ایسے ہیں جو دین اسلام سے خارج نہیں ہیں، مگر انہوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اسکی قدر کا حکم ہے، جیسے کلابیہ، اشعریہ، اور وہ ماتریدیہ جو منجملہ اہل سنت کے ساتھ ہیں، سوائے اسماء وصفات کے باب میں، اور بعض تقدیر کے باب میں، کیسے کسب، اسباب، اور ان دونوں سے متعلق امور، اسی لئے مصنف رحمہ اللہ نے انہیں بھی انہیں گروہوں کے ساتھ شامل کردیا جنہوں نے اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جیسا اسکی قدر کا حکم ہے، گرچہ انہیں اسکا شعور نہیں ہے، مگر جب انہوں نے اللہ کیلئے ان صفات علیا کا انکار کیا جنہیں اللہ نے اپنے لئے ثابت کیا ہے تو اس وجہ سے یہ بھی ان لوگوں میں سے ہوگئے جنہوں نے اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جیسا اسکی قدر کا حکم ہے۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ولا قدره حقّ قدره من جعل له صاحبةً وولدًا، وجعله يحلّ في مخلوقاته، أو جعله عين هذا الوجود.

ولا قدره حقّ قدره من قال: إنه رفع أعداء رسوله وأهل بيته، وجعل فيهم الملك، ووضع أولياء رسوله وأهل بيته، وهذا يتضمّن غاية القدح في الرّب، تعالى الله عن قول الرّافضة. وهذا مشتق من قول اليهود والنصارى في قول ربّ العالمين: إنه أرسل ملكا ظالما، فادعى النبوّة، وكذب على الله، ومكث زمنًا طويلاً يقول أمرني بكذا ونهاني عن كذا، ويستبيح دماء أبناء الله وأحبائه، والرّب - تعالى - يظهره ويؤيده، ويقيم الأدّلة والمعجزات على صدقه، ويقبل بقلوب الخلق وأجسادهم إليه، ويقيم دولته على الظهور والزيادة، ويذّل أعداءه أكثر من ثمان مائة عام. فوازن بين قول هؤلاء وقول إخوانهم من الرّافضة تجد القولين سواء.

ترجمہ: اوراس نے بھی اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جیسا کہ قدر کرنے کا حق ہے جس نے اسکے لئے بیوی اور اولاد کو ثابت کیا، یا یہ اعتقاد رکھا کہ وہ اپنی مخلوقات میں حلول کرتا ہے یا اسے عین مخلوق سمجھ لیا۔

اوراس نے بھی اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جیسا کہ قدر کرنے کا حق ہے جس نے کہا کہ اس نے اپنے رسول کے اوراسکے اہل بیت کے دشمنوں کو ان پر غالب کردیا اوران میں بادشاہت کردی اوراپنے رسول کے دوستوں اوراسکے اہل بیت کو نیچے گرادیا، اوریہ روافض کی طرف سے اللہ کی ذات میں انتہادرجے کا طعن ہے، اورانکا یہ قول یہ یہود ونصاری سے اس قول سے مشتق ہے جو رب العالمین کے تعلق سے کہتے ہیں کہ اس نے ایک ظالم بادشاہ کو بھیجا جس نے نبوت کا دعوی کیا اوراللہ پر جھوٹ بولا، اورایک لمبی

مدت تک یہ کہتا رہا: مجھے اللہ نے یہ حکم دیا ہے اور اس چیز سے روکا ہے، اور وہ اس طرح اللہ کے بیٹوں اور اسکے دوستوں کے خون کو حلال کرتا رہا، اور اللہ اسکی تائید اور اسے غالب کرتا رہا، اور اسکی صداقت پر دلائل اور معجزات سے بھی اسے نوازتا رہا، اور لوگوں کے دلوں اور جسموں کو اس پر قربان کرتا رہا، اور اسکی حکومت کو بھی غالب کرتا رہا، اور اسکے دشمنوں کو آٹھ سو سالوں تک ذلیل ورسوا کرتا رہا۔ اب آپ غور کریں اور موازنہ کریں ان کے اس قول پر اور انکے دوست روافض کے قول پر، دونوں کو ایک جیسا پائیں گے۔

الشرح:

یہاں بھی مصنف نے انہیں لوگوں کا بیان کیا ہے جنہوں نے اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق تھا، چنانچہ ان میں ان لوگوں کا ذکر کیا جنہوں نے اللہ کیلئے بیوی اور اولاد کا اعتقاد رکھا اور یہ پہلے کے مشرکین ہیں جنہوں نے کہا تھا: فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں، یا جنہوں نے کہا تھا: اللہ نے لڑکا بنالیا ہے، یا جنہوں نے کہا تھا: اللہ تین میں سے تیسرا ہے، یا یہود ونصاری نے جیسا کہ کہا تھا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور مسیح اللہ کے بیٹے ہیں۔

اور اسی طرح اس نے بھی اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق ہے جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ اپنی مخلوق میں حلول کر گیا ہے، اور یہ وحدت الوجود والے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ عیسی علیہ السلام میں حلول کر گیا ہے، اور باطنیہ کہتے ہیں کہ اللہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے بیٹوں میں حلول کر گیا ہے اور یہی عقیدہ حلولیہ اتحادیہ کا ہے، یا وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ عین وجود ہے جیسا کہ ابن عربی وغیرہ کا عقیدہ ہے، جو وحدت الوجود کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ اس وجود بسیط میں جو بھی دکھائی دیتا ہے وہ اللہ ہی ہے، اللہ ان کے بکواسات سے بری اور بالاتر ہے۔

پھر مصنف رحمہ اللہ نے ان روافض کی مثال بیان کی جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی نبوت پر تہمت لگائی بایں طور کہ آپ ﷺ نے رسالت کو صحیح طریقے سے نہیں پہونچایا، کیونکہ آپ نے سیدنا علی اور اہل بیت کے تعلق سے کوئی وصیت نہیں کی اور نہ ہی انکی احقیت اور افضلیت کو بیان کیا، یا ان کا یہ گمان ہے کہ بیان تو کیا مگر ان صحابہ کی حقیقت کو واضح نہیں کیا جن کے بارے میں انکا گمان ہے کہ وہ سب مرتد ہو گئے ہیں، اللہ ان روافض کو تباہ کرے۔

پھر یہ ایک طرح سے اللہ پر تہمت ہے کیونکہ اسی نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، اور طویل مدت میں کہ آپ ﷺ

۲۳ / برسوں تک لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے رہے، پھر وفات ہوگئی، اور اللہ تعالی نے آپ ﷺ کے صحابہ کے ہاتھ پر مشرق ومغرب چاروں طرف فتوحات سے نوازا یہاں تک مسلمانوں کی بادشاہت چین سے بحر اٹلانٹک تک پہونچ گئی، اور یہ سب کچھ صحابہ کے ہاتھ پر ہوا ہے جنہیں یہ مردود مرتد ہونے کا الزام لگاتے ہیں، حالانکہ اس الزام کے یہ حق مستحق ہیں۔

اسی لئے مصنف رحمہ اللہ نے انہیں انکے بھائی یہودیوں سے تشبیہ دی ہے؛ اسلئے کہ یہودیوں کا یہ گمان ہے کہ نبی اکرم ﷺ ظالم بادشاہ تھے، اور جنہوں نے ظلم کیا ہے، ان ملحدوں سے کون پوچھے کہ کیا اللہ ایسے ظالم اور اسکے ساتھیوں کو اس طرح قدرت اور بادشاہت دے سکتا ہے جو آٹھ سو سالوں تک دنیا پر حکومت کرتے رہیں اور ان کے پھیلائے ہوئے دین کو مانتے رہیں، یہ زمانہ مصنف رحمہ اللہ کا جونویں صدی ہجری میں تھے، اور آج چودہ سو سال ہوچکے ہیں اور یہ دین پھیلتا ہی جارہا ہے۔

بہرصورت ان تمام گروہوں نے اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جیسا اس کی قدر کرنے کا حق ہے، اسی لئے بعض سلف کہتے ہیں: اگر آپ یہودیوں سے پوچھیں گے کہ سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ تو وہ کہیں گے کہ موسی علیہ السلام کے ساتھی۔ اور اگر آپ عیسائیوں سے پوچھیں گے کہ سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ تو وہ کہیں گے کہ عیسی علیہ السلام کے ساتھی۔ لیکن اگر آپ روافض سے پوچھیں گے کہ تمہارے یہاں سب سے برے لوگ کون ہیں تو یہ کہیں گے: محمد ﷺ کے ساتھی۔ اور بلاشبہ یہ الحاد اور دین سے دوری کا نتیجہ ہے، اللہ ہم سب کو گمراہی اور ضلالت سے بچائے۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ولا قدره حقّ قدره من زعم أنه لا يحيي الموتى، ولا يبعث من في القبور ليبيّن لعباده الذي كانوا فيه يختلفون، وليعلم الذين كفروا أنهم كانوا كاذبين.

ترجمہ: اسی طرح اس نے بھی اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جیسا کہ قدر کرنے کا حق ہے جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالی نہ تو مردوں کو زندہ کرے گا اور نہ ہی انہیں قبروں سے اٹھائے گا، تا کہ وہ قیامت کے روز اپنے بندوں کو واضح کردے کہ وہ کس چیز کی وجہ سے اختلاف میں پڑے ہوئے تھے، اور تا کہ کفار کو پتہ چل جائے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

الشرح:

یہ آخری فقرہ ہے ان گروہوں کے تعلق سے جن کے بارے میں مصنف رحمہ اللہ نے کہا کہ ان لوگوں نے اللہ کی قدر اس طرح نہیں کی جیسا کہ قدر کرنے کا حق ہے، اور یہاں مقصود وہ لوگ ہیں جو دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتے ہیں خواہ وہ ملحد فلاسفہ ہوں جن کا ذکر گزر چکا یا وہ دہریہ ہوں جو کہتے ہیں کہ یہاں بس پیدا ہونا اور زمین میں چلے جانا ہے، اللہ قبروں سے کسی کو نہیں اٹھانے والا، حالانکہ یہ لوگ مغالطے کا شکار ہیں، اور سب سے برے گروہوں میں سے ہیں، اسلئے کہ انہوں نے اپنی حقیقت کا بھی انکار کر دیا ہے کیونکہ یہ لوگ خود اور سارے لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے، اور اس نے جس طرح مخلوق کو عدم سے وجود میں بخشا ہے وہ اس بات پر قادر ہے کہ انہیں دوبارہ زندہ کردے کیونکہ یہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ آسان ہے۔

واللّٰہ اعلم، وصلی اللّٰہ وسلم وبارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ أجمعین۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

المجلس الرابع

وبالجملة: فهذا بابٌ واسعٌ، والمقصود أن كل من عبد مع الله غيره فإنما عبد شيطانا، قال تعالى: {أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ}، فما عبد أحدٌ أحدًا من بني آدم كائنا من كان إلاّ وقد وقعت عبادته للشّيطان، فيستمتع العابد بالمعبود في حصول غرضه، ويستمتع المعبود بالعابد في تعظيمه له وإشراكه مع الله - تعالى -. وذلك غاية رضى الشيطان، ولهذا قال تعالى: {وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعاً يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الإِنْسِ} أي: من اغوائهم وإضلالهم، {وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُمْ مِنَ الإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلاّ مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ}، فهذه إشارةٌ لطيفةٌ إلى السّر الذي لأجله كان الشرك أكبر الكبائر عند الله، وأنه لا يغفر بغير التوبة منه، وأنه موجبٌ للخلود في العذاب العظيم، وأنه ليس تحريمه قبحه بمجرّد النّهي عنه فقط، بل يستحيل على الله - سبحانه وتعالى - أن يشرع لعباده عبادة إله غيره، كما يستحيل عليه ما يناقض أوصاف كماله ونعوت جلاله.

ترجمہ: منجملہ یہ باب بہت وسیع ہے، مقصود یہ ہیکہ اللہ کے ساتھ جس نے بھی غیر اللہ کی پرستش کی اس نے شیطان کی پرستش کی، ارشاد باری تعالی ہے: (کیا میں نے تمھیں تاکید نہ کی تھی اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، یقینا وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ [60] اور یہ کہ میری عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ

ہے)۔

چنانچہ بنی آدم میں سے جس نے بھی غیر اللہ کی پرستش کی اس کی پرستش شیطان کی ہوئی، کیونکہ عابد اپنے مقصد کے حصول میں معبود سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور معبود اپنی تعظیم میں اور اللہ کے ساتھ شریک ہونے میں عابد سے مستفید ہو رہا ہے، اور شیطان کی رضا کا یہی مقصد ہے۔ اسی لئے اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا، اے جنوں کی جماعت! بلاشبہ تم نے بہت سے انسانوں کو اپنا بنا لیا، اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا اور ہم اپنے اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا۔ فرمائے گا آگ ہی تمھارا ٹھکانا ہے، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو مگر جو اللہ چاہے۔ بے شک تیرا رب کمال حکمت والا، سب کچھ جاننے والا ہے)۔

اس میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے جس کی وجہ سے اللہ کے نزدیک شرک سب سے بڑا گناہ ہے، اور یہ کہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوگا، اور وہ عذاب عظیم میں جانے کا سبب ہے، اور یہ کہ اسکی حرمت اور قباحت مجرد اسکی ممانعت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ مستحیل ہے کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کیلئے اپنے سوا کسی دوسرے کی عبادت مشروع کرے، جس طرح یہ مستحیل ہے کہ اسکے اوصاف حمیدہ کے کمال وجلال کا کوئی معارضہ کرے۔

الشرح:

بسم اللہ الرحمن الرحم

الحمدلله رب العالمین، وصلى الله وسلم وبارك على نبينا محمد وعلى آله وأصحابه أجمعين۔

مصنف رحمہ اللہ نے جب شرک کے باب میں منحرف فرقوں کا ذکر کر دیا تو اس کے بعد یہ واضح کیا کہ شرک دراصل

شیطان کی عبادت ہے جس نے یہ قسم کھارکھی ہے کہ وہ مرتے دم تک بنی آدم کو گمراہ کرتا رہے گا، ساتھ ہی اللہ تعالی نے یہ خبر بھی دی ہے کہ اس کا ایسے بندوں پر کوئی اختیار نہیں ہوگا جو اللہ کی صحیح معنوں میں عبادت کرتے ہیں، بلکہ اسکا اختیار ایسے بندوں پر ہوگا جن کا ایمان اور عبادت کمزور ہے اور جنہوں نے خواہشات نفس کی پیروی کرلی ہے اور اللہ کے برحق منہج سے دور جاپڑے، اسی لئے شیطان نے انہیں اچک لیا اور وہ اسکے پیروکار اور پرستش کرنے والے بن بیٹھے، اور اسی لئے اللہ نے لوگوں کو پہلے ہی آگاہ کردیا ہے: (أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ[60] وَأَنِ اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ) ترجمہ: کیا میں نے تمھیں تاکید نہ کی تھی اے اولاد آدم! کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا، یقیناوہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔ [60] اور یہ کہ میری عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ) ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے انسانوں اور جنوں کے شیطانوں کو دشمن بنادیا، ان کا بعض بعض کی طرف ملمع کی ہوئی بات دھوکا دینے کے لیے دل میں ڈالتا رہتا ہے اور اگر تیرا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ پس چھوڑ انھیں اور جو وہ جھوٹ گھڑتے ہیں۔

اس طرح انہوں نے غیر اللہ کی پرستش کی اور ان سے اپنے دلوں کو جوڑا اسلئے کہ بت پرستی شیطان کے بھٹکانے سے ہوتی ہے جس کا اس نے وعدہ لے رکھا ہے، مزید ارشاد باری تعالی ہے: (قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ[16] ثُمَّ لَآتِيَنَّهُمْ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ) ترجمہ: اس نے کہا پھر اس وجہ سے کہ تو نے مجھے گمراہ کیا، میں ضرور ہی ان کے لیے تیرے سیدھے راستے پر بیٹھوں گا۔ [16] پھر میں ہر صورت ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کی دائیں طرفوں سے اور ان کی بائیں طرفوں سے آؤں گا اور تو ان کے اکثر کو شکر کرنے والے نہیں پائے گا۔

اس نے گمراہ کرنے اور بھٹکانے کا وعدہ تو کیا ہے مگر اللہ تعالی اپنے مخلص اور متقی نیک بندوں پر اسے قادر نہیں کرے گا، اسی لئے اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو اصلی عبادت یہی ہے کہ شیطان سے دور رہا جائے کہ جس نے بنی آدم کی گمراہی کا ٹھیکہ لے رکھا ہے، اس لئے جو بھی جتنے بھی اشکال وانصاف کی چیزوں کی پرستش کرتا ہے خواہ وہ شجر وحجر ہو یا حیوان و بشر یا کوئی بھی صورت ہو یہ سب شیطان کی گمراہی کی حصہ ہے جس کا اس نے وعدہ لے رکھا ہے۔

اسلئے ہم سب پر واجب ہے کہ اسے ہم اپنا دشمن سمجھیں جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے ہمیں حکم دیا ہے اور ہم اس کی سازشوں سے آگاہ رہیں، اسلئے کہ وہ بنی آدم کی رگ رگ میں خون کی طرح دوڑتا ہے، وہ کبھی بھی بندے کو شرک میں مبتلا کرسکتا

ہے خواہ وہ شرک خفی ہی کیوں نہ ہو کہ جس پر صرف اللہ ہی مطلع ہو سکتا ہے، اسی لئے اس سے بچنے ضروری ہے۔

اور اسی وجہ سے یہ پرستش اس طرح ہوگئی جیسے عابد اور معبود دونوں ایک دوسرے سے مستفید ہوتے ہیں، جیسا اللہ تعالی نے فرمایا ہے: (وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُمْ مِنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ) ترجمہ: اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا، اے جنوں کی جماعت! بلاشبہ تم نے بہت سے انسانوں کو اپنا بنالیا، اور انسانوں میں سے ان کے دوست کہیں گے اے ہمارے رب! ہمارے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا اور ہم اپنے اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا۔ فرمائے گا آگ ہی تمھارا ٹھکانا ہے، اس میں ہمیشہ رہنے والے ہو مگر جو اللہ چاہے۔ بے شک تیرا رب کمال حکمت والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

یہاں استثنی کا مفہوم یہ ہیکہ کوئی چیز اللہ کی مشیئت سے باہر نہیں جا سکتی، اسی لئے مشرکین جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، اگر وہ کفر اور شرک سے توبہ کئے بغیر مر گیا ہے تو اللہ اسے معاف نہیں کرے گا، اور یہاں استثناء سے کسی کو اشکال نہ ہو کیونکہ اس کے تعلق سے بہت سارے اقوال ہیں، ان میں سب سے زیادہ صحیح قول یہی ہے کہ یہاں اس امر کی وضاحت مقصود ہے کہ کوئی بھی چیز اللہ کی مشیئت سے باہر نہیں جا سکتی، چنانچہ یہ اللہ تعالی کے اس قول کی طرح ہے: (وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ) ترجمہ: اور رہ گئے وہ جو خوش قسمت بنائے گئے تو وہ جنت میں ہوں گے، ہمیشہ اس میں رہنے والے، جب تک سارے آسمان اور زمین قائم ہیں مگر جو تیرا رب چاہے۔ ایسا عطیہ جو قطع کیا جانے والا نہیں۔

چنانچہ یہاں یہ مقصود نہیں ہے کہ وہ عطیہ ختم ہو جائے گا، یا وہ لوگ جہنم میں ہمیشہ نہیں رہیں گے، بلکہ یہاں مراد یہ ہیکہ کوئی بھی چیز اللہ کی مشیئت سے باہر نہیں جا سکتی۔ اسی طرح یہ آیت بھی ہے جس کے اندر دوزخ کی صفت بیان کی گئی ہے: (خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ) ترجمہ: ہمیشہ اس میں رہنے والے، جب تک سارے آسمان اور زمین قائم ہیں مگر جو تیرا رب چاہے۔ بے شک تیرا رب کر گزرنے والا ہے جو چاہتا ہے۔

اس آیت کا آخری جملہ اسی مفہوم کو مضبوط کرتا ہے جسے اکثر مفسرین اہل علم نے راجح کہا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أن النّاس فی عبادة الله - تعالى - والاستعانة به أقسام:

أجلّها وأفضلها أهل العبادة والاستعانة بالله عليها: فعبادة الله غاية مرادهم، وطلبهم منه أن يعينهم عليها، ويوفقهم للقيام بها نهاية مقصودهم، ولهذا كان أفضل ما يسأل الرّب - تعالى - الإعانة على مرضاته، وهو الذى علّمه النّبى صلى الله عليه وسلم لمعاذ بن جبل فقال: "يا معاذ، والله إنى أحبّك، فلا تدع أن تقول فى دبر كل صلاة: اللهم أعنّي على ذكرك وشُكرك وحُسن عبادتك". فأنفع الدّعاء طلب العون على مرضاته تعالى.

ترجمہ: جان لیں کہ اللہ کی عبادت اور اس سے مدد مانگنے میں لوگوں کی چار قسمیں ہیں: ان میں سب سے افضل اور بہتر وہ لوگ ہیں جو صرف اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں، اللہ کی عبادت ہی انکا اصل مقصود ہوتا ہے، اور وہ یہی مدد مانگتے ہیں کہ اللہ تعالی اسے بہتر طور پر ادائیگی کی توفیق دے۔ اور انکی جو سب سے افضل دعاء ہوتی ہے وہ یہی کہ وہ اس سے راضی ہوجائے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یہی سکھایا تھا اور کہا تھا: اے معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں، تم ہر نماز میں یہ دعا پڑھنا نہ چھوڑو (رب أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك): اے میرے رب! اپنے ذکر اور شکر پر، اور اپنی حسن عبادت پر میری مدد فرما۔ چنانچہ سب سے افضل دعاء یہ ہیکہ اللہ کی رضا جوئی مانگی جائے۔

الشرح:

مصنف رحمہ اللہ یہاں پر اللہ کی عبادت کے تعلق سے لوگوں کے موقف بیان کر رہے ہیں، اور یہاں پر پہلے ان مخلص

مومنوں کا ذکر کیا ہے جو صرف اللہ کی مرضی کی طلب میں، اس کے ثواب کی امید میں اور اسکے عذاب کے خوف میں اسکی عبادت کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: (وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ) ترجمہ: اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا وَكَانُوا لَنَا خَاشِعِينَ) ترجمہ: اور ہمیں رغبت اور خوف سے پکارتے تھے اور وہ ہمارے ہی لیے عاجزی کرنے والے تھے۔

مزید ارشاد باری تعالی ہے: (وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ) ترجمہ: اور اسے خوف اور طمع سے پکارو، بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے۔

یہی وہ حقیقی مومن ہیں جو اللہ کی عبادت کرتے ہیں اسکے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے، اسکی رضا چاہتے ہوئے، اسکے ثواب کی امید رکھتے ہوئے اور اسکے عذاب سے ڈرتے ہوئے، چنانچہ یہی لوگ ایمان اور اس عبادت کی مٹھاس اور اسکی چاشنی محسوس کریں گے، اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ، أَنْ يَكُونَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا، وَأَنْ يُحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ، وَأَنْ يَكْرَهَ أَنْ يَعُودَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ أَنْ يُقْذَفَ فِي النَّارِ".

ترجمہ: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہیکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس میں یہ پیدا ہو جائیں اس نے ایمان کی مٹھاس کو پالیا۔ اول یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اس کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب بن جائیں، دوسرے یہ کہ وہ کسی انسان سے محض اللہ کی رضا کے لیے محبت رکھے۔ تیسرے یہ کہ وہ کفر میں واپس لوٹنے کو ایسا برا جانے جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو برا جانتا ہے۔

اسی لئے یہ مومن بندے ہمیشہ یہ دعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالی اس عبادت میں انکی مدد کرے اور اسے آسان فرمائے اور راستے میں آنے والی تمام رکاوٹوں کو دور کرے، اسی لئے مصنف رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ذکر کیا ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمارہے ہیں کہ اے معاذ! میں تم سے محبت کرتا ہوں، تم ہر نماز میں یہ دعا پڑھنا نہ چھوڑو (رب أعني على ذكرك وشكرك وحسن عبادتك) اے میرے رب! اپنے ذکر اور شکر پر، اور اپنی حسن عبادت پر میری مدد فرما۔

اور یہ سب سے افضل اور عظیم دعاء ہے، ایک مسلمان کو سب سے پہلے یہی دعاء کرنی چاہیے کہ اللہ اسے عمل صالح کی توفیق دے اور یہ کہ وہ اسکی نعمتوں پر اس کا شکریہ ادا کر سکے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: (وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ) ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے کی تاکید کی، اس کی ماں نے اسے ناگواری کی حالت میں اٹھائے رکھا اور اسے ناگواری کی حالت میں جنا اور اس کے حمل اور اس کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہے، یہاں تک کہ جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچا اور چالیس برس کو پہنچ گیا تو اس نے کہا اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر انعام کی ہے اور یہ کہ میں وہ نیک عمل کروں جسے تو پسند کرتا ہے اور میرے لیے میری اولاد میں اصلاح فرمادے، بے شک میں نے تیری طرف توبہ کی اور بے شک میں حکم ماننے والوں سے ہوں۔

یہ سب سے بڑی نیکی اور تقرب ہے کہ آپ اللہ سے یک دعاء کریں کہ اسکی عبادت میں وہ آپ کی مدد کرے، اور بہت کم ہی لوگ اسکی طرف دھیان دیتے ہیں۔

ہم لوگ ہمیشہ اللہ تعالی سے بہت ساری دعائیں کرتے ہیں لیکن اس طرف دھیان نہیں دیتے کہ یہ بھی دعاء کریں کہ وہ اپنی عبادت میں ہماری مدد فرمائے، اور ہمیں اسے اسی طرح ادا کرنے کی توفیق دے جس سے تو راضی ہوتا اور قبول کرتا ہے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ويقابل هؤلاء القسم الثاني: المعرضون عن عبادته والاستعانة به، فلا عبادة لهم ولا استعانة، بل إن سأله تعالى أحدهم واستعان به فعلى حظوظه وشهواته، والله - سبحانه وتعالى - يسأله من في السّموات والأرض، ويسأله أولياؤه وأعداؤه، فيمد هؤلاء وهؤلاء.

وأبغض خلق الله إبليس ومع هذا أجاب سؤاله وقضى حاجته، ومتّعه بها، ولكن لما لم تكن عونا على مرضاته كانت زيادةً في شقوته وبعده.

وهكذا كل من سأله تعالى واستعان به على ما لم يكن عونًا له على طاعته، كان سؤاله مبعدًا له عن الله، فليتدبّر العاقل هذا، وليعلم أن إجابة الله لسؤال بعض السائلين ليست لكرامته عليه، بل قد يسأله عبده الحاجة فيقضيها له وفيها هلاكه، ويكون منعه منها حمايةً له وصيانةً، والمعصوم من عصمه الله، والإنسان على نفسه بصيرة.

وعلامة هذا: أنك ترى من صانه الله من ذلك وهو يجهل حقيقة الأمر، إذا رآه سبحانه وتعالى يقضي حوائج غيره يسيء ظنّه به تعالى، وقلبه محشو بذلك وهو لا يشعر.

وأمارة ذلك: حمله على الأقدار، وعتابه في الباطن لها، ولقد كشف الله - تعالى - هذا المعنى غاية الكشف في قوله تعالى: {فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ كَلَّا} أي: ليس كل من أعطيته ونعّمته وخوّلته فقد أكرمته، وما

ذاك لكرامته عليّ، ولكنه ابتلاء منّي وامتحان له، أيشكرني فأعطيه فوق ذلك، أم يكفرني فأسلبه إيّاه وأحوّله عنه لغيره؟، وليس كل من ابتليته فضيّقت عليه رزقه، وجعلته بقدر لا يفضل عنه، فذاك من هوانه عليّ، ولكنه ابتلاء وامتحان منّي له، أيصبر فأعطيه أضعاف ما فاته، أم يسخط فيكون حظّه السّخط؟.

ترجمہ: انکے بالکل مخالف یہ دوسری قسم کے لوگ ہیں جو نہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور نہ ہی اس سے مدد مانگتے ہیں، سوانکے پاس نہ ہی کوئی عبادت ہے اور نہ ہی کوئی استعانت، بلکہ اگر ان میں سے کوئی اللہ تعالی سے کچھ مانگتا ہے یا مدد چاہتا ہے تو یہ اسکے کسی مقصد یا شہوت کی خاطر ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالی سے زمین و آسمان کے اندر رہنے والے سبھی مانگتے ہیں، اسکے دوست اور اسکے دشمن سبھی اسکی طرف ہاتھ پھیلاتے ہیں۔

اللہ کی سب سے بدترین مخلوق ابلیس ہے، اللہ نے اسکی بھی دعاء قبول کی ہے، اور اسکی مانگ پوری کی ہے، لیکن جب وہ اللہ کی رضا کیلئے نہیں تھی اس لئے اسکی بدبختی میں اور اللہ کی رحمت سے دوری میں اضافہ ہی ہوا۔

اور یہی معاملہ ہر ایک کا ہے کہ جو بھی اللہ کی رضا کی خاطر اس سے دعا نہیں مانگے گا جو کہ اسکی عبادت اور اطاعت میں معاون ثابت ہو تو وہ دعاء اسے اللہ سے دور ہی کرے گی، اسلئے ایک عقلمند کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالی کسی کی دعاء اسکی کرامت کی وجہ سے قبول نہیں کرتا بلکہ اس کی ضرورت پوری کرنے کیلئے، اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اسی دعاء میں اسکی ہلاکت بھی ہو، اور اسکا وہ دعا نہ کرنا ہی اسکے لئے بہتر تھا، اور اللہ جسکی حفاظت کردے وہ محفوظ ہے، اور انسان اپنے نفس کا ذمہ دار ہے۔

اور اسکی نشانی یہ ہیکہ آپ اسے دیکھیں گے جسکی اللہ حفاظت کردیتا ہے حالانکہ وہ حقیقت امر سے

ناواقف ہوتا ہے، کہ جب اللہ تعالی کسی دوسرے بندے کی ضرورت کو پوری کرتا ہے تو وہ اللہ سے بدگمانی کرنے لگتا ہے، اور اسکا دل اس سے بھرا ہوتا ہے گرچہ اسے اسکا شعور نہ ہو۔

اور اسکی علامت یہ ہیکہ وہ دل کے اندر تقدیر پر حملہ کرتا ہے اور اس پر ناراضگی دکھاتا ہے، اور اللہ تعالی نے اس مفہوم کو اپنے اس قول کے اندر اچھی طرح کھول کر بیان کر دیا ہے: (پس لیکن انسان جب اس کا رب اسے آزمائے، پھر اسے عزت بخشے اور اسے نعمت دے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔[15] اور لیکن جب وہ اسے آزمائے، پھر اس پر اس کا رزق تنگ کر دے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا) یعنی ایسا نہیں ہے کہ جسے بھی میں نے دولت اور نعمتوں سے نواز دیا اسے عزت دیدی ہے، اور نہ ہی یہ میرے نزدیک اسکی عزت کی وجہ سے ہے، بلکہ میری طرف سے اسکی آزمائش اور امتحان ہے کہ کیا وہ اس پر شکریہ ادا کرتا ہے کہ میں اسے مزید نوازوں یا وہ ناشکری کرتا ہے کہ میں اس سے اپنی نعمت چھین لوں اور دوسرے اسے دوسرے کی طرف پھیر دوں، اسی طرح ایسا بھی نہیں ہے کہ جسے میں آزماؤں بایں طور کہ اس کی روزی تنگ کر دیا اسے میں نے رسوا کر دیا ہے بلکہ یہ بھی میری طرف سے آزمائش اور امتحان ہے کہ آیا وہ صبر کرتا ہے کہ میں اسے اسکا کئی گنا نوازوں جو اس سے فوت ہو گیا ہے یا وہ ناراض ہوتا ہے کہ تو میری ناراضگی اسکا نصیب بنے۔

الشرح:

یہ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے اللہ کی عبادت اس طرح نہیں کی جیسا اسکی عبادت کرنے کا حق تھا، بلکہ انہوں نے اعراض کیا اور ان پر شیاطین کا غلبہ ہو گیا ارشاد باری ہے: {اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنْسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ} ترجمہ: شیطان ان پر غالب آ گیا، سو اس نے انھیں اللہ کی یاد بھلا دی، یہ لوگ شیطان کا گروہ ہیں۔ سن لو! یقینا شیطان کا گروہ ہی وہ لوگ ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى[124] قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيرًا[125] قَالَ كَذَلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَى} ترجمہ: اور جس نے میری نصیحت سے منہ پھیرا تو بے شک اس کے لیے تنگ گزران ہے اور ہم اسے قیامت کے دن اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ [124] کہے گا اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ حالانکہ میں تو دیکھنے والا تھا۔ [125] وہ فرمائے گا اسی طرح تیرے پاس ہماری آیات آئیں تو تو انھیں بھول گیا اور اسی طرح آج تو بھلایا جائے گا۔

اللہ کی پناہ! اس طرح کا اعراض کرنے والا ہمیشہ اللہ سے اعراض کرتا ہے اور اپنی شہوتوں اور لذتوں کی دنیا میں ڈوبا ہوتا ہے جو زوال پذیر ہے مگر وہ سمجھتا ہے کہ اسے اسی کی خاطر پیدا کیا گیا ہے، ارشاد باری ہے: {أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدًى[36] أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِنْ مَنِيٍّ يُمْنَى[37] ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّى[38] فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَى[39] أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَى أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَى} ترجمہ: کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اسے بغیر پوچھے ہی چھوڑ دیا جائے گا؟ [36] کیا وہ منی کا ایک قطرہ نہیں تھا جو گرایا جاتا ہے۔ [37] پھر وہ جما ہوا خون بنا، پھر اس نے پیدا کیا، پس درست بنا دیا۔ [38] پھر اس نے اس سے دو قسمیں نر اور مادہ بنائیں۔ [39] کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو زندہ کر دے؟

پھر اگر وہ اللہ کی طرف متوجہ بھی ہوتا ہے تو اس سے دنیاوی اغراض ومقاصد ہی کا سوال کرتا ہے، اپنی لذتوں اور شہوتوں ہی کیلئے ہاتھوں کو پھیلاتا ہے، اور بسا اوقات اسکی مانگ پوری بھی کر دی جاتی ہے جو کہ اللہ کی طرف سے ڈھیل دی جاتی ہے، والعیاذ باللہ، اسی لئے کسی مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی کی دولت کو دیکھ کر دھوکہ کھا جائے کیونکہ یہ زوال پذیر نعمتیں ہیں، اور وہ یہ بھول بیٹھا کہ اگر دنیا کی حیثیت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اس سے کسی کافر کو ایک گلاس پانی بھی نہ پلاتا، اور یہی وجہ ہے اللہ تعالی یہاں کی دنیاوی نعمت اسے بھی عطا کرتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور اسے بھی عطا کرتا ہے جس سے محبت نہیں کرتا ہے، چنانچہ کسی کو دنیاوی نعمتوں سے نوازنا اس سے اللہ کی محبت کی دلیل اور نشانی نہیں ہے، بلکہ ممکن ہے وہ دیگر بھی اس سے نفرت کرتا ہو، اس سے ناراض ہو اور اسے ناپسند کرتا ہو، اور ممکن ہے اسے ساری نعمت اسی دنیا ہی میں مل رہی ہو آخرت میں اسکا کوئی نصیب نہ ہو۔

اسی لئے آپ ایسے لوگوں کو دیکھیں گے کہ انہیں جب دنیاوی نعمتوں سے محروم رکھا جاتا ہے تو اسے وہ تقدیر پر ڈال دیتے ہیں یا اسکا ٹھیکرا کسی دوسرے پر پھوڑتے ہیں یا کسی دوسرے کی ملامت کرتے ہیں اور تقدیر کو برا بھلا کہتے ہیں، چنانچہ وہ کہتے

ہیں کہ انکی تقدیر بری ہے، ان کا نصیب پھوٹ گیا، وہ ایسا ہے اور ویسا ہے، پھر وہ لگتا ہے گالی دینے اور برا بھلا کہنے اور اپنے اوپر ہلاکت اور تباہی کی بددعاء کرنے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: {فَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ[15] وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ} ترجمہ: پس لیکن انسان جب اس کا رب اسے آزمائے، پھر اسے عزت بخشے اور اسے نعمت دے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔[15] اور لیکن جب وہ اسے آزمائے، پھر اس پر اس کا رزق تنگ کر دے تو کہتا ہے میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا۔

یعنی پریشانی اور مصیبت کے وقت وہ تقدیر کو ذمیدار ٹھہراتا ہے مگر جب دنیاوی مال ومتاع اور نعمتوں سے نوازا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ مجھے میری صلاحیت پر ملا ہے، جس طرح کہ اس سے پہلے قارون نے کہا تھا۔

بہرحال مقصود یہی ہے کہ انسان یہ دھوکہ نہ کھائے کہ اس دنیا سے اسے کچھ نعمتوں سے نواز دیا گیا ہے بلکہ ضروری یہ ہیکہ وہ نعمت اور خوشی کے وقت اللہ کا شکرادا کرے اور پریشانی وغمی کے وقت صبر کرے، اور یہی ایک مومن کی شان اور پہچان ہے جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ صُهَيْبٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ، إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ، وَلَيْسَ ذَاكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَهُ ".

ترجمہ: سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مومن کا بھی عجب حال ہے اس کا ثواب کہیں نہیں گیا۔ یہ بات کسی کو حاصل نہیں ہے اگر اس کو خوشی حاصل ہوئی تو وہ شکر کرتا ہے اس میں بھی ثواب ہے اور جو اس کو نقصان پہنچا تو صبر کرتا ہے اس میں بھی ثواب ہے۔"

اور اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ[34] كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ} ترجمہ: اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی بشر کے لیے ہمیشگی نہیں رکھی، سو کیا اگر تو مر جائے تو یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔[34] ہر جان موت کو چکھنے والی ہے اور ہم تمھیں برائی اور بھلائی میں مبتلا کرتے ہیں، آزمانے کے لیے اور تم ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ} ترجمہ: وہ جس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا، تاکہ تمھیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل میں زیادہ اچھا ہے اور وہی سب پر غالب، بے حد بخشنے والا ہے۔

اسلئے اس دنیا اور اسکی رنگینیوں سے دھوکہ کوئی نہ کھائے اور یہ نہ کہے کہ فلاں کو نوازا گیا، فلان کا نصیب بہت اچھا ہے، فلاں ایسا ہے اور ویسا ہے، اور اسکا نصیب برا ہے، تقدیر پھوٹ گئی ہے، پھر وہ اپنی لگے ملامت کرنے اور تقدیر کو لگے برا بھلا کہنے۔

اسی لئے سلف کہتے تھے: مصائب کے باب میں تقدیر سے حجت پکڑی جائے گی مگر عیب کے باب میں نہیں، یعنی مصیبتوں کے وقت وہ صبر کرے گا یہ کہہ کر تقدیر میں یہی تھا، اور کہے گا: ہر حال میں اللہ کا شکر ہے، اللہ نے مقدر کیا تھا وہی ہوا، البتہ وہ عیب کے باب میں تقدیر کو حجت نہیں پکڑے گا، یعنی کوئی جرم کرے اور گناہ کا ارتکاب کرے اور حجت تقدیر سے پکڑے جیسا کہ جبریہ کرتے ہیں۔

اسی لئے اگر کوئی ایسے موقع پر تقدیر سے حجت پکڑے تو اس سے کہیں: اگر میں تمہیں ایک طمانچہ ماروں تو کیا تم تقدیر سے حجت پکڑ کر چلتے بنو گے؟ یقیناً وہ آپ کی بات قبول نہیں کرے گا، اسی لئے جب ایک چور نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے تقدیر سے حجت پکڑی کہ میری تقدیر میں یہی لکھا تھا تو آپ نے کہا: ہاں، اور تمہاری تقدیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ ہم تمہارا ہاتھ کاٹ دیں، چنانچہ جو تقدیر سے حجت پکڑے اس کے خلاف تقدیر سے حجت پکڑ سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اگر کوئی انسان اس دنیاوی زندگی میں تنگی اور پریشانی میں یا نعمتوں میں ہے تو اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ اس سے محبت کرتا ہے یا اس سے ناراض ہے، بلکہ اسکی محبت کی نشانی اسکے رسول ﷺ کی سنت پر عمل کرنا اور اسکے منہج پر قول وعمل اور اعتقاد ہر اعتبار سے چلنا ہے۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وبالجملة: فأخبر تعالى أن الإكرام والإهانة لا يدوران على المال وسعة الرّزق وتقديره. فإنه سبحانه وتعالى يوسّع على الكافر لا لكرامته، ويقتر على المؤمن لا لهوانه عليه، وإنّما يكرم سبحانه وتعالى من يكرم من عباده بأن يوفّقه لمعرفته ومحبّته وعبادته واستعانته. فغاية سعادة الأبد في عبادة الله والاستعانة به عليها.

ترجمہ: منجملہ یہ کہ اللہ تعالی نے یہ خبر دی ہے کہ عزت دینا اور ذلت دینا یہ دونوں دولت اور رزق کی کشادی اور اسکی تنگی پر منحصر نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالی ایک کافر کی روزی میں کشادگی کرسکتا ہے اسکی عزت کی وجہ سے نہیں، اور ایک مومن کی روزی تنگ کرسکتا ہے اسکی ذلت کی وجہ نہیں، بلکہ اللہ اپنے بندوں میں سے جسے عزت دیتا ہے اسے اس بات کی توفیق دیتا ہے کہ وہ اس کی معرفت رکھتا ہے اس سے محبت کرتا ہے، اسکی عبادت کرتا ہے اور اسی سے مدد مانگتا ہے۔ سو ایک انسان کی ابدی سعادت اللہ کی عبادت اور اس پر اسکی استعانت میں ہے۔

الشرح:

یہ اسی کی تاکید ہے جسے مصنف رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ رزق میں کشادگی یا تنگی اس بات کی نشانی نہیں ہے کہ اللہ تعالی اس سے محبت کرتا ہے یا اس سے ناراض ہے، بلکہ رزق کی کشادگی ایک فتنہ اور آزمائش بھی ہوسکتی ہے، والعیاذ باللہ، کیونکہ کسی انسان کیلئے مصلحت اسی میں ہوتی ہے کہ وہ فقر ومحتاجگی میں رہے، اور کسی انسان کی مصلحت اسی میں ہوتی ہے کہ وہ دولت منداور نعمتوں میں رہے، اور اللہ تعالی ہی جسے چاہتا ہے اپنی رحمتوں سے نوازتا ہے۔

اس لئے ہم یہ دیکھ کر دھوکہ نہ کھائیں کہ فلاں فقیر ہے اور فلاں مالدار ہے، اس سے یہ معلوم نہیں ہوگا کہ فلاں اللہ کے نزدیک محبوب ہے اور فلاں اللہ کے نزدیک محبوب نہیں ہے، اہم یہ ہیکہ وہ اپنے رب کی عبادت کماحقہ کرتا ہے یا نہیں، اسکے

احکامات پر عمل کرتا ہے یا نہیں، اسکے منع کردہ امور سے اجتناب کرتا ہے یا نہیں، اور وہ باقی امور کو اللہ کے حوالے کرتا ہے یا نہیں، کیونکہ انجام کا ذمیدار وہی ہے، بندے پر جائز اسباب کو اپنانا ہے، کہ وہ حلال طریقے سے رزق حاصل کرے، اور وہ اس دنیا کو آخرت کیلئے ایک زینہ اور سواری تصور کرے، اسے غایت اور مقصد نہ سمجھ بیٹھے، بلکہ یہ اسے اللہ کی اطاعت میں ایک وسیلہ سمجھے۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

القسم الثالث: من له نوع عبادة بلا استعانة، وهؤلاء نوعان:

أحدهما: أهل القدر، القائلون بأنه سبحانه وتعالى قد فعل بالعبد جميع مقدوره من الألطاف، وأنه لم يبق فى مقدوره إعانةً على الفعل، فإنه قد أعانه بخلق الآلات وسلامتها، وتعريف الطريق وإرسال الرّسول، وتمكينه من الفعل، فلم يبق بعدها إعانةً مقدورةً يسأله إياها. وهؤلاء مخذولون موكولون إلى أنفسهم، مسدودٌ عليهم طريقة الاستعانة والتّوحيد.

قال ابن عبّاس - رضى الله عنهما -: " الإيمان بالقدر نظام التّوحيد، فمن آمن بالله وكذّب بقدره نقض توحيده ".

النوع الثانى: من لهم عبادة وأوراد، ولكن حظّهم ناقص من التّوكل والاستعانة، لم تتسع قلوبهم لارتباط الأسباب بالقدر، وأنها بدون المقدور، كالموت الذى لا تأثير له، بل كالعدم الذى لا وجود له، وأن القدر كالرّوح المحرّك لها، والمعوّل على المحرّك الأول، فلم تنفذ بصائرهم من السّبب إلى المسبّب، ومن الآلة إلى الفاعل، فقلّ نصيبهم من الاستعانة.

وهؤلاء لهم نصيب من التصرّف بحسب استعانتهم وتوكلهم، ونصيب من الضعف والخذلان بحسب قِلّة استعانتهم وتوكلهم، ولو توكّل العبد على الله حقّ توكّله فى إزالة جبل عن مكانه لأزاله.

فإن قيل ما حقيقة الاستعانة عملاً؟:

قلنا: هى التى يعبّر عنها بالتّوكل، وهى حالة للقلب تنشأ عن معرفة الله -

تعالى - وتفرده بالخلق والأمر والتّدبير والضّر والنّفع، وأنه ما شاء كان وما لم يشأ لم يكن، فتوجّب اعتمادًا عليه، وتفويضًا إليه، وثقةً به، فتصير نسبة العبد إليه تعالى كنسبة الطّفل إلى أبويه فيما ينوبه من رغبته ورهبته، فلو دهمه ما عسى أن يدهمه من الآفات لم يلتجئ إلى غيرهما. فإن كان العبد مع هذا الاعتماد من أهل التّقوى، كانت له العاقبة الحميدة: {وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجاً وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ} أي: كافية.

ترجمہ: تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو عبادت کو مانتے ہیں مگر استعانت کے قائل نہیں ہیں، اوران کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: قدریہ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے بندوں کے ساتھ جو کچھ کرنا تھاوہ کر دیا،اوراب اسکے عمل میں کوئی اعانت باقی نہیں رہ گئی ہے، کیونکہ اللہ نے عمل کے سارے اسباب اور آلات فراہم کر دیئے ہیں، رسولوں کو بھیج کر اسے راستہ دکھادیا ہے، عمل پر اسے قادر بھی بنادیا ہے، گویا انہوں نے استعانت اور توحید کے راستے کو مسدود کر دیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تقدیر پر ایمان لانا توحید کا نظام ہے، چنانچہ جو اللہ پر ایمان لائے گا اور تقدیر کو جھٹلائے گا اس نے توحید کو توڑ دیا۔

دوسری قسم: جن کے پاس عبادت اور اوراد و وظائف بھی ہیں مگر توکل اور استعانت کے باب میں ناقص ہیں چنانچہ ان کے دل تقدیری اسباب سے مربوط نہیں ہیں، اور وہ بغیر مقدور کے اس موت کی طرح ہے جسکی کوئی تاثیر نہیں ہوتی، بلکہ وہ عدم کے حکم میں ہوتا ہے جس کا کوئی وجود نہیں ہوتا، اور تقدیر اس روح کی طرح ہے جو اسے متحرک رکھتی ہے، اور محرک اول پر اعتماد دلانے والی ہوتی ہے، سو انکی بصیرتوں کو سبب سے مسبب تک اور آلہ سے فاعل تک رسائی نہ ہوسکی اسی لئے استعانت سے انکا نصیب کم

ہوگیا۔اور ان لوگوں کو انکی استعانت اور توکل کے اعتبار سے تصرف میں انکا حصہ ہوتا ہے اور اسی طرح استعانت اور توکل میں کمی کے اعتبار سے انہیں کمزوری اور رسوائی میں حصہ ملتا ہے،اور اگر بندہ اللہ پر مکمل طور سے بھروسہ کر کے کسی پہاڑ کو ہٹانا چاہے تو اسے ہٹا سکتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ عملی طور پر استعانت کی کیا حقیقت ہے؟

تو ہم کہیں گے کہ اسی کو توکل کہا جاتا ہے، اور یہ دل کی ایک حالت اور کیفیت کا نام ہے جو اللہ کی معرفت سے پیدا ہوتی ہے اور یہ کہ اللہ خلق وامر اور تدبیر نیز نفع ونقصان میں منفرد ہے، اور یہ کہ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا نہیں ہوتا ہے، اس طرح اس پر بھروسہ کرنا، معاملات کو اس کے حوالے کرنا واجب ہو جاتا ہے، اس طرح ایک بندے کی نسبت اللہ کی طرف ویسے ہی ہوتی ہے جیسے ایک بچے کی نسبت اسکے والدین کی طرف ہوتی ہے، ان تمام امور میں جن میں وہ اس سے ڈرتا یا اس سے رغبت کرتا ہے، چنانچہ اگر کوئی پریشانی آتی ہے تو وہ بچہ اپنے والدین ہی طرف بھاگتا ہے۔اور اگر بندہ توکل کرنے کے ساتھ ساتھ اہل تقوی میں سے بھی ہو تو اسکا انجام بہت بہتر ہوتا ہے، ارشاد باری ہے: (اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔[2] اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا اور جو کوئی اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اسے کافی ہے)۔

الشرح:

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے دوسری اور تیسری قسم کو بیان کیا ہے، اور یہ تقدیر کے باب میں دونوں قسم کے گروہ ہیں یعنی منکرین تقدیر قدریہ اور جبری قدریہ، اور ان دونوں گروہوں کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے۔

البتہ یہاں پر ان کے مذہب کی طرف اشارہ ضروری ہے چنانچہ مصنف رحمہ اللہ نے یہاں پر یہ بیان کیا ہے کہ کچھ لوگ تقدیر کو یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ ہی اپنے افعال کا خالق ہے، بایں طور کہ اللہ نے اسے اختیار اور قدرت دے دیا ہے، اور اسکے لئے اسباب بھی فراہم کر دیئے ہیں، اور راستے بھی ہموار کر دیئے ہیں، اب وہ اس بات کا محتاج نہیں ہے کہ اس باب میں ہو اللہ پر

اعتماد کرے، اب وہ خود اپنے افعال کا موجد ہے، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں پچھلی مجلس میں یہ کہا گیا کہ بعض صحابہ نے ان کے بارے میں کہا ہے کہ یہ اس امت کے مجوس ہیں، اسلئے کہ ان لوگوں نے دو خالق کو ثابت کیا ہے ایک خیر کا جو کہ نور ہے اور دوسرا شر کا جو کہ ظلمت ہے، اور یہی لوگ مجوس ہیں۔

ان کے مشابہ قدریہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ کو بندوں کا خالق مانا اور بندوں کو انکے افعال کا خالق مانا، یہ انتہا درجے کی ذلت ورسوائی ہے، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے یہ بھی انکار کر دیا کہ اللہ کو چیزوں کے واقع ہونے سے پہلے ان کے بارے میں علم ہوتا ہے، بلکہ بعض نے تو تقدیر کا بالکلیہ ہی انکار کر دیا، اور بعض نے کتابت، علم اور تقدیر سب کا انکار کر دیا، اور بندے کو اسکے افعال کا خالق بنا دیا، اور یہ کہ وہ اب اللہ کا محتاج نہیں ہے کہ وہ اپنے اعمال میں اس سے مدد طلب کرے، اور یہ لوگ سب سے برے ہیں۔

اور دوسری قسم جبریہ کی ہے، انہوں نے بندے سے تصرف کو چھین کر اسے اس شاخ کی مانند بنا دیا جو ہوا کی رخ پر ہو وہ اسے جدھر چاہے پھیرتی رہے، اور یہ کہ بندے کا کوئی تصرف اور کوئی قدرت نہیں ہے، اور کرنے سے قبل ہی تمام قدرت اور استطاعت سے مسلوب ہے، یعنی سوچ وفکر، تصرف اور اختیار سب کچھ مسلوب ہے اسکے پاس کوئی اختیار نہیں ہے، اور ان لوگوں کے نزدیک استعانت کا باب اس طور پر کمزور ہے کہ انہوں نے اللہ کو ہر چیز کا فاعل بنا دیا، پھر یہ اللہ کے اوامر سے ہٹ کر ہر چیز کو تقدیر پر چھوڑ دیا کہ بندہ مجبور محض ہے وہ جو کچھ کر رہا ہے اس کے کرنے پر مجبور ہے۔

پھر مصنف رحمہ اللہ نے خلاصہ بتاتے ہوئے کہا کہ اللہ پر توکل کرنا اور مشروع اسباب کا اپنانا ہی تقدیر پر ایمان لانا ہے۔

اور یہی عظیم استعانت کی حقیقت ہے کہ وہ اللہ پر بھروسہ کرے، اپنے معاملات کو اللہ کے حوالے کرے، ساتھ ہی مشروع اسباب کو اپنائے بھی، ارشاد باری ہے: ﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا [2] وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ ترجمہ: اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ بنا دے گا۔ [2] اور اسے رزق دے گا جہاں سے وہ گمان نہیں کرتا اور جو کوئی اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اسے کافی ہے، بے شک اللہ اپنے کام کو پورا کرنے والا ہے، یقیناً اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کیا ہے۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: ﴿وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا [4] ذَٰلِكَ أَمْرُ اللَّهِ أَنزَلَهُ إِلَيْكُمْ وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا﴾ ترجمہ: اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا وہ اس کے لیے اس کے کام میں آسانی پیدا کر دے گا۔ [4] یہ اللہ کا حکم ہے جسے اس نے تمھاری طرف نازل کیا ہے اور جو کوئی اللہ سے ڈرے

گا وہ اس سے اس کی برائیاں دور کردے گا اور اسے بڑا اجر دے گا۔

اسی معنی میں سنن ترمذی کی حدیث بھی ہے:

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَوْ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُونَ عَلَى اللَّهِ حَقَّ تَوَكُّلِهِ، لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُو خِمَاصًا وَتَرُوحُ بِطَانًا".

ترجمہ: سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم لوگ اللہ پر توکل (بھروسہ) کرو جیسا کہ اس پر توکل (بھروسہ) کرنے کا حق ہے تو تمہیں اسی طرح رزق ملے گا جیسا کہ پرندوں کو ملتا ہے کہ صبح کو وہ بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو آسودہ واپس آتے ہیں"۔

(معلوم ہوا کہ مومن کی زندگی رزق و معیشت کی فکر سے خالی ہونی چاہیئے، اور اس کا دل پرندوں کی طرح ہونا چاہیئے جو اپنے لیے کچھ جمع کر کے نہیں رکھتے بلکہ ہر روز صبح تلاش رزق میں نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔ مترجم)۔

اور یہ معلوم ہے کہ پرندے اپنے گھونسلوں میں بیٹھ کر روزی کے آنے کا انتظار نہیں کرتے، بلکہ صبح سویرے ہی رزق کی تلاش میں نکل جاتے ہیں، اور اسی وقت واپس آتے ہیں جب ان کے پیٹ بھر جاتے ہیں اور ساتھ ہی اپنے بچوں کیلئے بھی روزی لیکر آتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ توکل کا معنی تواکل یعنی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنا نہیں ہے، اور نہ ہی یہ مطلب ہے کہ آدمی یہ سوچ لے کہ وہ ہر کام کرنے پر مجبور ہے، اور وہ توکل کا دوسرا مفہوم سمجھ لے، اور نہ یہ سوچ لے کہ اسے ہر کام کرنے کی مطلق چھوٹ ہے، پھر اس سے توکل ختم ہو جائے، اسلئے کہ توکل کی حقیقت یہ ہیکہ اللہ پر بھروسہ کیا جائے اور اسباب کو مسبب سے جوڑا جائے؛ اسلئے جبریہ کا مسئلہ یہی ہے کہ انہوں نے سبب کو مسبب سے الگ کر دیا ہے اور اشاعرہ نے بھی اس میں انکی موافقت کی ہے اور کہا ہے: اسباب کی کوئی تاثیر نہیں ہے۔

جب کہ حقیقی مومنین کہتے ہیں: اسباب کی تاثیر ہے؛ مگر اللہ کی اجازت سے، مگر یہ لوگ اسباب کو بالکلیہ نہیں مانتے، وہ یہ نہیں مانتے کہ سبب مسبب کی وجہ سے مرتب ہوتا ہے، بلکہ یہ سبب ہی کو بالکلیہ ملغی کر دیتے ہیں۔

مگر اہل سنت والجماعہ کا عقیدہ ہے کہ اسباب کی تاثیر ہے مگر اللہ کی اجازت کے ساتھ، بغیر اللہ کی اجازت کے تاثیر پیدا نہیں ہوسکتی، اسی لئے یہ اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اپنے معاملات کو اللہ کے حوالے کر دیتے ہیں اور ساتھ مشروع اسباب کو بھی نہیں چھوڑتے، اسی لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے: (استعن باللہ ولا تعجزن): اللہ سے مدد طلب کرو اور عاجز ہو کر بیٹھ نہ جاؤ۔

آپ یہاں دیکھیں کہ ایک طرف مدد طلب کرنے کیلئے بھی کہا جارہا ہے اور ساتھ ہی نہ بیٹھنے کی ہدایت بھی کی جارہی ہے، جس میں یہ واضح پیغام ہے کہ اللہ کی مدد مانگنے اور اس پر بھروسہ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ اپنے گھر میں بیٹھے رہیں اور آسمان سے روزی کے آنے کا انتظار کریں، بلکہ ضروری ہے کہ اسباب کو اپنائیں، یعنی پہلے اللہ پر بھروسہ کریں پھر اسباب کو اپنائیں، یہی مفہوم ہے اس حدیث کا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ، وَفِي كُلٍّ خَيْرٌ احْرِصْ عَلَى مَا يَنْفَعُكَ، وَاسْتَعِنْ بِاللَّهِ وَلَا تَعْجَزْ، وَإِنْ أَصَابَكَ شَيْءٌ فَلَا تَقُلْ: لَوْ أَنِّي فَعَلْتُ كَانَ كَذَا وَكَذَا، وَلَكِنْ قُلْ: قَدَرُ اللَّهِ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، فَإِنَّ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّيْطَانِ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”زبردست مسلمان (زبردست سے مراد وہ ہے جس کا ایمان قوی ہو، اللہ تعالیٰ پر بھروسا رکھتا ہو، آخرت کے کاموں میں ہمت والا ہو) اللہ کے نزدیک بہتر اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے ناتواں مسلمان سے اور ہر ایک طرح کا مسلمان بہتر ہے، حرص کر ان کاموں کی جو تجھ کو مفید ہیں (یعنی آخرت میں کام دیں گے) اور مدد مانگ اللہ سے اور ہمت مت ہار اور تجھ پر کوئی مصیبت آئے تو یوں مت کہہ اگر میں ایسا کرتا تو یہ مصیبت کیوں آتی لیکن یوں کہہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ایسا ہی تھا جو اس نے چاہا کیا۔ اگر مگر کرنا شیطان کے لیے راہ کھولنا ہے۔“

(یعنی جو اس اعتقاد سے کہے کہ اسباب کی تاثیر مستقل ہے اور اگر یہ سبب نہ ہوتا تو مصیبت نہ آتی تو وہ اسلام سے نکل گیا اس لیے کہ ہر ایک کام اللہ کی مشیت کے بغیر نہیں ہوتا اور جو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر اعتقاد رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ اسباب کی تاثیر بھی اس کے حکم سے ہے اس کو اگر مگر کہنا جائز نہیں اور اس کی مثال یہ ہے کہ مومن کہتا ہے بارش اچھی ہوئی اب کے غلہ بہت ہوگا اور کافر بھی کہتا ہے پر مومن کا کہنا اور اعتقاد سے ہے اور کافر کا کہنا اور اعتقاد سے اور جو اعتقاد کافر کا ہے اس اعتقاد سے یہ کلمہ کہنا درست نہیں اور مومن کے اعتقاد سے درست ہے۔ مترجم)۔

اگر آپ نے اسباب کو اپنایا مگر توفیق نہیں ملی تو جان لو اللہ نے اس کام کو آپ کیلئے مقدر نہیں کیا ہے، آپ اللہ کے فیصلے اور اس کی تقدیر کو تسلیم کریں، اس پر صبر کریں اور اللہ کی طرف سے اجر کی امید رکھیں۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

القسم الرابع: من له استعانةٌ بلا عبادة، وتلك حالة من شهد بتفرّد الله بالضّر والنّفع، ولم يدر بما يحبّه ويرضاه، فتوكّل عليه في حظوظه، فأسعفه بها. وهذا لا عاقبة له، سواء كانت أموالاً أو رياسات، أو جاهًا عند الخلق، أو نحو ذلك، فذلك حظّه من دنياه وآخرته.

واعلم أن العبد لا يكون متحققًا بعبادة الله -تعالى- إلاّ بأصلين:

أحدهما: متابعة الرّسول صلى الله عليه وسلم.

والثاني: إخلاص العبودية.

ترجمہ: چوتھی قسم: جو صرف مدد طلب کرے اور عبادت نہ کرے، اور یہ اس شخص کی حالت ہے جو نفع ونقصان میں اللہ کو تنہا مانے مگر یہ کہ اللہ کس چیز سے خوش ہوتا ہے اور کس چیز کو پسند کرتا ہے اسے اس کا خیال نہ رہے، وہ صرف اللہ پر بھروسہ کرے اپنے مقاصد کے حصول میں، جسے اللہ پورا بھی کرے۔ اسے دنیاوی مال ومتاع، لوگوں کے یہاں جاہ ومنصب تو مل جائے گا مگر اسے کوئی بہتر انجام نصیب نہیں ہوگا، یہی دنیا وآخرت میں اسکا نصیب ہے۔

اور جان لیں کہ بندہ اللہ کی عبادت کو اسی وقت پورا کرسکتا ہے جب وہ دو اصل کو پورا کرے:

پہلا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت۔

دوسرا: عبادت میں اخلاص۔

الشرح:

یعنی یہ چوتھی قسم پہلی قسم کا تکملہ ہے جس کے اندر یہ بتایا گیا ہے کہ وہ انسان جو ان اسباب کو نہیں اپناتا ہے جو اسے اللہ تک

پہونچاسکیں،اسکا واحد مقصد صرف دنیاوی مال ومتاع کا حصول ہوتا ہےتو اللہ بھی اس کے اس حقیر مقصد کو پورا کر دیتا ہے بلکہ بسا اوقات اسے دنیاوی نعمت خوب عطا کرتا ہے مگر آخرت میں اسکا کوئی حصہ نہیں ہوتا، اسلئے کہ اس نے وہاں کیلئے کچھ مانگا ہی نہیں،اس نے صرف دنیاوی مال ومتاع ہی کو ترجیح دی، ارشاد باری ہے: {مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَدْحُورًا[18] وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا} ترجمہ: جو شخص اس جلدی والی (دنیا) کا ارادہ رکھتا ہو ہم اس کو اس میں جلدی دے دیں گے جو چاہیں گے، جس کے لیے چاہیں گے، پھر ہم نے اس کے لیے جہنم بنا رکھی ہے، اس میں داخل ہوگا، مذمت کیا ہوا، دھتکارا ہوا۔ [18] اور جس نے آخرت کا ارادہ کیا اور اس کے لیے کوشش کی، جو اس کے لائق کوشش ہے، جب کہ وہ مومن ہو تو یہی لوگ ہیں جن کی کوشش ہمیشہ سے قدر کی ہوئی ہے۔

معلوم ہوا کہ جو صرف دنیا مانگتا ہے اللہ اسے عطا کرتا ہے اسلئے کہ اللہ دنیاوی مال ومتاع ہر ایک کو عطا کرتا ہے خواہ وہ اس سے محبت کرے یا نہ کرے۔جبکہ اخروی آسائش کا معاملہ الگ ہے، یہ صرف محبوب بندوں ہی کیلئے خاص ہے۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

والنّاس فی هذين الأصلين على أربعة أقسام:

أهل الإخلاص والمتابعة: فأعمالهم كلها لله، وأقوالهم ومنعهم وإعطاؤهم وحبّهم وبغضهم كل ذلك لله - تعالى -. لا يريدون من العباد جزاءً ولا شكورًا، عدّوا النّاس كأصحاب القبور، لا يملكون ضرًا ولا نفعًا، ولا موتًا ولا حياةً ولا نشورًا. فإنه لا يعامل أحدًا من الخلق إلاّ لجهله بالله وجهله بالخلق.

والإخلاص هو العمل الذى لا يقبل الله من عامل عملاً صوابًا عاريًا منه، وهو الذى ألزم عباده به إلى الموت، قال الله - تعالى -: {لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً}، وقال: {إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الأَرْضِ زِينَةً لَهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً}، وأحسن العمل: أخلصه وأصوبه.

فالخالص: أن يكون لله، والصواب: أن يكون على وفق سنّة رسول الله صلى الله عليه وسلم. وهذا هو العمل الحسن المذكور فى قوله تعالى: {وَمَنْ أَحْسَنُ دِيناً مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ}، وهو العمل الصالح فى قوله تعالى: {فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحاً}، وهو الذى أمر به النّبى صلى الله عليه وسلم فى قوله: "كل عمل ليس عليه أمرنا فهو رد". وكل عمل بلا متابعة فإنه لا يزيد عامله إلاّ بعدًا من الله - تعالى -. فإن الله - تعالى - إنما يعبد بأمره، لا بالأهواء والآراء.

ترجمہ: ان دونوں اصل میں لوگوں کی چار قسمیں ہیں:

اخلاص اور اتباع والے: ان کے سارے اعمال، اقوال سب اللہ کی خاطر ہوتے ہیں، ان کا روکنا،

ان کا دینا، ان کی محبت اور بغض سب اللہ کی خاطر ہوتا ہے، یہ بندوں سے کسی بدلہ اور شکریہ کا طالب نہیں ہوتے، یہ لوگوں کو اہل قبور کی طرح سمجھتے ہیں جو نہ کسی نفع ونقصان کے مالک ہوتے ہیں اور نہ ہی موت وحیات اور بعث ونشور کے۔

اخلاص ایسا عمل ہے کہ اللہ تعالی اپنے کسی بندے کا عمل قبول نہیں کرتا اگر وہ اخلاص سے عاری ہے، اور اللہ تعالی نے اس کو اپنے بندے پر موت تک کیلئے لازم کر دیا ہے، ارشاد باری ہے: (تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سب سے بہتر عمل کون کرتا ہے)، مزید ارشاد ربانی ہے: (بے شک ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اس کے لیے زینت بنایا ہے، تاکہ ہم انھیں آزمائیں ان میں سے کون عمل میں بہتر ہے)، اور بہتر عمل وہ ہے جو خالص اور درست ہو۔ چنانچہ خالص وہ ہے جو اللہ کی خاطر ہو اور درست وہ ہے جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہو، اور یہی وہ بہتر عمل ہے جس کا ذکر اللہ کے اس قول میں آیا ہے: (اور دین کے لحاظ سے اس سے بہتر کون ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے تابع کر دیا، جب کہ وہ نیکی کرنے والا ہو)، اور یہی وہ عمل صالح ہے جس کا ذکر اللہ کے اس قول میں بھی ہے: (پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو لازم ہے کہ وہ عمل کرے نیک عمل اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے)، اور نبی اکرم ﷺ نے بھی اسی کا حکم دیا ہے اپنے اس قول کے اندر: (ہر وہ عمل جو میرے دین پر نہ ہو وہ مردود ہے)، اور ہر وہ عمل جو بغیر متابعت کے ہو تو وہ عامل اللہ سے دور ہی ہوگا، کیونکہ اللہ تعالی کی عبادت دین کے مطابق ہوتی ہے نہ کہ خواہشات اور آراء کی بنیاد پر۔

الشرح:

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے عمل کے شروط کو بیان کیا ہے، جن کا ذکر اللہ تعالی کے اس قول میں ہوا ہے: {فَمَن كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا} ترجمہ: پس جو شخص اپنے رب کی ملاقات

کی امید رکھتا ہو تو لازم ہے کہ وہ عمل کرے نیک عمل اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے۔

بایں طور کہ اہل علم نے اس آیت کے تعلق سے کہا ہے کہ یہ دونوں چیزیں عمل کیلئے رکن کی حیثیت رکھتی ہیں: یعنی اخلاص اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت۔

اور اخلاص صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہر اس عبادت کا اصل ہے جس کے ذریعے ہم اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں، اور ہر وہ عمل جس کے ذریعے ہم اللہ کا تقرب حاصل کرنا چاہتے ہیں اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ خالص اور درست ہو، اور اسی لئے جب فضیل بن عیاض نے اس آیت (لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا) کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا کہ جو خالص اور درست ہو، یعنی جس کے اندر اخلاص اور سنت کی متابعت ہو، اور یہی دونوں ہر اس عمل کے ارکان ہیں جس کے ذریعے ہم اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔

پھر مصنف رحمہ اللہ نے اس اخلاص اور سنت کی متابعت کے تعلق سے لوگوں کی چار قسمیں بتائی ہیں:

پہلی قسم: یہ وہ سچے لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی اطاعت کی، اسکی رضاجوئی کیلئے ہر کام انجام دیا، اور انکے اعمال سنت کے مطابق رہتے ہیں، کوئی افراط اور تفریط نہیں پایا جاتا، کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی ہے، یہی وہ اللہ کے مخلص بندے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا ہے: {إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ} ترجمہ: مگر اللہ کے خالص کیے ہوئے بندے۔

اور جن کے بارے میں اللہ تعالی نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے: {وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا} ترجمہ: اور دین کے لحاظ سے اس سے بہتر کون ہے جس نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے تابع کر دیا، جب کہ وہ نیکی کرنے والا ہو اور اس نے ابراہیم کی ملت کی پیروی کی، جو ایک (اللہ کی) طرف ہو جانے والا تھا اور اللہ نے ابراہیم کو خاص دوست بنالیا۔

اور جن کے بارے میں اللہ تعالی نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے: {إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا} ترجمہ: بے شک ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اس کے لیے زینت بنایا ہے، تاکہ ہم انھیں آزمائیں ان میں سے کون عمل میں بہتر ہے۔

یہاں اہل اخلاص اور اہل متابعہ سے مراد اہل سنت والجماعہ ہے، اور یہی فرقہ ناجیہ ہے، اسی کو طائفہ منصورہ کہتے ہیں، یہی اہل تقوی اور اہل استقامت ہیں، یہی اہل اسلام اور اہل ایمان ہیں، انہیں کو جماعہ یعنی مسلمانوں کی جماعت کہا گیا ہے، یہ سارے نام ان پر منطبق ہوتے ہیں، خواہ یہ کتنے ہی تھوڑے کیوں نہ ہوں، کثرت کی طرف نہیں دیکھا جائے گا، کیونکہ اللہ کے نزدیک کثرت کوئی معیار نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: {وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن

سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ} ترجمہ: اور اگر تو ان لوگوں میں سے اکثر کا کہنا مانے جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے، وہ تو گمان کے سوا کسی چیز کی پیروی نہیں کرتے اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اٹکل دوڑاتے ہیں۔

یہاں مقصود یہ ہیکہ یہ دونوں چیزیں یعنی اخلاص اور متابعت ایک دوسرے سے الگ نہیں ہوسکتیں، چنانچہ بغیر متابعت کے اخلاص کا کوئی فائدہ نہیں اور بغیر اخلاص کے متابعت کا کوئی فائدہ نہیں۔

اور اخلاص کا مفہوم یہ ہیکہ آپ اپنے عمل کے ذریعے اللہ کی رضا چاہیں، اسکے ذریعے کسی دوسرے سے بدلہ یا شکریہ کا ارادہ نہ کریں، اور اسکے منافی شرک ہے خواہ وہ شرک اکبر ہو یا اصغر، اسی طرح اس کے منافی ریاکاری اور دنیاوی عمل بھی ہے، چنانچہ جب وہ ان تمام چیزوں سے الگ ہوجائے گا تو اسکے اندر جا کر اللہ کے لئے اخلاص پایا جائے گا۔

اور متابعت کا مفہوم یہ ہیکہ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کی جائے آپ کے اقوال، افعال اور تقریر ہر ایک میں، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا ہے: {لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا} ترجمہ: بلاشبہ یقینا تمھارے لیے اللہ کے رسول میں ہمیشہ سے اچھا نمونہ ہے، اس کے لیے جو اللہ اور یوم آخر کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت زیادہ یاد کرتا ہو۔

اسی لئے آپ ﷺ نے اپنے حکم کی مخالفت سے ڈرایا اور آگاہ کیا ہے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا: {مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ} ترجمہ: جو شخص ایسا کام کرے جس کے لیے ہمارا حکم نہ ہو (یعنی دین میں ایسا عمل نکالے) تو وہ مردود ہے۔

چنانچہ جو اللہ کے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے گا وہ مردود ہوگا۔

اہم یہ ہیکہ ہم یہ جان لیں کہ اخلاص اور متابعت دونوں دو عظیم رکن ہیں جن کا پایا جانا ہر اس عمل میں ضروری ہے جس کے ذریعے ہم اللہ کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔

❁❁❁

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

الضرب الثاني: من لا إخلاص له ولا متابعة له، وهؤلاء شرار الخلق، وهم المتزينون بأعمال الخير، يراءون بها النّاس. وهذا الضرب يكثر فيمن انحرف عن الصراط المستقيم من المنتسبين إلى الفقه والعلم والفقر والعبادة، فإنهم يرتكبون البدع والضلال والرّياء والسّمعة، ويحبّون أن يحمدوا بما لم يفعلوا. وفي أضراب هؤلاء نزل قوله تعالى: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَّيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾.

ترجمہ: دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کے یہاں نہ اخلاص ہوتا ہے اور نہ ہی متابعت، یہ سب سے برے لوگ ہیں، یہ اعمال خیر کو مزین بنا کر لوگوں کو دکھاتے ہیں، یہ صراط مستقیم سے منحرف اگروہ لوگ ہیں جن کی نسبت فقہ وعلم اور فقیری وعبادت کی طرف ہوتی ہے، یہ بدعات اور گمراہیوں، ریاء ونمود کا ارتکاب کرتے ہیں، یہ چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ان چیزوں پر بھی کی جائے جو یہ کرتے نہیں ہیں۔ انہیں لوگوں کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے: (ان لوگوں کو ہرگز خیال نہ کر جو ان (کاموں) پر خوش ہوتے ہیں جو انھوں نے کیے اور پسند کرتے ہیں کہ ان کی تعریف ان (کاموں) پر کی جائے جو انھوں نے نہیں کیے، پس تو انھیں عذاب سے بچ نکلنے میں کامیاب ہرگز خیال نہ کر اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے)۔

الشرح:

اور یہ قسم جس کی طرف مصنف رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے ان کی اکثریت ہے، اور انہیں کے یہاں نہ اخلاص ہوتا ہے اور

نہ متابعت، گرچہ یہ خود کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں، یہ دو گروہ میں بٹے ہوئے ہیں:

پہلا گروہ: منافقوں کی ہے جو اسلام کو ظاہر کرتے ہیں اور باطن میں کفر کو چھپا کر رکھتے ہیں، اس طرح یہ نہ ہی اپنی عبادت میں خالص ہوتے ہیں اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی متابعت کرتے ہیں۔

دوسرا گروہ: یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں مصنف رحمہ اللہ نے اشارہ کر دیا ہے، اور اس سے مراد بعض وہ لوگ ہیں جو خود کو فقہ اور علم کی طرف منسوب کرتے ہیں، اسی طرح فقر کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، اور یہ فقر صوفیوں کی ایک اصطلاح ہے، چنانچہ ان کے یہاں جو شیخ طریقت یا پیر ہوتا ہے اسے یہ فقیر کہتے ہیں، اور یہ اسی کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں، اور یہ لوگ سنت کے طریقے پر نہیں چلتے، یہ بظاہر عبادت کرتے ہیں مگر اس سے یا تو دکھاوا مراد ہوتا ہے یا وہ اخلاص کے ساتھ کرتے ہیں مگر سنت کے مطابق نہیں کرتے، بلکہ سنت رسول ﷺ کی کسی بھی چیز میں متابعت نہیں کرتے، اور ان میں اکثر صوفیاء ہوتے ہیں، بلکہ اکثر غالی صوفیوں نے اللہ کی عبادت کو رسم ورواج میں بدل دیا ہے، یہاں تک کہ یہ طاغوت بن چکے ہیں جن سے لوگ اللہ کو چھوڑ کر اپنا دل لگاتے ہیں، انکا ذکر کرتے ہیں، انکی پاکی اور بڑائی بیان کرتے ہیں، انکے لئے رکوع اور سجدہ کرتے ہیں، اور وہ اس سے راضی بھی ہوتے ہیں، والعیاذ باللہ، ایسے لوگوں میں کوئی خیر نہیں ہے، یہ بدترین اور بدبخت قسم کے لوگ ہیں، بلکہ یہ اللہ کی سب سے بری مخلوق ہیں؛ کیونکہ یہ لوگوں کیلئے ظاہر کرتے ہیں کہ یہ اللہ کی بہت عبادت کرکے اس سے قریب تر ہوتے ہیں حالانکہ یہ اللہ اور منہج حق سے سب سے زیادہ دور ہوتے ہیں۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

الضرب الثالث: من هو مخلص في أعماله، لكنها على غير متابعة الأمر، كجهال العباد، والمنتسبين إلى الزّهد والفقر، وكل من عبد الله على غير مراده. والشأن ليس في عبادة الله فقط، بل في عبادة الله كما أراد الله. ومنهم من يمكث في خلواته تاركًا للجمعة، ويرى ذلك قربة، ويرى مواصلة صوم النّهار والقيام بالليل قربة، وصيام يوم الفطر قربة، وأمثال ذلك.

ترجمہ: تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو عمل میں مخلص ہوتے ہیں مگر سنت کی متابعت نہیں ہوتی، جیسے کہ جاہل عبادت گزار، اور وہ لوگ جو اپنی نسبت زہد وفقر کی طرف کرتے ہیں، اور ہر وہ شخص جو اللہ کی عبادت اس طریقے پر کرے جو اللہ کو مقصود نہ ہو۔

یہاں مطلب صرف اللہ کی عبادت کرنا نہیں ہے بلکہ عبادت اس طریقے پر کرنا ہے جیسا اللہ چاہتا ہے، اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو خلوتوں میں پڑے ہوئے ہیں وہ جمعہ ترک کر دیتے ہیں، اور اسے وہ نیکی سمجھتے ہیں، وہ صوم وصال رکھتے ہیں، قیام اللیل کرتے ہیں، عید الفطر کے دن بھی روزہ رکھتے ہیں اور ان سب کو نیکی سمجھتے ہیں۔

الشرح:

یہ دوسری قسم غالی صوفیوں کی ہے، اور الحمد للہ یہ لوگ ہمارے ملک میں بہت ہی کم ہیں، گرچہ انکی دعوت موجود ہے جو ہمارے نوجوانوں پر حملہ کرتے ہیں، یہ صوفی تبلیغیوں کی دعوت ہے جس سے بہت سے لوگ دھوکہ کھا چکے ہیں، یہ آخر میں اپنے مسلک کی دعوت دیتی ہے، کیونکہ اس دعوت کے جو اصلی سربراہ ہیں وہ ملک سے باہر رہتے ہیں اور انہیں کا مسلک اصل ہے، جو نہ جمعہ میں حاضر ہوتے ہیں نہ ہی جماعت میں، اور ان میں کچھ ایسے ہیں جو کبھی کبھی جمعہ کیلئے چلے جاتے ہیں، اور اسے وہ نیکی سمجھتے ہیں۔

اور ان کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ لوگ ہیں جو یہ جانتے ہیں کہ وہ جھوٹے ہیں مگر لوگوں سے دنیاوی مال ومتاع کا حصول انہیں سچ بولنے سے مانع ہوتا ہے، کیونکہ اگر وہ اپنے ان خرافاتی عقائد کو ترک کردیں اور سچے منہج پر آجائیں تو ان کا سارا مایا جال ختم ہو جائے گا۔

اور یہ دوسری قسم والے ہیں، اور مصنف رحمہ اللہ نے جن لوگوں کی طرف اشارہ کیا ہے وہ تیسری قسم کے لوگ ہیں جنہیں اپنے اعمال پر دھوکہ ہوا ہے، وہ جو کچھ کرتے ہیں اس تعلق سے یہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کر رہے ہیں جبکہ وہ رسول اکرم ﷺ کی سنت پر نہیں ہوتے، کیونکہ وہ روزہ رکھتے ہیں مگر جمعہ کے دن، عیدین کے دن، وہ رہبانیت اختیار کرتے ہیں، شادی نہیں کرتے، بعض کھانوں کو ترک کردیتے ہیں، اسی طرح بہت سے ایسے اعمال کرتے ہیں جو بودھسٹوں اور ہندوؤں کے مشابہ ہوتے ہیں، وہ منہج حق سے بہت دور ہوتے ہیں، یہ سب سے برے لوگ ہی، کیونکہ زیادہ تر لوگ انہیں سے دھوکہ کھاتے ہیں، والعیاذ باللہ۔

یہ لوگ کبھی کبھی روتے ہیں اس قدر کہ داڑھیاں بھیگ جاتی ہیں، پھر ان پر اللہ کا یہ قول صادق آتا ہے: {قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا[103] الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا[104] أُولَئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا[105] ذَلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا} کہہ دیں کیا ہم تمھیں وہ لوگ بتائیں جو اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں۔[103] وہ لوگ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں ضائع ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں۔[104] یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے رب کی آیات اور اس کی ملاقات کا انکار کیا، تو ان کے اعمال ضائع ہوگئے، سو ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔[105] یہ ان کی جزا جہنم ہے، اس وجہ سے کہ انھوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کو مذاق بنایا۔

انہیں میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جو بدعتی اذکار معین اوقات میں پڑھتے ہیں، یہ اپنا ذکر (لا الہ الا اللہ) سے شروع کرتے ہیں، پھر اسکا پہلا جملہ ترک کردیتے ہیں اور صرف اللہ اللہ کہتے ہیں، پھر لفظ جلالہ کو بھی ترک کردیتے ہیں اور صرف ھو ھو کہتے ہیں، ایسا لگے گا کہ کتے بھونک رہے ہوں، آخر میں آواز بالکل ختم ہو جاتی ہے، ایسا لگے گا کہ وہ کبھی بات ہی نہیں کرے گا، اور اسے وہ اللہ کی قربت سمجھتا ہے، جبکہ وہ اللہ سے بہت دور ہوتا ہے، کیونکہ اس کا سارا عمل سنت رسول ﷺ کے مطابق نہیں ہوتے، خواہ وہ کتنا ہی زاہد وعابد بن جائے، ایسے عمل کی کوئی قیمت نہیں جو سنت کے مطابق نہ ہو، جیسا کہ ارشاد باری ہے: {وَقَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَنْثُورًا} ترجمہ: اور ہم اس کی طرف آئیں گے جو انھوں نے کوئی

بھی عمل کیا ہوگا تو اسے بکھرا ہوا غبار بنادیں گے۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا [103] الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا} ترجمہ: کہہ دیں کیا ہم تمھیں وہ لوگ بتائیں جو اعمال میں سب سے زیادہ خسارے والے ہیں۔ [103] وہ لوگ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں ضائع ہوگئی اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ایک اچھا کام کر رہے ہیں۔

اور اسی معنی میں یہ حدیث ہے:

عَنْ عَائِشَةَ ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ ".

ترجمہ: ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص ایسا کام کرے جس کے لیے ہمارا حکم نہ ہو (یعنی دین میں ایسا عمل نکالے) تو وہ مردود ہے۔“

میں قارئین کرام کو نصیحت کروں گا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب مجموع الفتاوی کے گیارہویں جلد کا مطالعہ ضرور کریں جس کے اندر آپ نے اس گروہ کا ذکر کیا ہے اور تفصیل سے ان کے بارے میں بیان کیا ہے، کیونکہ یہ ڈھول باجے اور گانے کے ساتھ لوگوں کی بھیڑ جمع کرتے ہیں پھر ان میں سے کوئی خیالوں میں چلے جائے گا، اور آج کل یہ گمراہ فرقہ اکثریہ کام کر رہا ہے، یہ لوگوں کو اس طرح کر دیتے ہیں کہ وہ خیالوں میں جینے لگتے ہیں، انہیں دین سے کوئی مطلب نہیں رہ جاتا، بلکہ ان کا شیخ اور پیر کیا کرتا ہے اور کیا کہہ رہا ہے اسی سے مطلب رکھتے ہیں، اسی کا پیر چومتے ہیں، اس کے سامنے سر جھکاتے ہیں اور اسی کیلئے رکوع کرتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ انکا دین میں کوئی حصہ ہی نہیں ہے۔

اکثر لوگ انہیں کے فتنوں سے دوچار ہیں، ان کا گمان ہے کہ محمد الیاس درختوں کے درمیان گھومتے ہیں، وہ روتے ہیں یہاں تک کہ ان کے رونے کی آواز سنائی دیتی ہے، جب لوگ اس درخت تک پہونچتے ہیں تو وہ دوسرے درخت کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، اسی طرح وہ ایک درخت سے دوسرے درخت کی طرف منتقل ہوتے رہتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کسی سے نہیں بھاگتے تھے جبکہ آپ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والے اور خشیت والے تھے آپ ﷺ نے خود اپنے بارے میں خبر دی ہے جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، يَقُولُ: جَاءَ ثَلَاثَةُ رَهْطٍ إِلَى بُيُوتِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْأَلُونَ عَنْ عِبَادَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا أُخْبِرُوا كَأَنَّهُمْ تَقَالُّوهَا، فَقَالُوا:

وَأَيْنَ نَحْنُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ أَحَدُهُمْ: أَمَّا أَنَا، فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ، وَقَالَ آخَرُ: أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا، فَجَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهِمْ، فَقَالَ: "أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا، أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي".

ترجمہ: سیدنا انس بن مالک نے بیان کیا کہ تین حضرات (علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عمرو بن العاص اور عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہم) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آپ کی عبادت کے متعلق پوچھنے آئے، جب انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتایا گیا تو جیسے انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا مقابلہ! آپ کی تو تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ آج سے میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور کبھی ناغہ نہیں ہونے دوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کرلوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان سے پوچھا کیا تم نے ہی یہ باتیں کہی ہیں؟ سن لو! اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ رب العالمین سے میں تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ میں تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں اگر روزے رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں (رات میں) اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ (فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي) میرے طریقے سے جس نے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

اس طرح یہ معاملہ بہت سنگین ہے، آپ ایک شخص کو دیکھ کر دھوکہ کھا جاتے ہیں کیونکہ رونے سے اسکی داڑھی اور سینہ بھیگ چکے ہیں، وہ خاموش ہے مگر بدعتی ذکر واذکار میں مشغول ہے، اسی مناسبت سے میں آپ کو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ کا واقعہ ذکر کرتا ہوں، اس وقت آپ کے پاس ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ آئے تھے، آپ نے کچھ لوگوں کو دیکھا کہ وہ ایک حلقہ بنا کر بیٹھے ہیں اور ان میں سے ایک شخص کہتا ہے: سو بار تسبیح کہو، تو لوگ سو بار تسبیح کہتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے کہ سو بار تکبیر کہو، تو لوگ سو بار تکبیر کہتے ہیں، دیکھیں تسبیح اور تکبیر کہنے میں کوئی مسئلہ نہیں ہے، مسئلہ ہیئت اور طریقے میں ہے، بہر حال ابوموسی اشعری نے ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو آکر خبر دی تو آپ نے آکر کہا: (مَا أَسْرَعَ هَلَكَتَكُمْ هَؤُلَاءِ صَحَابَةُ نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَافِرُونَ وَهَذِهِ ثِيَابُهُ لَمْ تَبْلَ وَآنِيَتُهُ لَمْ تُكْسَرْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّكُمْ لَعَلَى مِلَّةٍ هِيَ أَهْدَى مِنْ مِلَّةِ مُحَمَّدٍ أَوْ مُفْتَتِحُو بَابِ ضَلَالَةٍ) ترجمہ: تمہارا ستیاناس ہو تم کتنی تیزی سے ہلاکت کی طرف جا

رہے ہو یہ تمہارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تمہارے درمیان بکثرت تعداد میں موجود ہیں اور یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے ہیں جو ابھی پرانے نہیں ہوئے اور یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے برتن ہیں جو ابھی ٹوٹے نہیں ہیں اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم ایسے طریقے پر ہو جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے؟ یا پھر تم گمراہی کا دروازہ کھولنا چاہتے ہو۔

اس حدیث کے راوی عمرو بن سلمہ کہتے ہیں: (رَأَيْنَا عَامَّةَ أُولَئِكَ الْحِلَقِ يُطَاعِنُونَا يَوْمَ النَّهْرَوَانِ مَعَ الْخَوَارِجِ) ترجمہ: ہم نے اس بات کا جائزہ لیا ان حلقوں سے تعلق رکھنے والے عام افراد وہ تھے جنہوں نے نہروان کی جنت میں خوارج کے ساتھ مل کر ہمارے ساتھ مقابلہ کیا۔

سبحان اللہ! دیکھیں ایک فتنہ کیسے ایک معمولی چنگاری سے شروع ہوتی ہے پھر ایک بڑے فتنے پر جا کر ختم ہوتی ہے، یہ نہروان کا دن آخر کیا ہے؟ یہ وہی دن ہے جب سیدنا علی نے خوارج کے خلاف جنگ کی تھی جنہوں نے مسلمانوں کا خون حلال کر رکھا تھا، یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اس بدعت سے شروعات کی تھی، جو نبی اکرم ﷺ کی سنت کے خلاف تھی، پھر یہی بدعت اور معمولی فتنہ بڑا ہو کر ایک جنگ کی شکل بن گئی کہ یہی لوگ جا کر خوارج کے ساتھ مل گئے، اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے لگے، ان کے جان و مال کو حلال کر لیا۔

اسلئے ہم پر ضروری ہے کہ ایسے بدعتیوں سے دور رہیں جو ایسے زہد و تقوی اور عبادت کا اظہار کرتے ہیں جو سنت نبوی سے ہٹ کر ہے، آپ خوارج کو دیکھیں گے کہ وہ دن میں روزہ رکھتے ہیں اور رات میں قیام کرتے ہیں، وہ قرآن اس طرح پڑھتے ہیں کہ آپ سن کر رشک کریں گے، انہیں میں سے بعض ایسے گزرے ہیں جو بغیر قرآن کے بات ہی نہیں کرتے تھے، مگر وہ گمراہ ہیں، نبی اکرم ﷺ نے خبر دی ہے کہ اگر میں انہیں پا گیا تو قوم عاد کی طرح قتل کر دوں گا۔ حالانکہ یہ زاہد و عابد ہوتے ہیں مگر سنت نبوی سے ہٹ کر، یہ مسلمانوں کا خون حلال کرتے ہیں، انہوں نے تو سیدنا علی و عمرو و معاویہ رضی اللہ عنہم کا خون حلال کر لیا تھا، مگر مچھر کے خون کے بارے میں سوال کر رہے تھے کہ اس کا مارنا حلال ہے یا حرام، سبحان اللہ! یہ عبداللہ بن خباب بن ارت رضی اللہ عنہ کو پکڑ کر قتل کر دیتے ہیں، آپ کی بیوی کو قتل کر دیتے ہیں، پیٹ چاک کر کے حمل نکال دیتے ہیں، مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد یہ فتوی پوچھتے ہیں کہ مالک سے پوچھے بغیر اسکے درخت کا کھجور کھا سکتے ہیں یا نہیں۔

چنانچہ یہ فتنوں اور بدعتوں کا انجام ہے، اسلئے ان سے دھوکہ نہ کھاؤ، اور ہم یہ باتیں اسلئے کہہ رہے ہیں کہ ہم خود ایسے لوگوں سے دھوکہ کھا چکے ہیں، انہیں ہم نے دیکھا ہے وہ بہترین خطبہ دیتے ہیں، گلا پھاڑ پھاڑ کر بولتے ہیں چار گھنٹے پانچ گھنٹے، خطبہ موثر بھی ہوتا ہے، دلوں کو لگنے والا ہوتا ہے مگر یہ حقیقت میں گمراہ ہوتے ہیں۔

آج بھی یہاں مسجد نبوی کے پاس ایسے بدعتی اور روافض آتے ہیں جو بقیع کے پاس جا کر سر پیٹتے ہیں اور روتے ہیں صحابہ پر لعن طعن کرتے ہیں، اسلئے یہ کوئی آسان مسئلہ نہیں ہے، بہت ہی سنگین ہے، چنانچہ کسی ایسے شخص سے دھوکہ نہ کھائیں جو عبادت اور خشوع کا اظہار کرے، مگر اسکا عمل سنت رسول ﷺ کے مطابق نہ ہو، ہم جذبات میں نہ بہہ جائیں کہ کسی کو روتا ہوا دیکھیں تو کہنے لگیں کہ یہی تو مخلص مومن اللہ کا سچا بندہ ہے۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

الضرب الرّابع: من أعماله على متابعة الأمر، لكنها لغير الله - تعالى -، كطاعات المرائين. وكالرّجل قاتل رياءً وسمعةً وحميّةً وشجاعةً وللمغنم، ويحجّ ليقال، ويقرأ ليقال، ويعلّم ويؤلف ليقال. فهذه أعمال صالحة لكنها غير مقبولةٍ، قال تعالى: {وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ}.

فلم يأمر النّاس إلاّ بالعبادة على المتابعة والإخلاص فيها. والقائم بهما هم أهل: {إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ}.

ترجمہ: چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جو سنت کی متابعت تو کرتے ہیں مگر ان کے اخلاص نہیں ہوتا، جیسے کہ ریاکاری کرنے والے، اور جیسے کہ وہ شخص جو ریاکاری، حمیت، عصبیت، بہادری اور مال غنیمت کی وجہ سے جہاد کرتا ہے، اور حج کرتا ہے تاکہ اسے حاجی کہا جائے، قرآن پڑھتا ہے تاکہ اسے قاری کہا جائے، علم حاصل کرتا ہے اور کتابیں لکھتا ہے تاکہ اسے عالم اور مصنف کہا جائے، یہ سب بہتر اعمال ہیں مگر مقبول نہیں ہوں گے، ارشاد باری ہے: (اور انہیں صرف اسی کا حکم دیا گیا کہ وہ تمام دین سے کٹ کر صرف اپنے دین کو خالص کر کے اللہ کی عبادت کریں)۔

چنانچہ لوگوں کو عبادت کا حکم دیا گیا متابعت اور اخلاص کے ساتھ، چنانچہ جو ان دونوں شرطوں کو پورا کرے گا وہی اس آیت پر عمل پیرا ہوگا: (ایاک نعبد وایاک نستعین)۔

الشرح:

یہ چوتھی قسم ہے، اس پر بھی بات ہو چکی ہے، یہ ریاکار لوگ ہیں، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسے لوگوں کے بارے میں بہت سی حدیثیں مروی ہیں، انہیں میں سے ایک یہ بھی ہے:

عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ : " قَالَ اللَّهُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى: أَنَا أَغۡنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرۡكِ، مَنۡ عَمِلَ عَمَلًا أَشۡرَكَ فِيهِ مَعِي غَيۡرِي تَرَكۡتُهُ وَشِرۡكَهُ ".

ترجمہ: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں بہ نسبت اور شریکوں کے محض بے پرواہ ہوں ساجھی سے، جس نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں میرے ساتھ میرے غیر کو ملایا اور ساجھی کیا تو میں اس کو اور اس کے ساجھی کے کام کو چھوڑ دیتا ہوں۔" (یعنی جو عبادت اور عمل دکھانے اور شہرت کے واسطے ہو وہ اللہ کے نزدیک مقبول نہیں مردود ہے۔ اللہ اسی عبادت اور عمل کو قبول کرتا ہے جو اللہ ہی کے واسطے خالص ہو۔ اور دوسرے کا اس میں کچھ لگاؤ نہ ہو)۔

اسی طرح ایک روایت یہ بھی ہے:

عَنۡ أَبِي مُوسَى الۡأَشۡعَرِيِّ ، أَنَّ رَجُلًا سَأَلَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ عَنِ الۡقِتَالِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَقَالَ: الرَّجُلُ يُقَاتِلُ غَضَبًا، وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً، قَالَ: فَرَفَعَ رَأۡسَهُ إِلَيۡهِ، وَمَا رَفَعَ رَأۡسَهُ إِلَيۡهِ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ قَائِمًا، فَقَالَ: " مَنۡ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الۡعُلۡيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ".

ترجمہ: سیدنا ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے، ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا اللہ کی راہ میں لڑائی کون سی ہے؟ تو کہا کہ آدمی لڑتا ہے غصہ سے اور لڑتا ہے اپنی قوم کی طرفداری میں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر اٹھایا اور اس وجہ سے اٹھایا کہ وہ کھڑا تھا (اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو لڑے اس لیے کہ اللہ کا کلمہ غالب ہو (یعنی توحید غالب ہو شرک پر اور شرک اور کفر مٹے) تو وہ لڑائی اللہ کی راہ میں ہے۔"

اسی طرح وہ مشہور حدیث جس کے اندر ہے کہ تین لوگوں کو سب سے پہلے جہنم میں ڈالا جائے گا اور پھر ان میں عالم، مجاہد اور مالدار کا نام آیا، پوری حدیث سنن ترمذی کے اندر اس طرح ہے:

عَنۡ عُقۡبَةَ بۡنَ مُسۡلِمٍ أَنَّ شُفَيًّا الۡأَصۡبَحِيَّ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ دَخَلَ الۡمَدِينَةَ فَإِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَدِ اجۡتَمَعَ عَلَيۡهِ النَّاسُ، فَقَالَ: مَنۡ هَذَا؟ فَقَالُوا: أَبُو هُرَيۡرَةَ، فَدَنَوۡتُ مِنۡهُ حَتَّى قَعَدۡتُ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَهُوَ يُحَدِّثُ النَّاسَ، فَلَمَّا سَكَتَ وَخَلَا قُلۡتُ لَهُ: أَنۡشُدُكَ بِحَقٍّ وَبِحَقٍّ لَمَا حَدَّثۡتَنِي حَدِيثًا سَمِعۡتَهُ مِنۡ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ عَقَلۡتَهُ وَعَلِمۡتَهُ، فَقَالَ أَبُو هُرَيۡرَةَ: أَفۡعَلُ لَأُحَدِّثَنَّكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ عَقَلۡتُهُ وَعَلِمۡتُهُ، ثُمَّ نَشَغَ أَبُو هُرَيۡرَةَ نَشۡغَةً فَمَكَثَ قَلِيلًا، ثُمَّ أَفَاقَ، فَقَالَ: لَأُحَدِّثَنَّكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الۡبَيۡتِ مَا مَعَنَا أَحَدٌ غَيۡرِي

وَغَيْرُهُ، ثُمَّ نَشَغَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَشْغَةً أُخْرَى، ثُمَّ أَفَاقَ فَمَسَحَ وَجْهَهُ ،فَقَالَ: لَأُحَدِّثَنَّكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَا وَهُوَ فِي هَذَا الْبَيْتِ مَا مَعَنَا أَحَدٌ غَيْرِي وَغَيْرُهُ، ثُمَّ نَشَغَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَشْغَةً أُخْرَى، ثُمَّ أَفَاقَ وَمَسَحَ وَجْهَهُ ، فَقَالَ: أَفْعَلُ لَأُحَدِّثَنَّكَ حَدِيثًا حَدَّثَنِيهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَعَهُ فِي هَذَا الْبَيْتِ مَا مَعَهُ أَحَدٌ غَيْرِي وَغَيْرُهُ، ثُمَّ نَشَغَ أَبُو هُرَيْرَةَ نَشْغَةً شَدِيدَةً، ثُمَّ مَالَ خَارًّا عَلَى وَجْهِهِ فَأَسْنَدْتُهُ عَلَيَّ طَوِيلًا، ثُمَّ أَفَاقَ، فَقَالَ: " حَدَّثَنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَنْزِلُ إِلَى الْعِبَادِ لِيَقْضِيَ بَيْنَهُمْ وَكُلُّ أُمَّةٍ جَاثِيَةٌ فَأَوَّلُ مَنْ يَدْعُو بِهِ رَجُلٌ جَمَعَ الْقُرْآنَ، وَرَجُلٌ قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، وَرَجُلٌ كَثِيرُ الْمَالِ، فَيَقُولُ اللَّهُ لِلْقَارِئِ: أَلَمْ أُعَلِّمْكَ مَا أَنْزَلْتُ عَلَى رَسُولِي؟ قَالَ: بَلَى يَا رَبِّ، قَالَ: فَمَاذَا عَمِلْتَ فِيمَا عُلِّمْتَ؟ قَالَ: كُنْتُ أَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: كَذَبْتَ، وَتَقُولُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ: كَذَبْتَ، وَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: بَلْ أَرَدْتَ أَنْ يُقَالَ: إِنَّ فُلَانًا قَارِئٌ فَقَدْ قِيلَ ذَاكَ، وَيُؤْتَى بِصَاحِبِ الْمَالِ فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: أَلَمْ أُوَسِّعْ عَلَيْكَ حَتَّى لَمْ أَدَعْكَ تَحْتَاجُ إِلَى أَحَدٍ؟ قَالَ: بَلَى يَا رَبِّ، قَالَ: فَمَاذَا عَمِلْتَ فِيمَا آتَيْتُكَ؟ قَالَ: كُنْتُ أَصِلُ الرَّحِمَ وَأَتَصَدَّقُ، فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: كَذَبْتَ، وَتَقُولُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ: كَذَبْتَ، وَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى: بَلْ أَرَدْتَ أَنْ يُقَالَ: فُلَانٌ جَوَادٌ فَقَدْ قِيلَ ذَاكَ، وَيُؤْتَى بِالَّذِي قُتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، فَيَقُولُ اللَّهُ لَهُ: فِي مَاذَا قُتِلْتَ؟ فَيَقُولُ: أُمِرْتُ بِالْجِهَادِ فِي سَبِيلِكَ فَقَاتَلْتُ حَتَّى قُتِلْتُ، فَيَقُولُ اللَّهُ تَعَالَى لَهُ: كَذَبْتَ، وَتَقُولُ لَهُ الْمَلَائِكَةُ: كَذَبْتَ، وَيَقُولُ اللَّهُ: بَلْ أَرَدْتَ أَنْ يُقَالَ: فُلَانٌ جَرِيءٌ، فَقَدْ قِيلَ ذَاكَ، ثُمَّ ضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رُكْبَتِي، فَقَالَ: يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أُولَئِكَ الثَّلَاثَةُ أَوَّلُ خَلْقِ اللَّهِ تُسَعَّرُ بِهِمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ " .

وَقَالَ الْوَلِيدُ أَبُو عُثْمَانَ: فَأَخْبَرَنِي عُقْبَةُ بْنُ مُسْلِمٍ، أَنَّ شُفَيًّا هُوَ الَّذِي دَخَلَ عَلَى مُعَاوِيَةَ فَأَخْبَرَهُ بِهَذَا، قَالَ أَبُو عُثْمَانَ، وَحَدَّثَنِي الْعَلَاءُ بْنُ أَبِي حَكِيمٍ، أَنَّهُ كَانَ سَيَّافًا لِمُعَاوِيَةَ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ رَجُلٌ فَأَخْبَرَهُ بِهَذَا، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ: قَدْ فُعِلَ بِهَؤُلَاءِ هَذَا، فَكَيْفَ بِمَنْ بَقِيَ مِنَ النَّاسِ ثُمَّ بَكَى مُعَاوِيَةُ بُكَاءً شَدِيدًا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ هَالِكٌ، وَقُلْنَا: قَدْ جَاءَنَا هَذَا الرَّجُلُ بِشَرٍّ، ثُمَّ أَفَاقَ مُعَاوِيَةُ وَمَسَحَ عَنْ وَجْهِهِ، وَقَالَ: صَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ: مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لا يُبْخَسُونَ {15} أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الآخِرَةِ إِلا النَّارُ

وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ {16} سورة هود آية 15-16.

ترجمہ: عقبہ بن مسلم سے شفیا اصبحی نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ وہ مدینہ میں داخل ہوئے، اچانک ایک آدمی کو دیکھا جس کے پاس کچھ لوگ جمع تھے، انہوں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟ لوگوں نے جواباً عرض کیا: یہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، شفیا اصبحی کا بیان ہے کہ میں ان کے قریب ہوا یہاں تک کہ ان کے سامنے بیٹھ گیا اور وہ لوگوں سے حدیث بیان کر رہے تھے، جب وہ حدیث بیان کر چکے اور تنہا رہ گئے تو میں نے ان سے کہا: میں آپ سے اللہ کا بار بار واسطہ دے کر پوچھ رہا ہوں کہ آپ مجھ سے ایسی حدیث بیان کیجئے جسے آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو اور اسے اچھی طرح جانا اور سمجھا ہو۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ٹھیک ہے، یقیناً میں تم سے ایسی حدیث بیان کروں گا جسے مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا ہے اور میں نے اسے اچھی طرح جانا اور سمجھا ہے۔ پھر ابو ہریرہ نے زور کی چیخ ماری اور بیہوش ہو گئے، تھوڑی دیر بعد جب افاقہ ہوا تو فرمایا: یقیناً میں تم سے وہ حدیث بیان کروں گا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے اسی گھر میں بیان کیا تھا جہاں میرے سوا کوئی نہیں تھا، پھر دوبارہ ابو ہریرہ نے چیخ ماری اور بیہوش ہو گئے، پھر جب افاقہ ہوا تو اپنے چہرے کو پونچھا اور فرمایا: ضرور میں تم سے وہ حدیث بیان کروں گا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان کیا ہے اور اس گھر میں میرے اور آپ کے سوا کوئی نہیں تھا، پھر ابو ہریرہ نے زور کی چیخ ماری اور بیہوش ہو گئے، اپنے چہرے کو پونچھا اور پھر جب افاقہ ہوا تو فرمایا: ضرور میں تم سے وہ حدیث بیان کروں گا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے بیان کیا ہے اور اس گھر میں میرے اور آپ کے سوا کوئی نہیں تھا، پھر ابو ہریرہ نے زور کی چیخ ماری اور بیہوش ہو کر منہ کے بل زمین پر گر پڑے، میں نے بڑی دیر تک انہیں اپنا سہارا دیئے رکھا پھر جب افاقہ ہوا تو فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یہ حدیث بیان کی ہے: "قیامت کے دن جب ہر امت گھٹنوں کے بل پڑی ہوگی تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کے لیے نزول فرمائے گا، پھر اس وقت فیصلہ کے لیے سب سے پہلے ایسے شخص کو بلایا جائے گا جو قرآن کا حافظ ہوگا، دوسرا شہید ہوگا اور تیسرا مالدار ہوگا، اللہ تعالیٰ حافظ قرآن سے کہے گا: کیا میں نے تجھے اپنے رسول پر نازل کردہ کتاب کی تعلیم نہیں دی تھی؟ وہ کہے گا: یقیناً اے میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو علم تجھے سکھایا گیا اس کے مطابق تو نے کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: میں اس قرآن کے ذریعے راتوں دن تیری عبادت کرتا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا اور فرشتے بھی اس سے کہیں گے کہ تو نے جھوٹ کہا، پھر اللہ تعالیٰ کہے گا: (قرآن سیکھنے سے) تیرا مقصد یہ تھا کہ لوگ تجھے قاری کہیں، سو تجھے کہا گیا، پھر صاحب مال کو پیش کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: کیا میں نے تجھے ہر چیز کی وسعت نہ دے رکھی تھی، یہاں تک کہ تجھے کسی کا محتاج نہیں رکھا؟ وہ عرض کرے گا: یقیناً میرے رب! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے تجھے جو چیزیں دی تھیں اس میں کیا عمل کیا؟ وہ کہے گا: صلہ رحمی کرتا تھا اور صدقہ و

خیرات کرتا تھا، اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تو نے جھوٹ کہا اور فرشتے بھی اسے جھٹلائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: بلکہ تم یہ چاہتے تھے کہ تمہیں سخی کہا جائے، سو تمہیں سخی کہا گیا، اس کے بعد شہید کو پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: تجھے کس لیے قتل کیا گیا؟ وہ عرض کرے گا: مجھے تیری راہ میں جہاد کا حکم دیا گیا چنانچہ میں نے جہاد کیا یہاں تک کہ شہید ہوگیا، اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا: تو نے جھوٹ کہا، فرشتے بھی اسے جھٹلائیں گے، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تیرا مقصد یہ تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے سو تجھے کہا گیا"، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے زانو پر اپنا ہاتھ مار کر فرمایا: ابو ہریرہ! یہی وہ پہلے تین شخص ہیں جن سے قیامت کے دن جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی"۔

امام ترمذی کہتے ہیں: ولید ابو عثمان کہتے ہیں: عقبہ بن مسلم نے مجھے خبر دی کہ شفیا اصبحی ہی نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر انہیں اس حدیث سے باخبر کیا تھا۔ ابو عثمان کہتے ہیں: علاء بن ابی حکیم نے مجھ سے بیان کیا کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے جلاد تھے، پھر معاویہ کے پاس ایک آدمی پہنچا اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے اس حدیث سے انہیں باخبر کیا تو معاویہ نے کہا: ان تینوں کے ساتھ ایسا معاملہ ہوا تو باقی لوگوں کے ساتھ کیا ہوگا، یہ کہہ کر معاویہ زار و قطار رونے لگے یہاں تک کہ ہم نے سمجھا کہ وہ زندہ نہیں بچیں گے، اور ہم لوگوں نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ یہ شخص شر لے کر آیا ہے، پھر جب معاویہ رضی اللہ عنہ کو افاقہ ہوا تو انہوں نے اپنے چہرے کو صاف کیا اور فرمایا: "یقیناً اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا ہے اور اس آیت کریمہ کی تلاوت کی » (مَن كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ {15} أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الآخِرَةِ إِلا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبَاطِلٌ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ) "جو شخص دنیاوی زندگی اور اس کی زیب و زینت کو چاہے گا تو ہم دنیا ہی میں اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے دیں گے اور کوئی کمی نہیں کریں گے، یہ وہی لوگ ہیں جن کا آخرت میں جہنم کے علاوہ اور کوئی حصہ نہیں ہے اور دنیا کے اندر ہی ان کے سارے اعمال ضائع اور باطل ہو گئے" (سورۃ ہود: ۱۶)۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کا عمل شریعت کے موافق تھا مگر اس میں پہلی شرط مفقود تھی اور وہ اخلاص ہے، لہذا یہ دونوں شرط یعنی اخلاص اور متابعت جب تک ایک ساتھ کسی عمل میں نہیں پائے جائیں گے وہ عمل مقبول نہیں ہوگا۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

ثم أهل مقام: {إِيَّاكَ نَعْبُدُ} لهم فى أفضل العبادة وأنفعها وأحقّها بالإيثار والتخصيص، أربعة طرق، وهم فى ذلك أربعة أصناف:

الصنف الأول: عندهم أنفع العبادات وأفضلها وأشقها على النّفوس وأصعبها، قالوا: لأنه أبعد الأشياء من هواها، وهو حقيقة التّعبّد، والأجر على قدر المشقّة، ورووا حديثا ليس له أصل: "أفضل الأعمال أحمزها" أى: أصعبها وأشقّها. وهؤلاء هم أرباب المجاهدات، والجور على النّفوس، قالوا: وإنما تستقيم النّفوس بذلك، إذ طبعها الكسل والمهاونة والإخلاد إلى الرّاحة، فلا تستقيم إلاّ بركوب الأهوال، وتحمّل المشاق.

ترجمہ: پھر (ایاک نعبد) کے مقام پر پہونچنے والوں کا مرتبہ عبادت میں اسکے افضل، نافع اور بہتر ہونے کے اعتبار سے چار طریقے ہیں اور ان کی چار قسمیں ہیں:

پہلی قسم: ان کے نزدیک سب سے مفید اور افضل عبادت وہ ہے جو نفس پر زیادہ شاق گزرے اور زیادہ مشکل ہو، کہتے ہیں: اسلئے یہ خواہشات نفس سے زیادہ دور ہوتا ہے، اور یہی عبادت کی حقیقت ہے، اور اجر محنت کے بقدر ہی ملتا ہے، اور تعلق سے ایک حدیث بھی بیان کرتے ہیں جسکی کوئی اصل نہیں ہے، اور وہ روایت یہ ہے: (سب سے افضل اعمال وہ ہے جو زیادہ دشوار ہو)، یعنی جس میں مشقت زیادہ اٹھانی پڑے، اور یہی مجاہدہ اور نفس پر ظلم کرنے والے لوگ ہیں، جو کہتے ہیں: ایسے ہی اعمال سے انسانی نفوس سیدھا رہتے ہیں کیونکہ ان کی طبیعت میں سستی، لاپرواہی اور راحت پسندی ہے، چنانچہ یہ نفوس اسی وقت سیدھا ہوں گے جب ہولناکیوں اور مشقتوں سے انہیں گزارا جائے۔

الشرح:

یہاں پر مصنف رحمہ اللہ اہل اخلاص اور اہل متابعہ کو مختلف خانوں میں بانٹ رہے ہیں، ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو مجاہدہ اور مشقت کرتے ہیں اور نفس پر اسقدر بوجھ ڈالتے ہیں جس کا وہ متحمل نہیں ہوتا، پھر وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا یہی عمل انہیں اللہ کے قریب کرے گا، جبکہ یہ سنت رسول ﷺ سے ہٹ کر ہوتا ہے، اس میں بے جا تکلف ہے جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع کیا ہے، فرمایا: (هلك المتنطعون): یعنی بے جا تکلف کرنے والے برباد ہو گئے۔ کیونکہ بے جا تکلف کرنے اور نفس کو حد سے زیادہ متحمل کرنے سے سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے:

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: "لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشَّهْرِ مِنَ السَّنَةِ أَكْثَرَ صِيَامًا مِنْهُ فِي شَعْبَانَ، وَكَانَ يَقُولُ: خُذُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ، فَإِنَّ اللَّهَ لَنْ يَمَلَّ حَتَّى تَمَلُّوا، وَكَانَ يَقُولُ: أَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَى اللَّهِ، مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ، وَإِنْ قَلَّ".

ترجمہ: سیدنا ابوسلمہ رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ماہ میں سال بھر کے شعبان سے زیادہ روزے نہ رکھتے تھے اور فرماتے تھے: "اتنی ہی عبادت کرو جتنی تم میں طاقت ہے کہ اللہ پاک ثواب دینے سے نہیں تھکے گا اور تم عبادت کرتے کرتے تھک جاؤ گے اور فرماتے تھے: "سب سے زیادہ پیارا کام اللہ پاک کے نزدیک وہ کام ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہی ہو۔"

اس حدیث کے اندر اللہ کیلئے نہ تھکنے کی صفت آئی ہے جو کہ مقید اور مشروط ہے، اس لئے ایسی صفتوں کو مقید اور مشروط ہی نقل کر سکتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ سے وارد ہوئی ہیں، ان سے اشتقاق نہیں کیا جائے گا، چنانچہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کی صفات میں سے ملل یعنی تھکنا ہے، یہ اللہ تعالی کے اس قول کی طرح ہے: {يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ} ترجمہ: اللہ سے دھوکا بازی کر رہے ہیں، حالانکہ وہ انھیں دھوکا دینے والا ہے۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ} ترجمہ: اور انھوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔

لہذا یہ مقید اور مشروط صفات میں سے ہے اسے ہم اس کے سیاق سے نہیں نکال سکتے، اسی کو مشاکلہ اور مقابلہ بھی کہتے ہیں یعنی اللہ کیلئے مقابلے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

یہاں پر شاہد تکلف اور بے جا مشقت اٹھانا ہے، اور اسی طرح آپ لوگوں کو وہ حدیث بھی معلوم ہوگی جس میں آتا ہے کہ آپ ﷺ کا قدم سوج جاتا تھا، تو یہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے، مزید یہ کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو جو طاقت دی تھی وہ

دوسرے کونہیں دیا ہے، اسی لئے آپ صوم وصال رکھتے تھے جبکہ دوسروں کیلئے منع ہے۔

یہاں شاہد یہ ہیکہ انسان اپنے نفس کو مشقت میں نہ ڈالے، کیونکہ جب وہ مشقت میں ڈالے گا تو ممکن ہے ایک دن وہ سستی کی وجہ سے اسے چھوڑ ہی دے، اسی لئے عبادت میں میانہ روی اختیار کرے اور رات میں ایک وقت خاص کر لے، اور روزہ انہیں دنوں میں رکھے جنہیں اللہ نے مشروع کیا ہے، جیسے ہر ماہ میں تین دن، پیر اور جمعرات کے دن۔

چنانچہ ایک مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کو مشقت میں نہ ڈالے، اسکا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ وہ قیام اللیل یا نفلی روزوں کو ترک کر دے، یہ تو مطلوب ہی ہے، البتہ مناسب یہ ہیکہ وہ اپنے نفس کو بے جا تکلف اور بے جا مشقت میں نہ ڈالے جو اس کے لئے نقصان ثابت ہو کہ بعد میں چل کر سستی کی وجہ سے اس عمل کو کلی طور پر چھوڑ دے۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

الصنف الثانی: قالوا: أفضل العبادات وأنفعها: التّجرّد والزّهد فی الدّنیا، والتقلل منها غایة الإمکان، وإطراح الاهتمام بها، وعدم الاکتراث لما هو منها. ثم هؤلاء قسمان:

فعوامّهم: ظنّوا أن هذا غایة، فشمّروا إلیه وعملوا علیه، وقالوا: هو أفضل من درجة العلم والعبادة، ورأوا الزّهد فی الدّنیا غایة کل عبادة ورأسها.

وخواصهم: رأوا هذا مقصودًا لغیره، وأن المقصود به عکوف القلب علی الله - تعالی -، والاستغراق فی محبّته، والإنابة إلیه، والتّوکل علیه، والاشتغال بمرضاته، فرأوا أفضل العبادات: دوام ذکره بالقلب واللسان. ثمّ هؤلاء قسمان:

فالعارفون: إذا جاء الأمر والنّهی بادروا إلیه، ولو فرّقهم وأذهب جمعهم.

والمنحرفون منهم یقولون: المقصود من القلب جمعیّته، فإذا جاء ما یفرّقه عن الله لم یلتفتوا إلیه، ویقولون:

یطالب بالأوراد من کان غافلاً ... فکیف بقلب کل أوقاته ورد

ثم هؤلاء - أیضا - قسمان:

منهم: من یترك الواجبات والفرائض لجمعیّته.

ومنهم: من یقوم بها ویترك السّنن والنّوافل، ویعلّم العلم النّافع لجمعیّته.

والحق: أن الجمعیّة حظ القلب، وإجابة داعی الله حقّ الرّب، فمن آثر حقّ

نفسه علی حقّ ربّه فلیس من العبادة فی شیء.

ترجمہ: دوسری قسم والوں نے کہا: افضل اور مفید عبادت تجرد اور زہد فی الدنیا ہے، بلکہ دنیاوی امور سے بالکل بے توجہی اور لاپرواہی کا نام ہے۔ پھر ان لوگوں کی دو قسمیں ہیں:

ان کے جو عوام ہیں انہوں نے یہ سمجھ لیا یہ یہی غایت اور مقصد ہے، چنانچہ اسی کیلئے انہوں نے کمر کس لی، اور کہا: یہ علم وعبادت کے مقابلے میں بھی بڑا درجہ ہے، اور زہد کو انہوں نے عبادت کا مغز اور بنیاد سمجھ لیا۔

اور ان کے جو خواص ہیں انہوں نے مقصود یہ سمجھا کہ دلوں کو اللہ کی طرف متوجہ کیا جائے، اور اسکی محبت میں غرق ہو جانا چاہئے، اسی پر توکل کرنا اور اسکی مرضی کیلئے مرنا چاہئے، چنانچہ انہوں نے سب سے افضل عبادت یہ سمجھا کہ دل اور زبان کو اسکی ذکر سے تر رکھنا چاہئے، پھر ان لوگوں کی قسمیں ہیں:

ان میں جو سمجھدار ہیں ان کے پاس جب امر ونہی آتے ہیں تو اسکی طرف دوڑ پڑتے ہیں، گرچہ یہ انہیں جدا جدا کر دے۔

اور ان میں جو منحرف ہوتے ہیں وہ کہتے ہیں: دل سے مقصود یہ ہیکہ اس کے اندر دلجمعی پائی جائے، اور جب ان کے پاس کوئی ایسی چیز آئے جو اسے اللہ سے دور کرنا چاہے تو وہ اسکی طرف متوجہ نہ ہو، اور یہ لوگ کہتے ہیں:

اوراد و وظائف کا مطالبہ اس سے کیا جاتا ہے جو غافل ہو، اس سے کیوں کیا جائے گا جس کا دل ہمہ وقت وردہی میں رہتا ہے۔

اور ان لوگوں کی دو قسمیں ہیں:

کچھ تو ایسے ہیں تو دلجمعی کو بنیاد بنا کر واجبات اور فرائض تک کو چھوڑ دیتے ہیں۔

اور کچھ ایسے ہیں جو واجبات وفرائض کو ادا کرتے ہیں مگر سنن ونوافل کو ترک کر دیتے ہیں۔

اور حقیقت یہ ہیکہ دل جمعی دل کا حصہ ہے اور اللہ کے داعی (موذن) کی پکار پر لبیک کہنا رب کا حق ہے، تو جس نے رب کے حق پر اپنے نفس کے حق کو ترجیح دی اسکی کوئی عبادت نہیں مانی جائیگی۔

الشرح:

اصحاب مجاہدہ میں سے جن لوگوں کا ذکر یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے کیا ہے یہ دوسری قسم ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو دنیا کے اندر زہد وتقوی کا دعوی کرتے ہیں اور اسی کو منہج بنالیتے ہیں اس طور پر کہ وہ احکام الہی کے دائرے سے باہر نکل جاتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اہم یہ ہیکہ نیکیوں میں مشغول رہو، گرچہ وہ کسب حلال کے ترک کے حساب پر ہو، اور یہ کہ وہ لوگوں پر بوجھ بن جائیں، اور ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو ترک عمل کی طرف دعوت دیتے ہیں چنانچہ وہ تجارت ہو یا نوکری اسے چھوڑ دینے کی رغبت دیتے ہیں، یہ دعوی کرتے ہوئے کہ جب یہ چھوڑ دیں تو توکل کا اصل مقصد حاصل ہوگا، جبکہ یہ توکل کا غلط مفہوم ہے، ارشاد باری تعالی ہے: {وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ} ترجمہ: اور جو کچھ اللہ نے تجھے دیا ہے اس میں آخرت کا گھر تلاش کر اور دنیا سے اپنا حصہ مت بھول اور احسان کر جیسے اللہ نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے اور زمین میں فساد مت ڈھونڈ، بے شک اللہ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا۔

اہم یہ ہیکہ دنیا کو مقصد نہ بنایا جائے بلکہ اسے ایک وسیلہ بنایا جائے تاکہ اس کے ذریعے اللہ کی اطاعت مدد ملے، مگر آپ ان منحرف قسم کے لوگوں کو دیکھیں گے کہ لوگوں کو باہر نکلنے کیلئے دعوت دیتے ہیں تاکہ گھربار اور کاروبار سب چھوڑ کر زمین میں نکل جائیں، ٹھیک ہے یہ ایک طرح سے سیاحت اور ریاضت ہے مگر کیا یہ نبی اکرم ﷺ کے دعوت کا طریقہ رہا ہے؟!

ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں میرے لئے خوشبو اور عورت کو محبوب بنادیا گیا ہے۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ روزہ رکھتے تھے، قیام اللیل کرتے تھے اور شادی کرتے تھے، کھانا کھاتے تھے اور لوگوں میں مل جل کر رہتے تھے۔

اور یہ کہیں نہیں ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے اس طرح کی سیاحت کیلئے کبھی حکم نہیں دیا جسے ان لوگوں نے دین کا حصہ سمجھ رکھا ہے، اور یہ گمان کرلیا ہے کہ یہی اصل جہاد فی سبیل اللہ ہے، اور کہتے ہیں: ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے۔ حالانکہ یہ توحید سے تصوف کی طرف لوٹ گئے ہیں، اللہ کے منہج حق سے ابلیس کے منہج باطل کی طرف لوٹ گئے ہیں جس کی طرف

یہ لوگوں کو بلاتے ہیں۔

یہ تلبیس ابلیس میں سے ہے، تلبیس ابلیس میں ابن الجوزی نے اس طرح کے لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے، اور اسطرح سے بیان کیا ہے جس سے لگے گا کہ انہوں نے اسی جماعت کے ساتھ زندگی گزاری ہے، چنانچہ ایک تبلیغی آ کر ایسا قصہ بیان کرے گا جو بالکل خیالی ہوگا، وہ اکثر قصوں کو گڑھ کر بیان کرتے ہیں، چنانچہ کہے گا کہ فلاں اللہ کے راستے میں نکل گیا، اسکی بیوی اس وقت زچگی کی حالت میں تھی، اس نے کہا: اے فلاں! مجھے چھوڑ کر مت جا، اس کے شوہر نے کہا: میں تم کو اللہ کے حوالے چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ جا رہا ہوں۔ پھر وہ یہ کہہ کر چلا جاتا ہے، کچھ ہی دیر میں ایک شخص آ کر دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور اسے کچھ دراہم دیتا ہے، اور پھر اسے لیکر اسپتال چلا جاتا ہے، اور وہ آج تک اس بندے کو نہیں جانتی ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے نے بیان کیا کہ ایک شخص کو لیکر باہر نکلے، کہتے ہیں مدینہ کے مضافات میں حنفیہ نام کا ایک قریہ ہے اسی علاقے کی طرف نکلے ہوئے تھے کہ راستے میں گاڑی کا تیل ختم ہوگیا، لوگوں نے اپنے طاغوت پیر کو پکارا، جس نے آ کر کچھ بڑبڑایا پھر اپنا تھوک نکال کر اس پر کچھ پڑھا، اور کچھ پانی لیکر آئے اور اسی کو گاڑی میں ڈال دیا، پھر اسی پانی سے گاڑی چلنے لگی، اور اس طرح وہ آٹھ روز تک چلتی رہی۔

اور کمال تو یہ ہیکہ ایسے جھوٹے واقعات بیان کر کے یہ روتے بھی ہیں لگے گا کہ معاملہ بہت ہی سنگین ہے، ایسے ہی واقعے کو لیکر ہم نے انہیں میں سے ایک پر اعتراض کیا تو کہنے لگا کہ آخر اس کے صحیح ہونے میں کون سی چیز مانع ہے، حالانکہ اس کے جھوٹ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

بہر حال، ہم یہ نہیں کہتے کہ آدمی آخرت کے مقابلے دنیا سے تعلق جوڑ لے، ہرگز نہیں، والعیاذ باللہ، یہ تو گمراہی ہوگی، مگر یہ کہاں کا دین ہے کہ ہم اپنے گھربار، بیوی بچوں کو اور تجارت اور نوکری سب کو چھوڑ کر تبلیغ کرنے نکل جاؤں؟ اور میں جس شہر میں جاؤں وہاں کا آدمی اپنی نوکری اور تجارت چھوڑ کر ہمارے علاقے میں چلا جائے؟!

خلاصہ یہ ہیکہ شیخ نے ایسے لوگوں کے بارے میں اس طرح بیان کیا ہے جیسے لگتا ہے کہ آپ نے ایسے ہی لوگوں کے بیچ میں زندگی گزاری ہے، ابلیس نے انہیں دین کے نام پر بہکا دیا ہے، نوافل، فرائض اور واجبات کو چھوڑ کر تبلیغ کرنے نکل جاتے ہیں خواہ انہیں تبلیغ کا طریقہ معلوم ہو یا نہ ہو، کچھ تو ایسے ہیں کہ صرف دل کو ذکر میں مشغول رکھنے ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو نوافل کو ترک کر دیتے ہیں، اور کچھ تو کہتے ہیں کہ غور وفکر کرنا ذکر و اذکار سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

یہ سارے گروہ بلاشبہ سیدھے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

الصنف الثالث: رأوا أن أفضل العبادات ما كان فيه نفعٌ متعدٍّ، فرأوه أفضل من النّفع القاصر، فرأوا خدمة الفقراء، والاشتغال بمصالح النّاس، وقضاء حوائجهم، ومساعدتهم بالجاه والمال والنّفع أفضل، لقوله صلى الله عليه وسلم: "الخلق عيال الله، وأحبّهم إلى الله أنفعهم لعياله". قالوا: وعمل العابد قاصر على نفسه، وعمل النفّاع متعدّ إلى الغير، فأين أحدهما من الآخر؟، ولهذا كان "فضل العالم على العابد كفضل القمر ليلة البدر على سائر الكواكب". وقد قال صلى الله عليه وسلم لعلي: "لأن يهدى الله بك رجلاً واحدًا خيرٌ من حمر النّعم"، وقال صلى الله عليه وسلم: "من دعا إلى هدى كان له من الأجر مثل أجور من تبعه، من غير أن ينقص من أجورهم شيئًا"، وقال صلى الله عليه وسلم: "إن الله وملائكته يصلّون على معلمى الناس الخير"، وقال صلى الله عليه وسلم: "إن العالم يستغفر له من فى السّموات ومن فى الأرض، حتى الحيتان فى البحر، والنملة فى جحرها". قالوا وصاحب العبادة إذا مات انقطع عمله، وصاحب النّفع لا ينقطع عمله ما دام نفعه الذى تسبّب فيه.

والأنبياء - عليهم الصّلاة والسّلام - إنما بعثوا بالإحسان إلى الخلق، وهدايتهم، ونفعهم فى معاشهم ومعادهم، لم يبعثوا بالخلوات والانقطاع، ولهذا أنكر النّبى صلى الله عليه وسلم على أولئك النّفر الذين همّوا بالانقطاع والتّعبّد، وترك مخالطة النّاس. ورأى هؤلاء أن التّفرغ لنفع الخلق أفضل من الجمعيّة على الله بدون ذلك، قالوا: ومن ذلك العلم والتّعليم، ونحو هذه الأمور

الفاضلة.

ترجمہ: تیسری قسم والوں نے کہا کہ افضل عبادت وہ ہے جسکا فائدہ متعدی ہو، چنانچہ انہوں نے فقراء ومساکین کی خدمت کو اور لوگوں کی مصلحتوں اور انکی ضرورتوں کو پورا کرنے کو اور جاہ ومال سے انہیں فائدہ پہونچانے کو افضل مانا، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: (مخلوق اللہ کے عیال ہیں، اوران میں سب سے زیادہ عنداللہ محبوب وہ ہے جو اسکے عیال کیلئے زیادہ مفید ہو) انہوں نے کہا: ایک عابد کا عمل اسی تک محدود رہتا ہے جبکہ دوسرے کیلئے کام کرنے والے کا عمل متعدی ہوتا ہے، اور دونوں عمل میں بہت فرق ہے، اوراسی لئے ایک عابد پر ایک عالم کی فضیلت اسی طرح ہے جس طرح چودھویں رات کے چاند کی فضیلت تمام ستاروں پر ہوتی ہے۔ اور آپ ﷺ نے سیدنا علی سے کہا تھا: (تمہارے ہاتھ پر ایک آدمی ہدایت پاجائے یہ تمہارے لئے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے)، آپ ﷺ نے مزید فرمایا: (جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی، اسے اسی کے برابر اجر ملے گا جو اس پر عمل کرے گا، بغیر اس کے کہ اس کے اجر میں سے کچھ کمی ہو)، مزید آپ ﷺ نے فرمایا: (یقیناً اللہ اور اسکے فرشتے لوگوں کو خیر کی باتیں سکھانے والوں کیلئے مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں)، اور آپ ﷺ نے مزید فرمایا: (ایک عالم کیلئے آسمان وزمین میں رہنے والی ہر چیز استغفار کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کی مچھلیاں بھی اور سوراخ میں چیونٹی بھی)، اوران لوگوں نے کہا: اور ایک عابد جب مرجاتا ہے تو اسکا عمل ختم ہوجاتا ہے مگر دوسروں کے ساتھ نیکی کرنے والے کا عمل ختم نہیں ہوتا جب تک کہ اسکے عمل سے دوسرے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔

اور یہ کہ انبیاء علیہم السلام کو لوگوں کے ساتھ احسان کرنے اور انکی ہدایت اور دنیا وآخرت میں بھلائی کیلئے بھیجے گئے ہیں، انہیں اسلئے نہیں بھیجا گیا تھا کہ لوگوں کو ترک دنیا کی دعوت دیں، بلکہ نبی اکرم ﷺ نے ان لوگوں پر ایک مرتبہ نکیر کی تھی جنہوں نے ترک دنیا کا ارادہ کیا تھا، اوران لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ مخلوق کو فائدہ پہونچانا عبادت سے افضل ہے، انہیں میں تعلیم وتعلم بھی آئے گا اوراسی طرح کی دیگر فاضل چیزیں

بھی اسی میں آجائیں گی۔

الشرح:

یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے حقوق اور دیگر واجبات کی ادائیگی میں کوتاہی سے کام لیتے ہیں، محرمات کو ترک کرنے اور ان سے دور رہنے میں سستی دکھاتے ہیں اور یہ دعوی کرتے ہیں کہ لوگوں کا فائدہ پہونچانا زیادہ بہتر عمل ہے، اور اسکے لئے وہ یا تو ضعیف احادیث کا سہارا لیتے ہیں یا صحیح احادیث ہیں مگر انکا غلط مفہوم نکالتے ہیں، جیسے کہ مصنف نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں آیا ہے: (جس نے ہدایت کی طرف دعوت دی، اسے اسی کے برابر اجر ملے گا جو اس پر عمل کرے گا، بغیر اس کے کہ اس کے اجر میں سے کچھ کمی ہو)، اسی طرح ایک دوسری حدیث ہے جس میں ہے کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اسکا عمل منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین چیز کے)، اور اس طرح کی دیگر حدیثیں جو گرچہ صحیح ہیں لیکن ان سے غلط استدلال کیا گیا ہے، چنانچہ ان کا بھی حال پہلے گروہ کی طرح ہے جنھوں نے عبادت کا غلط مفہوم لیا ہے، جبکہ بہتر طریقہ ان دونوں امر میں جمع وتطبیق کا ہے:

یعنی اللہ کے حقوق کو بھی ادا کیا جائے اور ساتھ ہی بندوں اور اپنے نفس کے حقوق کو بھی ادا کیا جائے۔

اور جہاں تک اس طریقے کا تعلق ہے تو یہ تلبیس ابلیس میں سے ہے، جو کہتا ہے کہ تمہارے لئے سب سے افضل اور اہم یہی ہے کہ تم لوگوں کی خدمت کرو تمہارا اجر بڑھتا رہے گا، گرچہ تم اللہ کی عبادت میں کوتاہی کروگے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، حالانکہ یہی خلط مبحث اور تلبیس ابلیس ہے، کیونکہ اللہ کے حقوق کی ادائیگی ضروری ہے، ساتھ ہی بندوں کے حقوق کو بھی ادا کرے، اور اپنے نفس کے حقوق کا بھی خیال کرے، مگر جو ایک کے حقوق کو ترک کر کے صرف دوسرے کے حقوق میں لگا رہے یہ عقلمندی نہیں شیطانی چال ہے۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

الصنف الرّابع: قالوا أفضل العبادة: العمل على مرضاة الرّب - سبحانه وتعالى-. وشغل كل وقت بما هو مقتضى ذلك الوقت ووظيفته.

فأفضل العبادات فى وقت الجهاد: الجهاد، وإن آل إلى ترك الأوراد من صلاة الليل وصيام النّهار، بل من ترك إتمام صلاة الفرض كما فى حالة الأمن.

والأفضل فى وقت حضور الضّيف: القيام بحقّه والاشتغال به.

والأفضل فى وقت السّحر: الاشتغال بالصلاة والقرآن والذّكر والدّعاء.

والأفضل فى وقت الأذان: ترك ما هو فيه من الأوراد والاشتغال بإجابة المؤذن.

والأفضل فى أوقات الصلوات الخمس: الجدّ والاجتهاد فى إيقاعها على أكمل الوجوه، والمبادرة إليها فى أوّل الوقت، والخروج إلى المسجد وإن بعد.

والأفضل فى أوقات ضرورة المحتاج: المبادرة إلى مساعدته بالجاه والمال والبدن.

والأفضل فى السّفر: مساعدة المحتاج، وإعانة الرّفقة، وإيثار ذلك على الأوراد والخلوة.

والأفضل فى وقت قراءة القرآن: جمعيّة القلب، والهمّة على تدبّره، والعزم على تنفيذ أوامره، أعظم من جمعيّة قلب من جاءه كتابٌ من السّلطان على ذلك.

والأفضل فى وقت الوقوف بعرفة: الاجتهاد فى التّضرّع والدّعاء والذّكر.

والأفضل فى أيام عشر ذى الحجّة: الإكثار من التّعبّد، لا سيما التّكبير والتّهليل والتّحميد، وهو أفضل من الجهاد غير المتعيّن.

والأفضل فى العشر الأواخر من رمضان: لزوم المساجد، والخلوة فيها، مع الاعتكاف والإعراض عن مخالطة النّاس، والاشتغال بهم، حتى أنه أفضل من الإقبال على تعليمهم العلم، وإقرائهم القرآن عند كثيرٍ من العلماء.

والأفضل فى وقت مرض أخيك المسلم أو موته: عيادته وحضور جنازته، وتشييعه، وتقديم ذلك على خلوتك وجمعيّتك.

والأفضل فى وقت نزول النّوازل وإيذاء النّاس لك: أداء واجب الصّبر مع خلطتك لهم، والمؤمن الذى يخالط النّاس ويصبر على أذاهم وإيذائهم أفضل من المؤمن الذى لا يخالط النّاس ولا يصبر على أذاهم، وخلطتهم فى الخير أفضل من عزلتهم فيه، وعزلتهم فى الشّر أفضل من خلطتهم فيه، فإن علم أنه إذا خالطهم أزاله وقلّله فخلطتهم خير من اعتزالهم.

وهؤلاء هم أهل التّعبّد المطلق، والأصناف التى قبلهم أهل التّعبّد المقيّد، فمتى خرج أحدهم عن الفرع الذى تعلّق به من العبادة وفارقه؛ يرى نفسه كأنه قد نقص ونزل عن عبادته، فهو يعبد الله - تعالى - على وجه واحد، وصاحب التّعبّد المطلق ليس له غرض فى تعبّد بعينه يؤثره على غيره، بل غرضه تتبّع مرضات الله - تعالى -: إن رأيت العلماء رأيته معهم، وكذلك فى الذّاكرين، والمتصدّقين، وأرباب الجمعيّة، وعكوف القلب على الله، فهذا هو

الغذاء الجامع للسّائر إلى الله فى كل طريق، والوافد عليه مع كل فريق.

واستحضر ههنا حديث أبى بكر الصدّيق -رضى الله عنه-، وقول النّبى صلى الله عليه وسلم بحضوره: "هل منكم أحدٌ أطعم اليوم مسكينا؟". قال أبو بكر: أنا. قال: "هل منكم أحدٌ أصبح اليوم صائما؟". قال أبو بكر: أنا. قال: "هل منكم أحدٌ عاد اليوم مريضا؟". قال أبو بكر: أنا. قال صلى الله عليه وسلم: "هل منكم أحدٌ اتبع اليوم جنازةً؟". قال أبو بكر: أنا ... الحديث.

هذا الحديث روى من طريق عبد الغنى بن أبى عقيل، حدّثنا نعيم بن سالم، عن أنس بن مالك -رضى الله عنه- قال: "كان رسول الله صلى الله عليه وسلم جالسًا فى جماعةٍ من أصحابه فقال: "من صام اليوم؟". قال أبو بكر: أنا. قال: "من تصدّق اليوم؟". قال أبو بكر: أنا. قال: "من عاد اليوم مريضا؟". قال أبو بكر: أنا. قال: "من شهد اليوم جنازةً؟". قال أبو بكر: أنا. قال: "وجبت لك". يعنى: الجنّة.

ونعيم بن سالم وإن تُكلِّم فيه لكن تابعه سلمة بن وردان، وله أصل صحيح من حديث مالك، عن محمد بن شهاب، عن حميد بن عبد الرحمن ابن عوف، عن أبى هريرة -رضى الله عنه-: أنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "من أنفق زوجين فى سبيل الله نودى فى الجنّة: يا عبد الله، هذا خير، فمن كان من أهل الصّلاة نودى من باب الصّلاة، ومن كان من أهل الجهاد نودى من باب الجهاد، ومن كان من أهل الصدقة دعى من باب الصدقة، ومن كان من أهل الصيام دعى من باب الريّان" فقال أبو بكر -رضى الله عنه-: يا رسول الله، ما

على من يدعي من هذه الأبواب كلها من ضرورة. فهل يدعى أحدٌ من هذه الأبواب كلها؟. قال: "نعم، وأرجو أن تكون منهم". هكذا رواه عن مالك موصولاً مسندًا عن يحيى بن يحيى، ومعن بن عيسى، وعبدالله بن المبارك.

ترجمہ: چوتھی قسم والوں نے کہا: افضل عبادت یہ ہیکہ اللہ کی مرضی کے مطابق عمل کیا جائے، اور اپنے وقت کو اسی چیز میں مشغول رکھا جائے جو وقت کا تقاضہ کرے۔

چنانچہ جہاد کے وقت سب سے افضل عبادت جہاد ہے، گرچہ اس سے قیام اللیل کے اوراد وظائف اور دن کے روزے چھوٹ جائیں، بلکہ گرچہ نماز کا پورا پڑھنا چھوٹ جائے۔

اور مہمان کی موجودگی میں سب سے افضل اسکے حق کو پورا کرنا اور اسکے ساتھ مشغول رہنا ہے۔

اور صبح تڑکے کے وقت نماز، تلاوت اور ذکر و دعاء میں مشغول رہنا ہے۔

اور اذان کے وقت میں سب سے افضل موذن کا جواب دینا اور اس وقت کے اوراد میں مشغول رہنا ہے۔

اور پانچوں اوقات کی نمازوں کے وقت سب سے افضل عمل وقت پر مسجد جا کر نماز کی ادائیگی ہے گرچہ مسجد دور ہو۔

اور محتاج کی ضرورت پوری کرنے کے وقت سب سے افضل اسکی مدد کرنا ہے خواہ یہ جاہ و مال سے ہو یا بدن سے ہو۔

اور سفر کی حالت میں سب سے افضل عمل ضرورت مند کی مدد کرنا، ساتھیوں کا تعاون کرنا ہے اور یہ تنہائی میں جا کر اوراد و وظائف سے بھی افضل ہے۔

اور تلاوت قرآن کے وقت دل جمعی کے ساتھ اس میں غور و فکر کرنا اور اس پر عمل کرنے کا عزم کرنا سب سے افضل عمل ہے۔

اور وقوف عرفہ کے وقت گڑ گڑانا، دعاء واذ کار کرنا سب سے افضل عمل ہے۔

اور ذی الحجہ کے دس دنوں میں سب سے افضل زیادہ سے زیادہ عبادت کرنا، بطور خاص تکبیر وتہلیل اور تحمید ہے، اور یہ متعین جہاد سے بھی افضل ہے۔

اور رمضان کے آخری عشرے میں مسجدوں کو لازم پکڑنا، وہاں اعتکاف بیٹھنا، دنیا کی بھیڑ سے دور رہنا زیادہ افضل ہے، حتی کہ بہت سارے علماء کے نزدیک قرآن کی تعلیم وتعلم سے بھی زیادہ افضل ہے۔

مسلمان بھائی کی بیماری اور موت کے وقت سب سے زیادہ افضل اسکی عیادت اور اسکے جنازے میں شریک ہونا ہے، اور اسے آپ اپنی خلوت اور دل جمعی پر ترجیح دیں گے۔

مصیبت کے وقت صبر کرنا سب سے زیادہ افضل ہے، کیونکہ ایک مومن جو لوگوں کے بیچ میں رہ کر ان کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے یہ اس مومن سے افضل ہے جو لوگوں کے بیچ میں نہیں رہتا اور نہ ہی ان کی تکلیفوں پر صبر کرتا ہے۔ چنانچہ خیر میں ان کے ساتھ رہنا ان سے دور رہنے سے افضل ہے، جس طرح برائی میں ان سے دور رہنا ان کے ساتھ رہنے سے افضل ہے۔

اگر اسے یقین ہو کہ ساتھ میں رہ کر اس برائی کو مٹا دے گا یا کم کر دے گا تو پھر ایسی صورت میں ان کے ساتھ رہنا ان سے دور رہنے سے افضل ہے۔

یہ مطلق عبادت کرنے والے ہوتے ہیں، مگر جن لوگوں کا تذکرہ اس سے پہلے ہوا وہ مقید عبادت والے ہیں، چنانچہ وہ جب اپنی خاص عبادت سے باہر نکلتے ہیں تو یہ سمجھتے ہیں کہ انکی عبادت میں کچھ کمی ہوگئی ہے، کیونکہ وہ اللہ کی عبادت ایک طریقے سے کرتا ہے، اور وہ شخص جو اللہ کی عبادت مطلق طریقے سے کرتا ہے اسے کسی خاص اور متعین عبادت سے مطلب نہیں ہوتا جو کسی دوسرے پر اثر ڈالنے والی ہو، بلکہ اس کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ اس سے اس کا رب راضی ہو جائے، آپ اسے علماء کے ساتھ پائیں گے، ذکر کرنے والوں میں بھی پائی گے، صدقہ کرنے والوں میں بھی پائیں گے، اللہ کی طرف دل متوجہ کرنے

والوں کے ساتھ پائیں گے، یہ وہ غذا ہے جو اللہ کی طرف جانے والے ہر راستہ اور اس پر چلنے والے ہر فریق کے ساتھ ملے گا۔

یہاں پر مجھے سیدنا ابو بکر صدیق کی وہ حدیث یاد آرہی ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے پوچھا تھا: (کون جنازہ کے ساتھ گیا ہے؟" سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کس نے مسکین کو آج کھانا کھلایا ہے؟" سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے۔ فرمایا: "کون آج مریض کی عیادت کو گیا تھا؟" سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں)

یہ حدیث ایک دوسرے طریق سے بھی مروی ہے جس میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن صحابہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ سوال کیا: آج کس نے روزہ رکھا ہے؟ ابو بکر نے کہا: میں نے، پوچھا: آج کس نے صدقہ کیا ہے؟ ابو بکر نے کہا: میں نے، پوچھا: آج کس نے کسی مریض کی عیادت کی ہے؟ ابو بکر نے کہا: میں نے، پوچھا: آج کون کسی جنازے میں شریک ہوا ہے؟ ابو بکر نے کہا: میں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارے لئے جنت واجب ہوگئی۔

اس روایت کے اندر راوی حدیث غانم (یغنم) بن سالم پر گرچہ کلام کیا گیا ہے مگر سلمہ بن وردان نے اسکی متابعت کی ہے۔

البتہ اس حدیث کی اصل موجود ہے چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (نے خرچ کیا ایک جوڑا (یعنی دو پیسے یا دو روپیہ یا دو اشرفی) اپنے مال سے اللہ کی راہ میں پکارا جائے گا جنت میں، اے اللہ کے بندے! یہاں آ تیرے لئے یہاں خیر و خوبی ہے پھر جو نماز پڑھنے والوں میں سے ہوگا وہ نماز کے دروازہ سے پکارا جائے گا۔ اور جو جہاد کرنے والوں میں سے ہوگا وہ جہاد کے دروازہ سے اور جو صدقہ دینے والوں میں سے ہوگا وہ صدقہ کے دروازہ سے اور جو روزہ رکھنے والوں میں سے ہوگا وہ روزے کے دروازے سے۔" سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اللہ کے

رسول! جو سب دروازوں سے پکارا جائے گا۔ اس کو کیا کام کرنا ضروری ہے؟ کیا کوئی ایسا ہو گا جو سب دروازوں سے پکارا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں اور میں (اللہ کے فضل سے) امید رکھتا ہوں کہ تم انہی میں سے ہو گے)۔

الشرح:

یہ چوتھی قسم ہے جس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں ہے، شیخ رحمہ اللہ نے کچھ کہا ہے وہ کافی ہے؛ اس کا خلاصہ یہی ہے کہ لوگوں کے بیچ میں رہ کر اللہ کی عبادت کرنے والا سب کے حقوق کو ادا کرتا ہے، اللہ کے حقوق کو ادا کرتا ہے، بندوں کے حقوق کو ادا کرتا ہے فرائض کو پورا کرتا ہے، محرمات سے بچتا ہے، مصیبت زدہ کی مدد کرتا ہے، علمی حلقوں میں حاضر ہوتا ہے، نیکی کرتا ہے، نفلی روزے رکھتا ہے، لوگوں میں صلح کراتا ہے، مشروع طریقے سے ہر بھلے کام میں کوشش کرتا رہتا ہے، اسکا مقصد اللہ کی رضا جوئی ہوتا ہے، سو یہی وہ شخص ہے جو اللہ کی محبت کا مستحق ہے، جیسا کہ اس حدیث قدسی میں بیان کیا گیا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللَّهَ قَالَ: "مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنْ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ، وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَيْءٍ أَنَا فَاعِلُهُ تَرَدُّدِي عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ يَكْرَهُ الْمَوْتَ، وَأَنَا أَكْرَهُ مَسَاءَتَهُ".

ترجمہ: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے اور میرا بندہ جن جن عبادتوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور کوئی عبادت مجھ کو اس سے زیادہ پسند نہیں ہے جو میں نے اس پر فرض کی ہے (یعنی فرائض مجھ کو بہت پسند ہیں جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ) اور میرا بندہ فرض ادا کرنے کے بعد نفل عبادتیں کر کے مجھ سے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اگر وہ کسی دشمن یا شیطان سے میری پناہ مانگتا ہے تو میں اسے

محفوظ رکھتا ہوں اور میں جو کام کرنا چاہتا ہوں اس میں مجھے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مجھے اپنے مومن بندے کی جان نکالنے میں ہوتا ہے۔وہ تو موت کو بوجہ تکلیف جسمانی کے پسند نہیں کرتا اور مجھ کو بھی اسے تکلیف دینا برا لگتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اسے اللہ کی رضاجوئی کے سوا کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی ہے،خواہ وہ حقوق اللہ کے ذریعے ہو یا حقوق العباد کے ذریعے، یا خود اسکے اپنے حقوق کے ذریعے، اسے فقط اللہ کی رضا چاہئے گرچہ لوگ ناراض ہوجائیں، جیسا کہ اس حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ بْنِ الْوَرْدِ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، قَالَ: كَتَبَ مُعَاوِيَةُ إِلَى عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، أَنِ اكْتُبِي إِلَيَّ كِتَابًا تُوصِينِي فِيهِ وَلَا تُكْثِرِي عَلَيَّ، فَكَتَبَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا إِلَى مُعَاوِيَةَ سَلَامٌ عَلَيْكَ، أَمَّا بَعْدُ فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: " مَنِ الْتَمَسَ رِضَاءَ اللَّهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللَّهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ، وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَاءِ النَّاسِ بِسَخَطِ اللَّهِ وَكَلَهُ اللَّهُ إِلَى النَّاسِ، وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ ".

ترجمہ: عبدالوہاب بن ورد سے روایت ہے کہ ان سے مدینہ کے ایک شخص نے بیان کیا: معاویہ رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک خط لکھا کہ مجھے ایک خط لکھئے اور اس میں کچھ وصیت کیجئے۔ چنانچہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس خط لکھا: دعاوسلام کے بعد معلوم ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ”جو لوگوں کی ناراضگی میں اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو تو لوگوں سے پہنچنے والی تکلیف کے سلسلے میں اللہ اس کے لیے کافی ہوگا اور جو اللہ کی ناراضگی میں لوگوں کی رضا کا طالب ہو تو اللہ تعالیٰ انہیں لوگوں کو اسے تکلیف دینے کے لیے مقرر کردے گا“۔ (والسلام علیک تم پر اللہ کی سلامتی نازل ہو)۔(۱)

خلاصہ یہ کہ وہ اللہ کی مرضی چاہتا ہے یہاں تک کہ اللہ اس سے محبت کرنے لگتا ہے، زمین وآسمان کے سارے اسکے فرشتے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ زمین کے اندر اسکی مقبولیت بڑھا دیتا ہے۔

۱-اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رضامندی ہر چیز پر مقدم ہے، اس لیے اگر کوئی ایسا امر پیش ہو جسے انجام دینے سے اللہ کی رضامندی حاصل ہوگی لیکن لوگوں کے غیض وغضب کا سامنا کرنا پڑے گا تو لوگوں کو نظر انداز کر کے اللہ کی رضامندی کا طالب بنے، کیونکہ ایسی صورت میں اسے اللہ کی نصرت وتائید حاصل رہے گی، اور اگر بندوں کے غیض وغضب سے خائف ہو کر اللہ کی رضا کو بھول بیٹھا تو ایسا شخص رب العالمین کی نصرت وتائید سے محروم رہے گا، ساتھ ہی اسے انہی بندوں کے ذریعہ ایسی ایذا اور تکلیف پہنچائے گا جو اس کے لیے باعث ندامت ہوگی۔

یہی وہ شخص ہے جو ہر ایک کو اسکا حق ادا کرتا ہے، کسی کے حساب پر کسی کے حساب کو نہیں چکا تا ہے، وہ مناسب وقت پر اپنا کام کرتا رہتا ہے، اگر جہاد کا وقت ہے تو وہ جہاد کیلئے متوجہ ہوجاتا ہے، اگر روزے کا وقت ہے تو روزہ رکھتا ہے، اگر فرض نمازوں یا نفل یا سنت موکدہ کا وقت ہے تو انکی طرف دھیان دیتا ہے، اگر کسی مریض کی عیادت کا وقت ہے یا کسی کے جنازے میں شریک ہونے کا وقت ہے، کسی مصیبت زدہ کی مدد کرنے کا وقت ہے تو اسے آپ وہاں ضرور پائیں گے، اور اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے: (وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ) ترجمہ: اللہ تعالیٰ بندے کی مدد میں رہے گا جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں رہے گا۔

بہر صورت اسے اللہ رضا جوئی کی تلاش رہتی ہے خواہ وہ اسے کہیں بھی مل جائے۔

نسأل الله أن يجعلني وإياكم من أولئك، وصلى الله وسلم وبارك على نبينا محمد وعلى آله وصحبه.

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

بسم الله الرحمن الرحيم

المجلس الخامس

ورواه يحيى بن بكير، وعبد الله بن يوسف، عن مالك عن ابن شهاب، عن حميد مرسلاً. وليس هو عند القعنبي لا مرسلاً ولا مسندًا.

ومعنى قوله: " من أنفق زوجين" يعني: شيئين من نوعٍ واحدٍ، نحو درهمين، أو دينارين، أو فرسين، أو قميصين، وكذلك من صلّى ركعتين، أو مشى في سبيل الله - تعالى - خطوتين، أو صام يومين، ونحو ذلك، وإنما أراد والله أعلم أقل التكرار، وأقل وجوه المداومة على العمل من أعمال البرّ، لأن الاثنين أقل الجمع،

فهذا كالغيث أين وقع نفع، صحب الله بلا خلق، وصحب الخلق بلا نفس، إذا كان مع الله عزل الخلائق من البين وتخلّى عنهم، وإذا كان مع خلقه عزل نفسه من الوسط وتخلّى عنها، فما أغربه بين النّاس، وما أشدّ وحشته منهم، وما أعظم أنسه بالله وفرحه به وطمأنينته وسكونه إليه.

ترجمہ: یہاں پر (ایک جوڑا خرچ کرنے) کا مطلب یہ ہیکہ ایک ہی چیز سے دو عدد خرچ کرنا، جیسے دو درہم، دو دینار، دو گھوڑا یا دو قمیص، اسی طرح دو رکعت نماز پڑھنا، یا اللہ کی راہ میں دو قدم چلنا، یا دو دن روزے رکھنا وغیرہ۔

اور یہاں مراد تکرار کا کم کرنا ہے، اور نیک کاموں میں کم سے کم ہی سہی ان پر پابندی کرنا ہے، اسلئے کہ دو کی عدد اقل جمع ہے۔

تو ایسا شخص بارش کی مانند ہوتا ہے وہ کہیں بھی رہے فائدہ دیکر رہے گا، وہ اللہ کے ساتھ ہوتا ہے بغیر اختلاط کے اور مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے بغیر نفس کے، جب وہ اللہ کے ساتھ ہوتا ہے تو تمام مخلوق سے کٹ جاتا ہے، اور جب اسکی مخلوق کے ساتھ ہوتا ہے تو اپنے نفس سے کٹ جاتا ہے، وہ کس قدر عجیب وغریب ہے! کس قدر وہ لوگوں سے وحشت زدہ ہے! کس قدر وہ اللہ سے مانوس اور اس سے خوش ہے! کس قدر وہ مطمئن اور پرسکون ہے!

الشرح:

یہ تکملہ ہے اس اس گفتگو کا یہ وہ مسلمان جو اللہ کی عبادت کرتا ہے اسکی تمام قسموں کے ساتھ، وہ تمام حقوق کی ادائیگی کرتا ہے، بلکہ وہ اسلام کو کامل طریقے سے ادا کرتا ہے، ہر ایک کے حق کو پورا کرتا ہے، وہی انسیت، راحت قلبی اور نفسیاتی سکون اور سعادت محسوس کرتا ہے، وہ اللہ کے ساتھ ہوتا ہے وہ اسے جب بھی بلاتا ہے اسکی دعوت پر لبیک کہتا ہے، ارشاد باری ہے: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ} ترجمہ: اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی اور رسول کی دعوت خوشی سے قبول کرو، جب وہ تمھیں اس چیز کے لیے دعوت دے جو تمھیں زندگی بخشتی ہے اور جان لو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان رکاوٹ بن جاتا ہے اور یہ کہ حقیقت یہ ہے کہ تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وہ اللہ کے داعی کی پکار پر لبیک کہتا ہے، جس طرح کہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے:

عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " اتَّقِ اللَّهِ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ ".

ترجمہ: سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جہاں بھی رہو اللہ سے ڈرو، برائی کے بعد (جو تم سے ہو جائے) بھلائی کرو جو برائی کو مٹا دے، اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آؤ“۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أن للناس فى منفعة العبادة وحكمتها ومقصودها طرقا أربعةً، وهم فى ذلك أربعة أصناف:

الصنف الأول: نفاة الحكم والتعليل، الذين يردّون الأمر إلى نفس المشيئة، وصرف الإرادة. فهؤلاء عندهم القيام بها ليس إلاّ لمجرّد الأمر، من غير أن يكون سببا لسعادة فى معاش ولا معاد، ولا سببا لنجاة، وإنما القيام بها لمجرّد الأمر ومحض المشيئة، كما قالوا فى الخلق: لم يخلق لغايةٍ ولا لعلّةٍ هى المقصودة به، ولا لحكمةٍ تعود إليه منه، وليس فى المخلوق أسباب تكون مقتضيات لمسبباتها، وليس فى النّار سبب للإحراق، ولا فى الماء قوّة الإغراق ولا التّبريد. وهكذا الأمر عندهم سواء، لا فرق بين الخلق والأمر، ولا فرق فى نفس الأمر بين المأمور والمحظور، ولكن المشيئة اقتضت أمره بهذا ونهيه عن هذا، من غير أن يقوم بالمأمور صفةٌ تقتضى حسنه، ولا بالمنهى عنه صفةٌ تقتضى قبحه.

ولهذا الأصل لوازمُ فاسدةٌ، وفروعٌ كثيرةٌ. وهؤلاء غالبهم لا يجدون حلاوة العبادة ولا لذّتها، ولا يتنعّمون بها، ولهذا يسمّون الصّلاة والصّيام والزّكاة والحجّ والتّوحيد والإخلاص ونحو ذلك تكاليف، أى: كلّفوا بها، ولو سمّى مدّعى محبّة ملك الملوك أو غيره ما يأمره به تكليفًا لم يعد محبا له.

وأول من صدرت عنه هذه المقالة: الجّعد بن درهم.

ترجمہ: اور جان لیں کہ عبادت کی منفعت، اسکی حکمت اور اسکی غایت ومقصود کے تعلق سے لوگوں

کے چار طرق ہیں اور وہ ان میں چار قسم کے ہیں:

پہلی قسم: یہ حکمتوں اور اسباب کے منکر ہیں، یہ معاملے کو مشیئت اور محض ارادے پر محمول کرتے ہیں، ان کے نزدیک واجب کو ادا کرنا ہے، اس کا کیا سبب ہے وہ نہیں دیکھنا ہے، اس سے دنیا اور آخرت میں کیا فائدہ ہے، سعادت مندی یا نجات کا وہ سبب ہے یا نہیں اسکی طرف ہمیں دھیان نہیں دینا ہے، بلکہ مجرد حکم ہونے کی وجہ سے اسے ادا کرنا ہے، جس طرح کہ انہوں نے تخلیق کے تعلق سے کہا کہ مخلوق کو کسی مقصد یا غایت یا کسی حکمت کیلئے نہیں پیدا کیا گیا، اور نہ ہی مخلوق میں اسباب ہوتے ہیں جو مسببات کے متقاضی ہوں، آگ میں جلانے کی، پانی میں ڈبونے یا ٹھنڈا کرنے کی کوئی قوت نہیں ہوتی، اس طرح ان کے یہاں معاملہ خلق وامر کا برابر ہے، حتی کہ مامور وممنوع میں کوئی فرق نہیں ہے، مشیئت کا تقاضہ ہے کہ اسے کیا جائے اور اس سے رکا جائے، بغیر یہ دیکھے کہ کرنے میں کیا اچھائی ہے اور رکنے میں کیا قباحت ہے۔

اس اصول کے بہت سے فاسد لوازمات ہیں، اور ان میں اکثر عبادت کی مٹھاس اور اسکی لذت نہیں محسوس کرتے، اسی لئے یہ صوم وصلاۃ، زکاۃ، حج اور توحید واخلاص جیسی عبادتوں کو تکالیف کہتے ہیں، یعنی انہیں انکا مکلف بنایا گیا ہے، حالانکہ اگر دنیا ہی میں کسی بادشاہ کی طرف سے کسی حکم کی بجا آوری کو تکلیف کہا جائے تو اسے اسکا محبوب نہیں کہا جائے گا۔

اور سب سے پہلے ایسی بات جعد بن درہم نے کہی تھی۔

الشرح:

اس اعتقاد میں جہمیہ اور صوفیہ برابر کے شریک ہیں، یعنی اللہ نے کسی عبادت کو کسی حکمت کی وجہ سے مشروع نہیں کیا ہے، حتی کہ انسانوں کو اپنی عبادت کیلئے بھی پیدا نہیں کیا ہے، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنی عبادت کا حکم دیا ہے نہ کہ وہ مقصد ہے، جیسا کہ صوفیہ کہتے ہیں: (الہی! ہم تیری عبادت اسلئے نہیں کرتے کہ ہمیں تیرے ثواب کی امید اور تیرے عذاب سے خوف ہے)۔

اس طرح ان کے نزدیک عبادت کی اہمیت ختم ہو جاتی ہے، کیونکہ وہ اسکی اصل اور مغز تک نہیں پہونچ سکے ہیں، اور نہ ہی اسکے تقاضوں کو وہ پورا کرتے ہیں، اور جہم بن صفوان ہی جعد بن درہم کا شاگرد ہے وہ جعد جس نے سب سے پہلے اللہ کے اسماء وصفات کا انکار کیا ہے۔

یہیں سے انہوں نے عبادت کو مشیئت اور امر سے جوڑ دیا اور کہا کہ اس میں کوئی فائدہ، حکمت یا علت وغایت پنہاں نہیں ہے، بس ہر عبادت کا ایک وقت ہے اور اسکی ادائیگی کے ہم مکلف ہیں، اس لئے جب ہم اسے ادا کر دیتے ہیں تو وہ تکلیف ہم سے ساقط ہو جاتی ہے، اور چونکہ اسکی کوئی نہ علت اور حکمت ہے اس لئے یہ واجب بھی نہیں ہے، جو واجب سمجھ کر ادا بھی کرتے ہیں وہ یہ نہیں مانتے کہ اس سے دنیا یا آخرت میں کچھ فائدہ ہوتا ہے، یا اس سے سعادت اور سکون نصیب ہوتا ہے، بس وہ خود کو مکلف اور مجبور سمجھتے ہیں کہ انہیں اسے ادا کرنا ہے بغیر اس کے کہ اسکا کچھ فائدہ ہو۔ اور یہ بلاشبہ باطل ہے، بلکہ یہ فاسد عقیدہ ہے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ تخلیق بشر کی کوئی حکمت اور کوئی علت نہیں ہے، بس یہ ایک مکلف بندہ ہے، جبکہ اللہ تعالی فرماتا ہے: {وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ} ترجمہ: اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔ مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ} ترجمہ: اور انھیں اس کے سوا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس حال میں کہ اس کے لیے دین کو خالص کرنے والے، ایک طرف ہونے والے ہوں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی مضبوط ملت کا دین ہے۔

بلکہ ایک جگہ واضح طور پر اللہ فرماتا ہے کہ ان عبادتوں کا فائدہ انسان کو ہوتا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے: {مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ} ترجمہ: جو بھی نیک عمل کرے، مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو یقینا ہم اسے ضرور زندگی بخشیں گے، پاکیزہ زندگی اور یقینا ہم انھیں ان کا اجر ضرور بدلے میں دیں گے، ان بہترین اعمال کے مطابق جو وہ کیا کرتے تھے۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ} ترجمہ: جس نے نیک عمل کیا سو اپنے لیے اور جس نے برائی کی سو اسی پر ہوگی اور تیرا رب اپنے بندوں پر ہرگز کوئی ظلم کرنے والا نہیں۔

اور یہ لوگ ایسی باتوں کو رابعہ عدویہ کی طرف منسوب کرتے ہیں جو کہا کرتی تھی: (الہی! ہم تیری عبادت اسلئے نہیں کرتے کہ ہمیں تیرے ثواب کی امید اور تیرے عذاب سے خوف ہے)۔ پھر یہی قول بعد میں بہت سے صوفی فرقوں میں

منتقل ہوگئی، خواہ یہ قول صحیح ہو یا نہ ہو، رابعہ کوئی شارع نہیں ہے کہ اسکی بات دین میں مقبول ہوگی، بلکہ شارع صرف اللہ تعالی ہے اسی نے عبادت کا حکم دیا ہے اور اسکی حکمت بھی بتائی ہے، ارشاد باری ہے: {وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرًا وَأَعْظَمَ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ} ترجمہ: اور جو نیکی بھی تم اپنی جانوں کے لیے آگے بھیجو گے اسے اللہ کے ہاں پاؤ گے کہ وہ بہتر اور ثواب میں کہیں بڑی ہے اور اللہ سے بخشش مانگو، بلاشبہ اللہ بے حد بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔

❁❁❁

الصنف الثانى: القدريّة النّفاة، الذين يثبتون نوعا من الحكمة والتّعليل لا يقوم بالرّب ولا يرجع إليه، بل يرجع لمحض مصلحة المخلوق ومنفعته، فعندهم: أن العبادات شرعت أثمانا لما يناله العباد من الثواب والنّعيم، وأنها بمنزلة استيفاء الأجير أجره. قالوا: ولهذا يجعلها سبحانه وتعالى عوضًا، كقوله: ﴿وَنُودُوا أَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾، ﴿هَلْ تُجْزَوْنَ إِلاّ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾، ﴿ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾، ﴿إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾، وفى الصحيح: "إنّما هى أعمالكم أحصيها عليكم ثمّ أوفيكم إيّاها".

قالوا: وقد سماها جزاءً وأجرًا وثوابا لأنه شىء يثوب إلى العامل من عمله، أى: يرجع إليه. قالوا: ويدل عليه الموازنة، فلولا تعلّق الثواب بالأعمال عوضًا عليها لم يكن للموازنة معنى.

وهاتان الطائفتان متقابلتان: فالجبريّة: لم تجعل للأعمال ارتباطا بالجزاء البتّة، وجوّزت أن يعذّب الله من أفنى عمره فى الطّاعة، وينعّم من أفنى عمره فى مخالفته، وكلاهما سواء بالنسبة إليه، والكل راجع إلى محض المشيئة.

والقدرية: أوجبت عليه سبحانه وتعالى رعاية المصالح، وجعلت ذلك كله بمحض الأعمال، وأن وصول الثواب إلى العبد بدون عمله فيه تنقيص باحتمال منّة الصدقة عليه بلا ثمن، فجعلوا تفضّله سبحانه وتعالى على عبده بمنزلة صدقة العبد على العبد، وإعطائه ما يعطيه أجرةً على عمله، أحبّ إلى العبد من أن

يعطيه فضلاً منه بلا عمل. ولم يجعلوا للأعمال تأثيرًا في الجزاء البتّة.

والطائفتان منحرفتان عن الصّراط المستقيم، وهو: أن الأعمال أسباب موصلة إلى الثواب، والأعمال الصّالحات من توفيق الله وفضله، وليست قدرًا لجزائه وثوابه، بل غايتها إذا وقعت على أكمل الوجوه أن تكون شكرًا على أحد الأجزاء القليلة من نعمه سبحانه وتعالى، فلو عذّب أهل سمواته وأهل أرضه لعذّبهم وهو غير ظالمٍ، ولو رحمهم لكانت رحمته لهم خيرًا من أعمالهم.

وتأمّل قوله تعالى: {وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ} مع قوله صلى الله عليه وسلم: "لن يدخل أحدٌ منكم الجنّة بعمله" تجد الآية تدل على أن الجنان بالأعمال، والحديث ينفي دخول الجنّة بالأعمال، ولا تنافي بينهما، لأن توارد النّفي والإثبات ليس على محلٍ واحدٍ، فالمنفي باء الثمنيّة واستحقاق الجنّة بمجرّد الأعمال، ردًّا على القدريّة المجوسيّة التي زعمت أن الفضل بالثواب ابتداء متضمن لتكدير المنّة.

والباء المثبتة التي وردت في القرآن هي باء السببيّة، ردًّا على القدريّة الجبريّة الذين يقولون: لا ارتباط بين الأعمال وجزائها، ولا هي أسباب لها، وإنما غايتها أن تكون أمارة.

والسنّة النبويّة هي: أن عموم مشيئة الله وقدرته لا تنافي ربط الأسباب بالمسببات وارتباطها بها.

وكل طائفة من أهل الباطل تركت نوعا من الحق فإنها ارتكبت لأجله

نوعًا من الباطل، بل أنواعًا. فهدى الله أهل السنّة لما اختلفوا فيه من الحق بإذنه.

ترجمہ: دوسری قسم والے منکرین تقدیر قدریہ ہیں جو کچھ نہ کچھ حکمت اور علت ثابت کرتے ہیں مگر اس کا تعلق اللہ سے نہیں بلکہ مخلوق سے ہوتا ہے جو اسکی مصلحت اور منفعت سے جڑا ہوتا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک عبادتیں اس لئے مشروع ہیں تاکہ بندہ انہیں ادا کرکے ان کی قیمت حاصل کرے اور اسی کی بنیاد پر ثواب اور نعمتیں پائے، گویا یہ مزدور ہیں جو اسکی اجرت لے رہے ہیں، کہتے ہیں: اسی لئے اللہ نے اسے بدلہ بتایا ہے اپنے اس قول کے اندر: (اور انھیں آواز دی جائے گی کہ یہی وہ جنت ہے جس کے وارث تم اس کی وجہ سے بنائے گئے ہو جو تم کیا کرتے تھے)، مزید ارشاد باری ہے: (جنت میں داخل ہو جاؤ، اس کے بدلے جو تم کیا کرتے تھے)، مزید ارشاد باری ہے: (تم بدلہ نہیں دیے جاؤ گے مگر اسی کا جو تم کیا کرتے تھے)، مزید ارشاد باری ہے: (صرف کامل صبر کرنے والوں ہی کو ان کا اجر کسی شمار کے بغیر دیا جائے گا)، اور صحیح روایت میں وارد ہوا ہے: (یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں نے گن کر رکھا ہے پھر اسے پورا پورا تمہیں دوں گا)۔

کہتے ہیں: اسے جزاء، بدلہ اور اجر وثواب کہا گیا؛ کیونکہ اس کا بدلہ عامل کی طرف لوٹ کر جاتا ہے، اور ثواب کا معنیٰ بھی لوٹنا ہوتا ہے۔

کہتے ہیں: اور اس پر موازنہ بھی دلالت کرتا ہے کیونکہ اگر ثواب کا تعلق بطور بدلہ کے اعمال سے نہ ہو تو پھر موازنہ کا کوئی مطلب نہیں ہوگا۔

اور یہ دونوں گروہ ایک دوسرے کے مقابلے میں ہیں، ایک طرف جبریہ ہے جو اعمال کو اجر وثواب سے بالکل نہیں جوڑتے، اور ان کے نزدیک یہ جائز ہے کہ جس نے اپنی پوری عمر اطاعت میں گزاری ہو اسے بھی اللہ عذاب دے، اور جس نے اپنی پوری عمر معصیت میں گزاری ہو اسے اللہ نعمتوں

میں رکھے، اللہ کے نزدیک دونوں برابر ہیں، اور سب اللہ کی مشیئت محضہ سے متعلق ہیں۔

اور دوسری طرف قدریہ ہیں جنہوں نے اللہ پر مصلحتوں کی رعایت کرنے کو واجب کہا ہے، اور ان سب کو محض اعمال سے جوڑ دیا ہے، اور بندے کو بغیر عمل کے اجر وثواب ملے اس میں عیب ہے، جیسے کہ کوئی صدقہ کرے بغیر ثواب کے، اس طرح انہوں نے بندوں پر اللہ کے فضل واحسان کو بندے کا بندے پر صدقہ کرنے کے مقام میں رکھ دیا ہے، اور یہ کہ بندہ عمل کر کے اسکی اجرت لے اسکے نزدیک یہ بہتر ہے اس سے کہ اس پر کوئی بغیر عمل کے احسان کرے، اور انہوں نے جزاء اور ثواوب میں اعمال کی تاثیر کو ثابت نہیں کیا ہے۔

یہ دونوں گروہ صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے ہیں، اور وہ یہ کہ اعمال ہی ثواب تک پہونچنے کا اسباب ہیں، اور نیک اعمال اللہ کی توفیق اور اسکے فضل سے انجام پاتے ہیں، نہ کہ وہ جزاء اور ثواب کیلئے معیار ہیں، بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ اعمال اچھی طرح ادا کر دیئے گئے تو وہ اللہ کی بہت ساری نعمتوں میں سے کسی ایک نعمت کا شکریہ ہو جائیں گے، چنانچہ اگر اللہ تعالی آسمان وزمین کے تمام لوگوں کو عذاب دے تو وہ ظالم نہیں ہوگا، اور اگر سب پر رحم فرمادے تو اسکی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی۔

مزید غور کریں اللہ کے اس قول پر: (اور یہی وہ جنت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو، اس کی وجہ سے جو تم عمل کرتے تھے)، اور ساتھ میں اللہ کے رسول ﷺ کے اس قول پر بھی غور کریں: (تم میں سے کوئی اپنے عمل کی بنیاد پر جنت میں نہیں جاسکتا) تو آپ آیت کو پائیں گے کہ جنت اعمال ہی کی بنیاد پر ملے گی، جبکہ حدیث اسکی نفی کرتی ہے، مگر دونوں کے درمیان کوئی تضاد اور تعارض نہیں ہے، اسلئے کہ نفی اور اثبات دونوں ایک ہی موقع اور محل کیلئے نہیں ہیں، چنانچہ جس باء کے ذریعے نفی کی گئی ہے وہ باء ثمنیت کیلئے ہے، اور یہاں مجرد اعمال پر جنت کا مستحق بتایا گیا ہے جس سے قدریہ مجوس پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ بغیر محنت کے ثواب اور اجر دینا احسان کو بیکار بناتا ہے۔

اورآیت کے اندر باء سببیت کیلئے ہے، جس سے جبری قدریہ پر رد ہے جو کہتے ہیں کہ اعمال اور جزاء کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے، اور نہ ہی اسکے لئے اسباب ہیں، بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اسکے لئے نشانی ہیں۔

اورحدیث کے اندر اللہ کی مشیئت اور قدرت عامہ کو بیان کیا گیا ہے جو اسباب کو مسببات کے ساتھ جوڑنے کے منافی نہیں ہے۔

آپ دیکھیں گے کہ اہل باطل میں سے ہر گروہ نے کوئی نہ کوئی حق کا پہلو ضرور چھوڑ دیا ہے، اور پھر اسکی وجہ سے باطل کے کئی پہلوؤں کا ارتکاب کیا، مگر اللہ تعالی نے اہل سنت کو ہدایت دی اور یہ حق پر کامل طور پر باقی رہے۔

الشرح:

پہلا گروہ جیسا کہ بیان کیا گیا جبریہ جہمیہ ہے جو کہتے ہیں: بندہ اپنے عمل پر مجبور ہے؛ اسلئے کہ وہ محض مشیئت اور امر سے کرتا ہے، خواہ وہ چاہے یا نہ چاہے، اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ انسان جب کوئی عمل کرتا ہے تو وہ اس پر مجبور ہوتا ہے، اسی لئے ان کے یہاں فرمانبردار کو ثواب دینے اور گنہگار کو عذاب دینے میں کوئی فرق نہیں ہے، اسی لئے ان کے نزدیک یہ جائز ہے کہ فرمانبردار کو عذاب اور گنہگار کو ثواب دیا جائے، اللہ ایسے بکواس سے بری اور بالاتر ہے۔

دوسرا گروہ منکرین تقدیر قدریہ کا ہے جو کہتے ہیں: اللہ پر واجب ہے کہ وہ بندے کیلئے وہی کرے جو اسکے لئے زیادہ درست اور لائق ہے، اسی لئے انہوں نے کہا کہ بندوں کے اعمال ہی کی وجہ سے انہیں بدلہ ملتا ہے، اور انہوں نے (بما کنتم تعملون) میں باء کو بائے عوض مانا ہے، جبکہ حقیقت میں یہ بائے سببیت ہے، یہ کہتے ہیں: اللہ پر واجب ہے کہ وہ نیک عمل کرنے والے بندوں کو ثواب دے؛ اسلئے کہ اسے اسکا مکلف بنایا گیا تھا، اسلئے اسے اسکے عمل پر اجرت ملنی چاہئے، اور آقا پر واجب ہے کہ وہ مزدور کی اجرت دے، اس طرح انہوں نے اللہ کو مخلوق پر قیاس کیا۔

یہیں سے یہ کہتے ہیں کہ بندہ اپنے عمل کا خالق ہے، اسے کلی اختیار ہے، اسی لئے اسکے عمل پر ثواب دینا واجب ہے، اور جہاں تک اسکے معاصی کا تعلق ہے تو یہ بھی وہ محض اپنے اختیار مطلق کی وجہ سے کرتا ہے بغیر اسکے کہ وہ اس پر قادر ہو، اسی لئے

اسے عذاب دیا جاتا ہے اس عمل کی بنیاد پر، اسکا تقدیر سے کوئی تعلق نہیں ہے، اسطرح انہوں نے دونوں حالتوں میں اللہ کی تقدیر کا انکار کیا، یعنی انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی اس طرح جیسا اسکی قدر کرنے کا حق تھا، انہوں نے کہا: اللہ پر واجب ہے کہ وہ بندے کیلئے ایسا کرے، اسلئے کہ انکے یہاں تقبیح وتحسین کا عقلی قاعدہ موجود ہے، کہ جس کی بنیاد پر وہ کہتے ہیں کہ اللہ پر ایسا واجب ہے اور اللہ کیلئے یہ محال ہے، یہ سب وہ اپنی طرف سے کہتے ہیں، انہوں نے خالق کو مخلوق پر قیاس کیا ہے، اللہ ان کے بکواس سے پاک ہے۔

اور جیسا کہ میں نے کہا دونوں گروہ صحیح راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

چنانچہ جبریہ کے یہاں افراط پایا جاتا ہے، اور دوسرے کے یہاں کوتاہی ہے۔

پہلے نے افراط سے کام لیا بایں طور کہ بندے کو مجبور بنا دیا، اور یہ کہ فرمانبرادا کو اگر عذاب دیا جائے اور گنہگار کو اگر ثواب دیا جائے تو یہ ممکن ہے، کیونکہ ان کے یہاں ثواب وعقاب سے اس امر کا کوئی تعلق نہیں، یہ محض مشیئت پر منحصر ہے۔

اور قدریہ نے اس کے برعکس کہا: اللہ پر واجب ہے کہ وہ بندے کیلئے وہی کرے جو اسکی مصلحت میں ہے، اور مصلحت اسی میں ہے کہ وہ اعمال خیر کو پیدا کرے اور اعمال شر کو نہیں، اسی لئے انہوں نے اعمال کو جزاء اور بدلہ سے جوڑا ہے۔

جہاں تک اہل سنت والجماعہ کا تعلق ہے تو انہوں نے نصوص کے درمیان تطبیق دی ہے، چنانچہ اللہ کے قول: (بما کنتم تعملون) کے اندر باء کو سببیت کیلئے مانا، اور نبی اکرم ﷺ کے قول: (لن یدخل الجنة أحد بعملہ) کے اندر باء کو عوض کیلئے مانا، یعنی وہ اسکے مقابلے اور بدلے میں داخل نہیں ہوگا؛ کیونکہ اسکے اعمال اللہ کی نعمتوں میں سے کسی معمولی نعمت کے برابر نہیں ہو سکتے، بلکہ اسکے اعمال سبب بن سکتے ہیں، یعنی اعمال اسباب ہیں جن پر اللہ جزاء مرتب کرتا ہے، یہ کوئی قیمت اور عوض نہیں ہیں کہ ان کے بدلے اللہ انہیں ثواب وعقاب دے گا۔

قال المحقق الشيخ علی حسن فی الحاشیة:

وتسمى باء المقابلة ، وقال شيخ الاسلام ابن تيمية فی مجموع الفتاوى(۸/۷۰) يشرح الكلام نفسه: والذى نفاه النبی ﷺ باء المقابلة كما يقال: اشتريت هذا بهذا أى ليس العمل عوضاً وثمناً كافيا فی دخول الجنة۔

ترجمہ: محقق شیخ علی حسن نے حاشیہ میں کہا: باء مقابلے کیلئے بھی آتا ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اپنی کتاب مجموع الفتاوی (۸ / ۷۰) کے اندر اسی کلام کی شرح کرتے ہوئے کہا: اور نبی اکرم ﷺ نے جس باء کی نفی کی ہے وہ بائے مقابلہ ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے: میں نے اسے اس کے عوض میں خریدا ہے، یعنی دخول جنت کیلئے کوئی بھی عمل کافی نہیں ہے۔

الشرح:

یہ دراصل اس حدیث کی شرح کے ضمن میں بات آئی ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ کوئی اپنے عمل کی بنیاد پر جنت میں نہیں جاسکتا۔ چنانچہ یہاں جس چیز کی نفی کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی اپنے عمل کے بدلے اور اس کے عوض میں جنت کے اندر نہیں جائے گا، اور جہاں تک آیت کے اندر باء کا تعلق ہے تو جیسا کہ بتایا وہ بائے سببیت کیلئے ہے، یعنی اعمال جنت کے اندر جانے کا سبب تو ہو سکتے ہیں مگر عوض اور بدلہ نہیں ہو سکتے۔

خلاصہ یہ کہ ایک مسلمان جنت میں جائے گا اللہ کے فضل و کرم سے نہ ہی اپنے عمل کے سبب سے۔

❁❁❁

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

الصنف الثالث: الذين زعموا أن فائدة العبادة رياضة النّفوس واستعدادها لفيض العلوم والمعارف عليها وخروج قواها من قوى النّفس السَّبُعيّة والبهيميّة، فلو عطلت العبادة لالتحقت بنفوس السباع والبهائم، فالعبادة تخرجها إلى مشابهة العقول، فتصير قابلةً لانتقاش صور المعارف فيها. وهذا يقوله طائفتان:

إحداهما: من يقرب إلى الإسلام والشرائع. من الفلاسفة القائلين بقدم العالم وعدم الفاعل المختار.

والطائفة الثانية: من تفلسف من صوفيّة الإسلام ويقرب إلى الفلاسفة، فإنهم يزعمون أن العبادات رياضات لاستعداد النّفوس للمعارف العقليّة ومخالفة العوائد.

ثمّ مِن هؤلاء من لا يوجب العبادة إلاّ بهذا المعنى، فإذا حصل لها ذلك بقي متحيرًا في لفظ أوراده والاشتغال بالوارد منها.

ومنهم: من يوجب القيام بالأوراد وعدم الإخلال بها، وهم صنفان - أيضًا -:

أحدهما: من يقول بوجوبها حفظًا للقانون، وضبطًا للناموس.

والآخرون: يوجبونها حفظًا للوارد، وخوفًا من تدرّج النّفس بمفارقتها إلى حالها الأولى من البهيميّة.

فهذه نهاية أقدامهم في حكمة العبادة وما شرعت لأجله. ولا تكاد تجد في

كتب المتكلمين على طريق السلوك غير طريق من هذه الطرق الثلاث. أو مجموعها.

ترجمہ: اور تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ عبادت کا فائدہ محض دل کو سکون پہونچانے کیلئے ہے، اور اس سے انسان علوم و معارف کے فیضان کیلئے تیار ہوتا ہے، اور اسکی نفسیاتی قوتیں حیوانی قوتوں سے باہر آجاتی ہیں، چنانچہ اگر عبادت کو معطل کر دیا جائے تو وہ درندوں اور چوپایوں سے مل جائیں گی، اس طرح عبادت ان قوتوں کو عقل عطا کرتی ہے، اور وہ اس قابل ہو جاتی ہیں کہ علوم و معارف کی صورتیں نقش کر سکیں، اور اسے دو گروہ کہتے ہیں:

پہلا گروہ: وہ لوگ جو اسلام اور شرائع سے خود کو قریب سمجھتے ہیں اور یہ وہ فلاسفہ ہیں جو کائنات کی قدامت کے قائل ہیں، اور یہ کہ کوئی کائنات میں فاعل مختار نہیں ہے۔

دوسرا گروہ: وہ لوگ جو صوفیت کا فلسفہ بگھاڑتے ہیں اور خود کو فلاسفہ سے قریب سمجھتے ہیں، ان کا گمان ہے کہ عبادات محض ریاضات ہیں، اس سے انسانی نفوس اس قابل ہو جاتے ہیں کہ وہ عقلی علوم و معارف کیلئے خود کو تیار کر سکیں، اور دنیوی فوائد سے دور رہیں۔

پھر انہیں میں کچھ ایسے ہیں جو عبادت کو اسی معنی میں واجب مانتے ہیں، جب اسے یہ حاصل ہو جائے تو وہ اوراد و وظائف کے یاد کرنے اور ان میں مشغول رہنے میں حیران ہو جاتا ہے۔

اور کچھ تو ایسے ہیں جو اوراد و ظائف کو واجب سمجھتے ہیں اور انکی بھی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: اسے واجب مانتے ہیں قانون کی پاسداری کرتے ہوئے اور دین کو ضبط صدر کرتے ہوئے۔

دوسری قسم: اسے واجب مانتے ہیں اسے یاد کرتے ہوئے اور انسانی نفوس کو حیوانی حالت سے دور رکھتے ہوئے۔

عبادت کی حکمت میں یہی انکی انتہاء ہے، اور جسکی وجہ سے اسے مشروع کیا گیا ہے، اور آپ متکلمین کی کتابوں میں عبادت کو انہیں تین شکلوں میں سے کسی ایک شکل پر پائیں گے، یا ایک ساتھ سب کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔

الشرح:

یہ فلاسفہ اور صوفیاء کی قسم ہے، انہوں نے حکمت اور علت میں مبالغہ سے کام لیا ہے، اور انہوں نے عبادت کو اس مقصد سے نکال دیا کہ اس سے مراد اللہ کی مرضی ہے یا اسکے ثواب کی امید اور اسکے عقاب سے خوف ہے، چنانچہ قدیم فلاسفہ نے کہا: عبادات سے مراد روحانی اور نفسیانی ریاضات ہیں تا کہ بشری نفوس حیوانی درندگی سے نکل جائے، گویا عبادت کو اسلئے مشروع کیا گیا ہے تا کہ انسان اور حیوان میں فرق ہو جائے۔

یہی انکے قول کا خلاصہ ہے، یہ قدیم فلاسفہ ہیں جو اسلام میں داخل ہوئے تھے مگر انہوں نے اپنے قدیم مشائخ سے بھی فلسفہ اخذ کیا تھا جیسے سقراط، بقراط، سکندر، ارسطاطالیس، اور دیگر یونانی فلاسفہ، اور وہ لوگ جو خود کو اسلامی فلاسفہ کہتے ہیں جیسے ابن رشد، ابن سبعین، ابن سینا اور فارابی وغیرہ۔

اور انہیں کی طرح دوسرے گروہ والے بھی ہیں، اور وہ صوفیاء ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ عبادات کو اس لئے مشروع کیا گیا ہے تا کہ انسان ایک معین کمال کے درجے تک پہونچ جائے، جب اسے یہ احساس ہو جائے کہ وہ ایک معین کمال کے درجے تک پہونچ گیا ہے تو اس سے تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتے ہیں، اور ان کے رہنماؤں میں سے ابن عربی، ابن الفارض وغیرہ غالی صوفی ہیں، انہیں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو تکالیف شرعیہ کے وجوب کے قائل ہیں تا کہ انسانی نفوس حیوانیت کے درجے تک نہ پہونچ سکیں، یا وہ اس میدان میں اپنے نفسیاتی قانون کی حفاظت کریں، اور جہاں تک معاملہ اس پر ثواب یا عقاب کے مرتب ہونے کا ہے تو دونوں گروہ اس باب میں برابر گمراہ ہیں۔

اور یہ تینوں گروہ گمراہ ہیں؛ خواہ وہ جبریہ ہوں یا قدریہ یا فلاسفہ اور صوفیاء جو اس اعتقاد میں فلاسفہ کے مشابہ ہیں، بطور خاص وہ صوفیاء جو ایک معین مرحلے میں پہونچنے کے بعد تکالیف شرعیہ کے ساقط ہونے کے قائل ہیں، یعنی اس وقت اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوتی بلکہ وہ کچھ بھی کرے اسکا کوئی مواخذہ نہیں ہوتا، یہاں تک کہ وہ منکرات اور معاصی کا بھی اگر ارتکاب کرتا ہے تو بھی، اسی لئے ایک صوفی کہتا ہے: اگر آپ اپنے شیخ کو کسی منکر کا ارتکاب کرتے دیکھیں جیسے زنا وغیرہ تو اس پر نکیر نہ

کریں؛ اسلئے کہ یہ آپ کو لگتا ہے کہ وہ منکر کا ارتکاب کر رہے ہیں جبکہ وہ ایسا کام کر رہے ہیں جسکی حقیقت کا علم صرف اللہ کو ہے، ہوسکتا ہے وہ اسلام اور مسلمانوں ہی کی مصلحت میں ہو۔ اللہ ایسے ظالموں مجرموں اور ملحدوں کے بکواسات سے بری اور بالاتر ہے۔

چنانچہ جو [طبقات الشعرانی] یا [المشرع الروی فی تراجم آل علوی] یا اس طرح کی دیگر کتابوں کا مطالعہ کریں گے تو اسی طرح کے بکواسات ملیں گے، حتی کہ قشیری کے رسالے میں بہت کچھ مل جائے گا، اور اسی طرح غزالی کی [احیاء العلوم] میں بھی بہت سی ایسی گمراہیاں مل جائیں گی۔

اور جن کا یہ دعوی ہے کہ مجرد اللہ کی راہ میں نکل جانے سے علوم کا فیضان ہو جائے گا گرچہ وہ تعلیم حاصل نہ کریں، جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے کہ علم تعلیم حاصل کرنے ہی سے ملتا ہے، اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ علم نکلنے سے ملتا ہے، تو یہ انکا باطل خیال ہے۔

اور ہم نے ایسے لوگوں کا سامنا کیا ہے جنہوں نے اسکی صراحت کی ہے اور کہا ہے کہ اہم یہ ہیکہ آدمی اللہ کی راہ میں نکلے پھر اس پر علوم کا فیضان ہوگا، علم علماء کی شاگردی سے نہیں ملتی ہے۔

جبکہ حق یہی ہے کہ علم علماء کی شاگردی ہی سے ملتی ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: (إنما العلم بالتعلم، وإنما الحلم بالتحلم) ترجمہ: علم تعلیم حاصل کرنے ہی سے ملتا ہے اور بردباری نرمی سیکھنے سے آتی ہے۔

۞۞۞

والصنف الرّابع: هم القائلون بالجمع بين الخلق والأمر، والقدر والسبب، فعندهم أن سرّ العبادة وغايتها مبنى على معرفة حقيقة الإلهيّة، ومعنى كونه سبحانه وتعالى إله: أن العبادة موجَب الإلهية وأثرها ومقتضاها، وارتباطها كارتباط متعلق الصفات بالصفات، وكارتباط المعلوم بالعلم، والمقدور بالقدرة، والأصوات بالسّمع، والإحسان بالرّحمة، والإعطاء بالجود.

فعندهم: من قام بمعرفتها على نحو الذى فسرناها به لغةً وشرعا مصدرًا وموردًا استقام له معرفة حكمة العبادات وغايتها به، وعلم أنها هى الغاية التى خلقت لها العباد، ولها أرسلت الرّسل، وأنزلت الكتب، وخلقت الجنّة والنّار.

وقد صرّح سبحانه وتعالى بذلك فى قوله: {وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالإِنْسَ إِلاّ لِيَعْبُدُونِ} . فالعبادة هى التى ما وجدت الخلائق كلها إلاّ لأجلها. كما قال تعالى: {أَيَحْسَبُ الإِنْسَانُ أَنْ يُتْرَكَ سُدىً} أى: مهملاً. قال الشافعى -رحمه الله-: "لا يؤمر ولا ينهى". وقال غيره: "لا يثاب ولا يعاقب". وهما تفسيران صحيحان، فإن الثواب والعقاب مترتبان على الأمر والنّهى، والأمر والنّهى هو طلب العبادة وإرادتها.

وحقيقة العبادة: امتثالها. ولهذا قال تعالى: {وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلاً} . وقال تعالى: {وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلاّ بِالْحَقِ} . وقال تعالى: {وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ

وَالأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ} ، فأخبر الله - تعالى - أنه خلق السّموات والأرض بالحق المتضمّن أمره ونهيه وثوابه وعقابه.

فإذا كانت السّموات والأرض إنما خلقتا لهذا وهو غاية الخلق، فكيف يقال: إنه لا غاية له ولا حكمة مقصودة، أو إن ذلك بمجرّد استئجار العمّال حتى لا يتكدّر عليهم الثواب بالمنّة، أو لمجرّد استعداد النفوس للمعارف العقلية وارتياضها لمخالفة العوائد؟!.

وإذا تأمّل اللبيب الفرق بين هذه الأقوال، وبين ما دلّ عليه صريح الوحي؛ علم أن الله - تعالى - إنما خلق الخلق لعبادته الجامعة لكمال محبّته، مع الخضوع له والانقياد لأمره.

فأصل العبادة: محبّة الله، بل إفراده تعالى بالمحبّة، فلا يحبّ معه سواه، وإنما يحبّ ما يحبّه لأجله وفيه، كما يحبّ أنبياءه ورسله وملائكته، لأن محبّتهم من تمام محبّته، وليست كمحبّة من اتّخذ من دونه أندادًا يحبّهم كحبّه.

وإذا كانت المحبّة له هي حقيقة عبوديّته وسرّها، فهي إنما تتحقق باتّباع أمره واجتناب نهيه، فعند اتّباع الأمر والنّهي تتبيّن حقيقة العبوديّة والمحبّة.

ولهذا جعل سبحانه وتعالى اتّباع رسوله صلى الله عليه وسلم عَلَمًا عليها وشاهدًا لها، كما قال تعالى: {قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ} ، فجعل اتّباع رسوله صلى الله عليه وسلم مشروطا بمحبّتهم لله - تعالى - وشرطا لمحبّة الله لهم، ووجود المشروط بدون تحقق شرطه ممتنع. فعلم انتفاء

المحبّة عند انتفاء المتابعة للرّسول صلى الله عليه وسلم، ولا يكفى ذلك حتى يكون الله ورسوله صلى الله عليه وسلم أحبّ إليه مما سواهما۔

ومتى كان عنده شيءٌ أحبّ إليه منهما فهو الإشراك الذى لا يغفره الله، قال تعالى: {قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ}۔

وكل من قدّم قول غير الله على قول الله، أو حكم به، أو حاكم إليه؛ فليس ممن أحبّه. لكن قد يشتبه الأمر على من يقدّم قول أحد أو حكمه أو طاعته على قوله، ظنا منه أنه لا يأمر ولا يحكم ولا يقول إلاّ ما قال الرّسول صلى الله عليه وسلم فيطيعه، ويحاكم إليه، ويتلقّى أقواله كذلك، فهذا معذور إذا لم يقدر على غير ذلك.

ترجمہ: اور چوتھی قسم والے وہ ہیں جو خلق وامر اور تقدیر واسباب سب کے اندر جمع وتطبیق دینے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک عبادت کا راز اور اسکا مقصد معرفت الہی ہے، اور یہ کہ ہمارا معبود اللہ ہے، اور یہ عبادت اسی الوہیت سے مربوط ہے اور اسی کا تقاضہ ہے، جس طرح صفات صفات سے متعلق ہوتے ہیں، اور معلوم علم سے اور مقدور قدرت سے، اصوات سمع سے، احسان رحمت سے اور عطا جود سے مربوط ہوتے ہیں۔

چنانچہ انکے نزدیک لغوی، شرعی اور مصدر ومرجع ہر اعتبار سے جیسا کہ بیان کیا گیا اگر کوئی اسے پوری معرفت کے ساتھ پورا کرتا ہے تو گویا وہ عبادت کی حکمت اور اسکا مقصد سمجھتا ہے اور اسے اسکا علم ہے کہ اسے

اورتمام بندوں کو اسی مقصد کیلئے پیدا کیا گیاہے، اوراسی کیلئے رسولوں کو مبعوث کیا گیااورکتابوں کو اتارا گیاہے،اوراسی وجہ سے جنت اوردوزخ کو پیدا کیا گیا ہے۔

اوراللہ تعالی نے اس کی صراحت خود کی ہے اپنے اس قول کے اند: (اورمیں نے انس وجن کو صرف اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا ہے)، چنانچہ اسی عبادت کی خاطر تمام مخلوقات کو پیدا کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے: (کیا انسان نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اسے بے مقصد چھوڑ دیا جائے گا)، امام شافعی نے کہا: یہاں مقصد یہ ہیکہ کیا اسے یونہی چھوڑ دیا جائے گااوراسے امرونہی سے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔اوردوسرے نے کہا: اسے نہ ثواب دیا جائے گااورنہ ہی عذاب۔ یہ دونوں تفسیریں صحیح ہیں، کیونکہ ثواب وعقاب دونوں امرونہی ہی پر مرتب ہوتے ہیں،اوریہی طلب عبادت اوراسکا ارادہ ہے۔

چنانچہ عبادت کی حقیقت یہ ہیکہ اسے بجالایا جائے،اوراسی لئے اللہ نے فرمایا: (اورآسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غوروفکر کرتے ہیں، اے ہمارے رب! تو نے یہ بے مقصد پیدا نہیں کیا،تو پاک ہے،سوہمیں آگ کے عذاب سے بچا)، مزید ارشاد باری ہے: (اورہم نے آسمانوں اورزمین اوران دونوں کے درمیان کی چیزوں کو پیدا نہیں کیا مگرحق کے ساتھ)،اورمزید ارشاد باری ہے: (اوراللہ نے آسمانوں اورزمین کوحق کے ساتھ پیدا کیااورتاکہ ہرشخص کواس کا بدلہ دیا جائے جواس نے کمایا)، چنانچہ یہاں پر اللہ نے خبر دی ہے اس نے آسمانون اورزمین کوحق کے ساتھ پیدا کیاہے جو اسکے امرونہی اورثواب وعقاب کو متضمن ہے۔

اورجب آسمان وزمین کواسی لئے پیدا کیا گیاہے اوریہی تخلیق کا مقصد بھی ہے،تو یہ کیسے کہا جاتا ہے کہ تخلیق کا کوئی مقصد اورحکمت نہیں ہے، یا یہ کہ یہ محض عمال کو اجرت پر لینے جیسا ہے تاکہ احسان کرکے ثواب مکدر نہ ہو؟ یا مجرد نفوس انسانی کو عقلی علوم ومعارف کیلئے تیار کرنا ہے اوردنیاوی فوائد سے دور رکھنا ہے؟

جب ایک عقلمند ان اقوال اور وحی کے صریح دلائل کے درمیان فرق پر غور کرے گا تو اسے پتہ چلے گا کہ مخلوق کو اللہ کی عبادت ہی کیلئے پیدا کیا گیا ہے جو کہ خشوع و خضوع اور اطاعت کے ساتھ کمال محبت کو شامل ہے۔

اس طرح اصل عبادت اللہ کی محبت ہے؛ یعنی محبت میں اسے اکیلا سمجھنا، بایں طور کہ اس کے ساتھ کسی کو محبت میں شریک نہ کرے، بلکہ جن چیزوں میں اسی سے محبت کی جاتی ہے اور اسی کی خاطر کی جاتی ہے اس میں خالص رہے، جس طرح کہ وہ انبیاء و رسل اور فرشتوں سے محبت کرتا ہے، کیونکہ ان کی محبت اسکی محبت کا ہی تکملہ ہے، یہ محبت ان لوگوں کی محبت جیسی نہیں ہے جو غیر اللہ سے محبت کرتے ہیں اسکی محبت کی طرح۔

اور جب محبت ہی اسکی عبودیت کی حقیقت اور اسکا راز ہے، تو یہ اسی وقت پوری ہو سکتی ہے جب اسکے اوامر کی اتباع کی جائے اور اسکے منع کردہ چیزوں سے اجتناب کیا جائے، چنانچہ امر و نہی کے اتباع ہی سے عبودیت اور محبت کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔

اسی لئے اللہ تعالی نے اتباع رسول کو اس پر نشانی اور شاہد بتایا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: (اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا)، اس طرح رسول ﷺ کی اتباع کو اللہ کی محبت سے مشروط کر دیا، اور بغیر کے شرط کے مشروط کا ہونا ممکن نہیں، اس لئے جب رسول کی اتباع نہیں تو اللہ کی محبت نہیں۔

اور یہ کافی نہیں ہے جب تک کہ اللہ اور اسکے رسول اسکے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نہ ہو جائیں۔ اور جب تک اس کے پاس ایسی کوئی چیز ہوگی جو اسکے نزدیک اللہ اور اسکے رسول سے زیادہ محبوب ہوگی تو یہی وہ شرک ہوگا جسے اللہ کبھی معاف نہیں کرے گا، ارشاد باری ہے: (کہہ دیں! اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور

وہ تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور رہنے کے مکانات، جنھیں تم پسند کرتے ہو، تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا)۔

اور اگر وہ کسی کا قول اللہ کے قول پر مقدم کرتا ہے یا اس کے ذریعے فیصلہ کرتا ہے یا اسکی طرف فیصلہ لے جاتا ہے تو وہ بھی ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

لیکن معاملہ وہاں پر مشتبہ ہو جاتا ہے جب کوئی کسی کے قول کو اللہ کے قول پر مقدم کرتا ہے یا اس کے ذریعے فیصلہ کرتا ہے یا اسکی پیروی کرتا ہے یہ سوچ کر کہ وہ رسول ﷺ کے قول ہی کے مطابق ہوتا ہے اسی لئے وہ اسکی اطاعت کرتا ہے اور اسی کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہے، تو وہ معذور ہوگا اگر اسکے سوا پر وہ قادر نہیں ہے۔

الشرح:

یہ چوتھی قسم اسی طرح ہے جس طرح مصنف رحمہ اللہ نے پچھلے مسئلے میں چوتھی قسم کے تعلق سے گفتگو کی تھی، مگر یہاں اس زاویئے سے گفتگو کر رہے ہیں کہ یہ لوگ عبادت کی تمام قسمیں ادا کرتے ہیں تمام میدانوں میں، اور یہاں پر یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ یہ لوگ قضاو قدر پر ایمان رکھتے ہیں، اور اس بات پر بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ عبادت ایک عظیم مقصد کیلئے مشروع کی گئی ہے، اور وہ اللہ واحد کی عبادت کرنا تا کہ اس پر ثواب مرتب ہو، اسکے ترک کرنے پر عقاب مرتب ہو، ان میں سے ہر ایک پر اعتقاد لانا واجب ہے تا کہ جبریہ، قدریہ، فلاسفہ اور صوفیہ پر رد کیا جاسکے، اور جب تک یہ تصور سامنے نہیں آئے گا تب تک ان کا مذہب نہیں چھوڑ سکتے، اور وہ یہ کہ ایک مسلمان یہ اعتقاد رکھے کہ عبادت اس پر واجب ہے، اور اسکی علت و حکمت ہے اور وہ اللہ کی اطاعت ہے تا کہ اس پر ثواب مرتب ہو، اور یہ ثواب اللہ کے فضل اور اسکے احسان سے ہوتا ہے، اور اس مقام تک اسی وقت پہونچ سکتے ہیں جب قولی، عملی اور اعتقادی ہر اعتبار سے نبی اکرم ﷺ کی اتباع کریں گے، ارشاد باری ہے: {قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ} ترجمہ: کہہ دیں اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھیں تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بے حد بخشنے والا،

نہایت مہربان ہے۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ} ترجمہ: کہہ دیں! اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارا خاندان اور وہ اموال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے مندا پڑنے سے تم ڈرتے ہو اور رہنے کے مکانات، جنھیں تم پسند کرتے ہو، تمھیں اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو انتظار کرو، یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لے آئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

مقصود یہ ہیکہ ایک مسلمان عبادت کو اسی طرح سمجھے جس طرح سمجھنا واجب ہے، وہ یہ کہ عبادت کی ایک علت اور حکمت ہے، اور یہ علت فلاسفہ کی علت جیسی نہیں ہے، اور نہ ہی قدریہ کی علت جیسی ہے، اور نہ ہی جبریہ کی علت جیسی ہے بلکہ اسکی علت یہ ہیکہ اللہ اور اسکے رسول نے اسکا حکم دیا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس کے انجام دینے پر ثواب اور ترک کرنے پر عقاب مرتب ہوتا ہے۔

اس لئے بندے کو چاہئے کہ ایسی ہی چیزوں کی تلاش کرے جن کے کرنے سے اللہ خوش ہو اور ان چیزوں کو اللہ پسند کرے، اور ان کے ذریعے اللہ کی قربت حاصل کی جاسکے، اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب ہم اللہ کے دین کے اندر علم وسمجھ حاصل کریں گے، ارشاد باری تعالی ہے: {قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ} ترجمہ: کہہ دے یہی میرا راستہ ہے، میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، پوری بصیرت پر، میں اور وہ بھی جنھوں نے میری پیروی کی ہے اور اللہ پاک ہے اور میں شریک بنانے والوں سے نہیں ہوں۔

یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک انسان اس عبادت کو اور اسکے فوائد نیز اسکی حکمت کو سمجھ سکے جب تک وہ اللہ کے دین میں علم وفقہ حاصل کرکے اللہ کی عبادت نہ کرے، علی الاقل اس قدر سیکھ لے کہ جس سے ایک مسلمان بغیر افراط وتفریط کے اللہ کی عبادت کو صحیح ڈھنگ سے ادا کرسکے۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وكل من قدّم قول غير الله على قول الله، أو حكم به، أو حاكم إليه؛ فليس ممن أحبّه. لكن قد يشتبه الأمر على من يقدّم قول أحد أو حكمه أو طاعته على قوله، ظنا منه أنه لا يأمر ولا يحكم ولا يقول إلاّ ما قال الرّسول صلى الله عليه وسلم فيطيعه، ويحاكم إليه، ويتلقّى أقواله كذلك. فهذا معذور إذا لم يقدر على غير ذلك.

ترجمہ: اور اگر وہ کسی کا قول اللہ کے قول پر مقدم کرتا ہے یا اس کے ذریعے فیصلہ کرتا ہے یا اسکی طرف فیصلہ لے جاتا ہے تو وہ بھی ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

لیکن معاملہ وہاں پر مشتبہ ہو جاتا ہے جب کوئی کسی کے قول کو اللہ کے قول پر مقدم کرتا ہے یا اس کے ذریعے فیصلہ کرتا ہے یا اسکی پیروی کرتا ہے یہ سوچ کر کہ وہ رسول ﷺ کے قول ہی کے مطابق ہوتا ہے اسی لئے وہ اسکی اطاعت کرتا ہے اور اسی کی روشنی میں فیصلہ کرتا ہے، تو وہ معذور ہوگا اگر اسکے سوا پر وہ قادر نہیں ہے۔

الشرح:

یہاں یہ بھی اشارہ ہے کہ ایک مسلمان اللہ اور اسکے رسول کے حکم پر کسی کے حکم کو مقدم نہ کرے، بلکہ اسے دین کے معاملے میں کچھ بھی اختیار نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: {وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا} ترجمہ: اور کبھی بھی نہ کسی مومن مرد کا حق ہے اور نہ کسی مومن عورت کا کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دیں کہ ان کے لیے ان کے معاملے میں اختیار ہو اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے سو یقینا وہ گمراہ ہو گیا، واضح گمراہ ہونا۔

چنانچہ جب وہ قال اللہ اور قال الرسول کی آواز سنے تو اسے اپنی خواہشات پر اور اپنی عادات وتقالید پر بلکہ ہر کسی کی اطاعت پر مقدم کردے، کیونکہ اللہ کی اطاعت ہر اطاعت پر مقدم ہے، اور یہ اسی کیلئے ہے جو اس امر کو سمجھ سکے، اور اس پر یہ معاملہ مشتبہ نہ ہو، البتہ اگر کسی کا تعلق تقلیدی مذاہب سے ہے اور وہ کتاب وسنت میں وارد کسی حکم پر اپنے شیخ یا فقیہ یا امام کے قول کو مقدم کررہا ہے بایں طور کہ وہ اسے صحیح سمجھ رہا ہے حالانکہ وہ غلطی پر ہے تو وہ ایسی صورت میں معذور ہوگا، اس پر مزید گفتگو آگے آئے گی۔

یہاں مقصود یہ ہیکہ اگر کسی کو غالب گمان یہ ہو کہ اس فقیہ یا عالم یا شیخ یا امام نے جو حکم دیا ہے وہ اللہ یا اس کے رسول ﷺ کے حکم کے مطابق ہے اور اس نے اسکے لئے کوشش بھی صرف کیا ہے پھر اس کے بعد وہ اسی کو کرنا مناسب سمجھتا ہو تو ایسی صورت میں وہ عنداللہ معذور ہوگا؛ اس لئے اللہ تعالی طاقت سے زیادہ کسی کو مکلف نہیں بناتا۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

وأمّا إذا قدر على الوصول إلى الرّسول صلى الله عليه وسلم، وعرف أن غير من اتّبعه أولى به مطلقا، أو في بعض الأمور، كمسألةٍ معيّنةٍ، ولم يلتفت إلى قول الرّسول صلى الله عليه وسلم، ولا إلى من هو أولى به؛ فهذا يخاف عليه. وكلّ ما يتعلل به من عدم العلم، أو عدم الفهم، أو عدم إعطاء آلة الفقه في الدّين، أو الاحتجاج بالأشباه والنظائر، أو بأن ذلك المتقدّم كان أعلم منّي بمراده صلى الله عليه وسلم، فهذه كلها تعلّلات لا تفيد.

هذا مع الإقرار بجواز الخطأ على غير المعصوم، إلاّ أن ينازع في هذه القاعدة فتسقط مكالمته، وهذا هو داخل تحت الوعيد، فإن استحلّ مع ذلك ثلب من خالفه، وقرض عرضه ودينه بلسانه، وانتقل من هذا إلى عقوبته، أو السعي في أذاه، فهو من الظلمة المعتدين، ونوّاب المفسدين.

ترجمہ: اور اگر وہ رسول ﷺ تک پہونچنے پر قادر ہو جائے اور اسے پتہ چل جائے کہ آپ ﷺ کے علاوہ وہ جس کی اتباع کر رہا ہے وہی زیادہ اتباع کے لائق ہے مطلق طور پر یا کسی خاص مسئلے میں، اور پھر وہ قول رسول کی طرف التفات نہ کرے، اور نہ ہی اسکی طرف جو اسکے مقابلے میں زیادہ لائق اتباع ہو، تو اس پر خوف کھایا جائے گا، اور اس کے لئے عدم علم، عدم فہم یا اس طرح کی جو تعلیلا ت پیش کئے جاتے ہیں کہ اسے اسکے لئے وسائل میسر نہیں تھے، یا اس نے قیاس سے استدلال کیا ہوگا، یا یہ کہ جس نے مقدم کیا ہے وہ میرے مقابلے میں نبی اکرم ﷺ کی مراد کو زیادہ سمجھنے والا تھا تو یہ ساری تعلیلیں مفید نہیں ہیں۔

اور ساری باتیں اس اقرار کے ساتھ ہیں کہ غیر معصوم سے غلطی کا صدور ممکن ہے، الا یہ کہ اس قاعدے میں اختلاف کرے تو پھر اسکی گفتگو ہی ساقط ہو جائے گی، اور یہ وعید کے تحت آئے گا، اور اگر اس کے ساتھ

وہ اسے حلال سمجھتا ہے اور اپنے مخالفین کو برا بھلا کہتا ہے، اس پر زبان درازی کرتا ہے، بلکہ اسے سزا دینے کے دھمکی دیتا ہے یا اسے تکلیف پہونچانے کی کوشش کرتا ہے، تو ایسی صورت میں وہ ظالموں اور مفسدین کے نائبین میں سے ہوگا۔

الشرح:

یہاں پر تین نقاط ہیں جن کی طرف مصنف رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے:

پہلا نقطہ: اگر اسکا غالب گمان یہ ہیکہ اس فقیہ یا امام نے جو حکم دیا ہے وہ اللہ اور اسکے رسول ہی کا حکم ہے تو وہ ایسی صورت میں معذور ہوگا۔

دوسرا نقطہ: وہ خود تلاش حق میں نہ لگے حالانکہ اسے اسکی قدرت ہے، تو یہ اسکے لئے خطرہ ہے، وہ دوسروں کے اقوال پر عمل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ مجھ سے زیادہ جانکار ہیں، اور اس مسئلے کو مجھ سے زیادہ جانتے ہیں، گرچہ وہ زیادہ جانتے ہوں لیکن اگر وہ قول کتاب وسنت کے خلاف ہے تو اسے چھوڑنا پڑے گا، بہر حال اگر کوئی ایسا گمان کرتا ہے تو یہ اسکے لئے شدید خطرناک ہے۔

تیسرا نقطہ: وہ جانتا ہے کہ وہ ظالم ہے، مگر پھر بھی اسکی خواہشات اتباع حق پر غالب آجاتی ہے، تو یہ بلاشبہ گنہگار ہوگا اور اس کا معاملہ بہت ہی سنگین ہوگا الا یہ کہ وہ توبہ کرلے۔ اور اسکی مزید تفصیل آئے گی ان شاء اللہ۔

۞۞۞

مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

واعلم أن العبادة أربع قواعد: وهى التحقيق بما يحبّ الله ورسوله صلى الله عليه وسلم ويرضاه، وقيام ذلك بالقلب واللسان والجوارح. فالعبوديّة: اسم جامع لهذه المراتب الأربع. فأصحاب العبادة حقا هم أصحابها.

فقول القلب: هو اعتقاد ما أخبر الله - تعالى - عن نفسه، وأخبر رسوله صلى الله عليه وسلم عن ربّه من أسمائه وصفاته وأفعاله، وملائكته ولقائه، وما أشبه ذلك.

وقول اللسان: الإخبار عنه بذلك، والدّعاء إليه، والذبُّ عنه، وتبيين بطلان البدع المخالفة له، والقيام بذكره تعالى، وتبليغ أمره.

وعمل القلب: كالمحبّة له، والتّوكّل عليه، والإنابة، والخوف، والرجاء، والإخلاص، والصّبر على أوامره ونواهيه، وإقراره، والرّضا به، وله، وعنه، والموالاة فيه، والمعاداة فيه، والإخبات إليه، والطّمأنينة، ونحو ذلك من أعمال القلوب التى فرضها آكد من فرض أعمال الجوارح، ومستحبّها إلى الله - تعالى - أحبّ من مستحبّ أعمال الجوارح.

وأمّا أعمال الجوارح: فكالصلاة، والجهاد، ونقل الأقدام إلى الجمعة والجماعات، ومساعدة العاجز، والإحسان إلى الخلق، ونحو ذلك.

فقول العبد فى صلواته: {إِيَّاكَ نَعْبُدُ} التزام أحكام هذه الأربعة وإقرار بها. وقوله: {وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ} طلب الإعانة عليها والتوفيق لها.

وقوله: {اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ} متضمّنٌ للأمرين على التفصيل

وإلهام القيام بهما، وسلوك طريق السّالكين إلى الله - تعالى -.

والله الموفّق بمنّه وكرمه. والحمد لله وحده. وصلّى الله على من لا نبيّ بعده، وعلى آله وصحبه ووارثيه وحزبه.

تمّ الكتاب والحمد لله أولاً وآخرًا

ترجمہ: اور جان لیں کہ عبادت کے چار قواعد ہیں:

اللہ اور اسکے رسول جو پسند کریں اور اس سے راضی ہوں انہیں پورا کرنا اور انہیں دل، زبان اور اعضاء وجوارح سے انجام دینا، چنانچہ عبودیت انہیں چار مراتب سے عبارت ہے۔

سو دل کا قول یہ ہیکہ ان تمام چیزوں پر اعتقاد رکھا جائے اور ان پر یقین کیا جائے جن کے بارے میں اللہ نے خبر دی ہے اور اسکے رسول نے اپنے رب کے بارے میں اسکے اسماء وصفات اور اسکے افعال، اور اسکے فرشتوں اور دیگر غیبیات کے تعلق سے خبر دی ہے۔۔

اور زبان کے قول کا مطلب یہ ہیکہ زبان سے ان کا اقرار کیا جائے، ان کی طرف دعوت دی جائے، ان کا دفاع کیا جائے، اور ان کے مخالف جو بدعتیں ہیں ان کا بطلان واضح کیا جائے، اور اللہ کا ذکر کیا جائے اور اسکے دین کی تبلیغ کی جائے۔

اور دل کے عمل سے مراد یہ ہیکہ اس سے محبت کی جائے، اس پر بھروسہ کیا جائے، اسکی طرف رجوع کیا جائے، خوف ورجاء اسی سے ہو اوامر ونواہی میں اخلاص اور صبر ہو، دل سے تسلیم کرے اور ان پر راضی ہو، محبت اور دشمنی اسی کی خاطر ہو، دل کو اسی سے جوڑے اور اسی پر اطمینان ہو، اور اسکے علاوہ دیگر قلبی اعمال جو بدنی اعمال سے زیادہ تاکیدی طور پر فرض ہیں، اور اسکے مستحبات عند اللہ بدنی مستحبات سے زیادہ محبوب ہیں۔

اور جہاں تک بدنی اعمال ہیں تو اس سے مراد نماز، جہاد، جمعہ، جماعت کیلئے پیدل چلنا، مسکین کی

مدد کرنا اور دیگر مخلوق کے ساتھ احسان کرنا۔

چنانچہ بندہ جب نماز کے اندر (ایاک نعبد) کہتا ہے تو ان چاروں امور کی پابندی کرتا ہے اور ان کا اقرار بھی کرتا ہے۔

اور جب (وایاک نستعین) کہتا ہے تو ان پر عمل کرنے کیلئے مدد اور توفیق طلب کرتا ہے۔

اور آگے کا قول: (اھدنا الصراط المستقیم) تفصیلی طور پر دونوں امور کو شامل ہے، اور ان پر ایک عمل کرنے کا الہام ہے، اور اللہ تک پہونچنے کیلئے اس راستے پر چلنے والوں کا طریقہ بتایا گیا ہے۔

اور اللہ ہی اپنے کرم اور احسان سے توفیق دینے والا ہے، والحمد للہ وحدہ، وصلی اللہ علی من لا نبی بعدہ وآلہ وصحبہ ووارثیہ وحزبہ۔

الحمد للہ کتاب اختتام تک پہونچی۔ تمت بالخیر

الشرح:

مصنف رحمہ اللہ نے اس کتاب کو اس وضاحت کے ساتھ ختم کیا ہے کہ ان چاروں مقامات کے تعلق سے ایک بندے پر کیا واجب ہے: دل کے اعمال و اقوال اور زبان کے اقوال اور اعضاء و جوارح کے اعمال۔

جب یہ چاروں امور متوفر ہو جائیں تو وہ عبادت مکمل ہو جائے گی جسکی بنیاد اللہ کی محبت، اسکے خوف، اسکی تعظیم پر مبنی ہوتی ہے، اسی طرح دو اہم امور پر مبنی ہوتی ہے: ایک وہ خالص اللہ وحدہ لا شریک کیلئے ہو اور دوسرے اسکے اندر رسول ﷺ کی متابعت پائی جائے۔

وآخر دعوانا ؤن الحمد للہ رب العالمین، وصلی اللہ وسلم و بارک علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ۔

اس سے پہلے مصنف رحمہ اللہ نے ایک اہم مسئلے کی طرف اشارہ کیا تھا میں چاہتا ہوں اس پر کچھ گفتگو کیا جائے کیوں کہ وہ وقت کی ضرورت ہے، اور وہ مسئلہ ہے وحی الہی کی روشنی میں فیصلہ نہ کرنے کا حکم۔

اس مسئلے میں لوگ افراط اور تفریط کا شکار ہیں۔

کچھ نے افراط سے کام لیا اور جو وحی الہی کی روشنی میں فیصلہ نہ کرے اسے کافر قرار دے کر دائرہ اسلام سے خارج کر دیا،

خواہ اس نے کسی ایک ہی مسئلے میں ایسا کیا ہو، یا چند مسائل میں، اس میں اس نے کسی کو استثنیٰ نہیں کیا، اور نہ ہی حلال سمجھنے والے اور نہ سمجھنے والے میں کوئی فرق کیا، اسی طرح جان بوجھ کر ایسا کرنے والے اور نادانی میں ایسا کرنے والے کسی میں کوئی فرق نہیں کیا، بلکہ مطلق تکفیر کر ڈالی، اس طرح بہت سارے مسلمانوں کی تکفیر کر ڈالی، اور کچھ نے تو اپنے سوا سب کی تکفیر کر ڈالی، بطور خاص تکفیری خوارج جنہوں نے صحابہ تک کی تکفیر کر ڈالی۔

ان کے برعکس کوتاہی کرنے والے ہیں، اور یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ احکام الٰہی موجودہ دور کیلئے مناسب نہیں ہیں، ان کے اندر تطویر اور تبدیلی کی ضرورت ہے، حالات کے تقاضوں کے اعتبار سے شرعی امور میں تبدیلی ضروری ہے، بلکہ انہوں نے یہاں تک دعوی کیا کہ اگر نبی اکرم ﷺ اس وقت زندہ ہوتے تو خود تبدیلی کرتے، حسن ترابی نے اس کی صراحت اپنی کئی کتابوں میں کی ہے اور کہا ہے: بہت سارے شرعی احکام تک میں غور کرنے کی ضرورت ہے، اور کہا: نبی اکرم ﷺ نے تمام احکام شریعت کو بیان نہیں کیا ہے، اور ہم قرآن کے سمجھنے میں فہم صحابہ اور فہم سلف کے پابند نہیں ہیں۔ اور اس طرح کی بہت سی بیہودہ اور کفریہ باتیں کہی ہیں جس کی کتابوں سے بہت سے لوگ دھوکہ کھائے ہوئے ہیں، اور اس کی کتابوں پر مرتے ہیں، بلکہ بہت سے نوجوان اسکی کتابوں کی تعریف کرتے ہیں، جبکہ وہ اس ملک کے علمائے سنت کو برا بھلا کہتا ہے۔

یہ افراط اور تفریط والے تھے کہ ایک گروہ حکام اور مسلمانوں کی تکفیر کرتا ہے تو دوسرا گروہ احکام دین ہی سے تنازل اختیار کرنے کے فراق میں ہے تا کہ یہود و نصاریٰ راضی ہو جائیں، حالانکہ اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ} ترجمہ: اور تجھ سے یہودی ہرگز راضی نہ ہوں گے اور نہ نصاریٰ، یہاں تک کہ تو ان کی ملت کی پیروی کرے۔ کہہ دے بے شک اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے۔ اور اگر تو نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، اس علم کے بعد جو تیرے پاس آیا ہے، تو تیرے لیے اللہ سے (چھڑانے میں) نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار۔

اور جہاں تک اہل سنت والجماعہ کا تعلق ہے تو اس باب میں ان کے یہاں تفصیل ہے:

ارشاد باری تعالی ہے: {وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ} ترجمہ: اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ کافر ہیں۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ} ترجمہ: اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

مزید اللہ تبارک وتعالی نے فرمایا: {وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ} ترجمہ: اور جو اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا ہے تو وہی لوگ نافرمان ہیں۔

ان آیتوں کی تفسیر کے تعلق سے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہاں کفر اصغر، ظلم اصغر اور فسق اصغر مراد ہے۔ اور سلف صالح نے اس مسئلے کے بارے میں اپنی تفسیر، عقیدہ اور توحید کی کتابوں میں تفصیل سے وضاحت کی ہے، جسکا خلاصہ درج ذیل ہے:

اس تعلق سے ہم لوگوں کو مختلف خانوں میں تقسیم کر سکتے ہیں:

پہلی قسم: دلیل سے حق کو پہچانا اور اسی کے مطابق فیصلہ کیا اور درست فیصلہ کیا، تو ایسا شخص اجر پائے گا، بلکہ دہرا اجر پائے گا جیسا کہ اس حدیث کے اندر وارد ہوا ہے:

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: " إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ، ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ ".

ترجمہ: سیدنا ابو قیس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جو مولیٰ تھے سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کے، انہوں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب حاکم سوچ کر حکم دے پھر صحیح کرے تو اس کو دو اجر ہیں اور جو سوچ کر حکم دے اور غلطی کرے تو اس کو ایک اجر ہے۔"

دوسری قسم: آدمی نے اجتہاد کیا اور اسکے لئے پوری محنت صرف کر دی اور فقہی اور حدیثی اصولوں کا استعمال بھی کیا اور مسئلے کا اچھی طرح دراسہ بھی کیا مگر غلطی کر گیا، تو یہ شخص بھی اجر کا مستحق ہوگا البتہ اسے صرف ایک اجر ملے گا، جیسا کہ اوپر حدیث میں گزرا۔

تیسری قسم: آدمی نے زیادہ بحث وتلاش اور محنت سے کام نہیں لیا بلکہ یونہی بغیر علم کے اپنی صوابدید کے مطابق فیصلہ کر دیا اور کتاب وسنت کی روشنی میں حق جاننے کی کوئی کوشش نہیں کی، البتہ اس نے حق ہی سمجھ کر فیصلہ کیا مگر نادانی کی بنیاد پر، اور یہ سمجھ بیٹھا کہ یہ کافی ہے، تو ایسا شخص گنہگار ہوگا۔

چوتھی قسم: آدمی کو اللہ کا فیصلہ معلوم ہے پھر بھی خواہشات نفس اس پر غالب آ گئی، یا حالات وظروف سے مجبور ہو کر یا کسی کی چاپلوسی میں فیصلہ کر دیا مگر وہ صحیح فیصلہ تھا تو بھی وہ گنہگار ہوگا، خواہ وہ فیصلہ صحیح ہو یا غلط۔

یہاں پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آدمی نے حق کو جانا، اسکا اعتراف کیا، مگر خواہشات نفس کے غلبہ کی وجہ سے، یا شہوت کی وجہ سے، یا کسی مصلحت کی وجہ سے اس نے وہ فیصلہ شریعت کی روشنی میں نہیں کی، حالانکہ اسے حق کا اعتراف ہے، تو

ایسی صورت میں وہ گنہگار ہوگا، وہ وضعی قوانین کی بنیاد پر فیصلہ کرے یا اپنے من کا فیصلہ سنائے، وہ گنہگار ہوگا، دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا، زیادہ سے زیادہ اسے فاسق کہہ سکتے ہیں، یہ اسی طرح ہوگا جیسے کوئی ممنوعات یا محرمات کا ارتکاب کرتا ہے اور اسے اپنے گناہ کا اعتراف بھی ہوتا ہے۔

پانچویں قسم: مجبوری میں یا دباؤ میں شریعت کے مطابق فیصلہ نہیں کیا، تو اسے معذور سمجھا جائے گا، پھر بھی وہ گنہگار ہوگا اگر اس نے کوئی ایسا فیصلہ کیا ہے جس سے کسی کے جان و مال کا خطرہ ہوتا ہے، اگر ایسی صورت ہے تو وہ فیصلہ کرنے سے انکار کردے گرچہ اسے کچھ تکلیفوں کا سامنا ہو، اور معاملہ اس سے کمتر ہے تو ایسی صورت میں وہ معذور ہوگا۔

چھٹی قسم: اللہ کے فیصلے کو جانا اور حق کو پہچانا، مگر پھر بھی اللہ کے فیصلے پر غیر اللہ کے فیصلے کو ترجیح دی، اور کہا کہ وضعی قانون اللہ کے فیصلے سے افضل ہے یا اس کے مساوی ہے، اور اسی کو حلال سمجھا، بایں طور کہ اس نے کہا اس وقت شرعی احکام تطبیق کے لائق نہیں ہیں، یا یہ کہا کہ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، تو ایسی صورت میں وہ کافر ہو جائے گا اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جائے گا۔

اس میں جو شروط اور قیود ہیں انہیں جاننا ضروری ہے کیونکہ یہ تکفیر کا مسئلہ ہے:

۱- اللہ کے حکم کو جان کر اسکی مخالفت کی۔

۲- اس سے منحرف ہو کر غیر اللہ کے فیصلے کو نافذ کیا۔

۳- اس نے دوسرے کے فیصلے کو فضیلت دی، یا برابری کا عقیدہ رکھا۔

یہی وہ تفصیل ہے اس مسئلے میں جسے ہر مسلمان کو جاننا چاہئے، تاکہ جلد بازی میں آکر مسلمانوں کی تکفیر نہ کر ڈالے، یہاں تک بعض وہ ممالک جہاں شرعی قوانین کا نفاذ نہیں ہے ان ممالک پر ہم کفر کا فتوی نہیں لگا سکتے، اور نہ ہی وہاں کے حکام کی تکفیر کر سکتے ہیں جب تک کہ ان کے کسی کلام سے یا ان کے کسی بیان سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وضعی قوانین شریعت کے مقابلے میں افضل ہیں، یا دونوں برابر ہیں، اگر وہ شریعت سے واقف ہونے کے باوجود ایسا کہتے ہیں تو پھر ان کی تکفیر کی جائے گی، امید ہے کہ یہ تفصیل نوجوانوں اور خاص کر طالب علم یاد رکھیں گے۔

واللہ اعلم وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد۔

فہرست

صفحہ	موضوعات